

کتابت اسلامیہ

جامعۃ ملیہ اسلامیہ

دہلی

شعبہ ۳۷۰۵۵

شمارہ ۲۲۷

عدد داخلہ ۳۷۵۸۳

۱۹۵۳/۱

A.H. Faruqi

جَامِعَةُ طَبِيعَةِ إِسْلَامِيَّةٍ

دہلی

۳۶۰۳۵ دین

شماره ۱۲۵

٢٤٥٨٢ عدد اقل

1954/1

A H Formi



شماره ۱۰

لاہور

[جنوری ۱۹۵۳]

اس شماره میں

- ۱ جلسہ تقسیم اسناد : ادارہ
- ۲ برطانیہ کے دارالاطفال : غلام نبی بٹ
- ۳ فروبل اور انگریزی تعلیم : محمد عبدالعزیز
- ۴ تعلیم بالغوں : مفتی محمد اقبال
- ۵ منصوبی طریق تعلیم : نذیر احمد آثر
- ۶ ایمیل یا روسو کی تعلیم (سلسلہ ۱) : توقیر مرزا رزقی
- ۷ تعلیمی دنیا پر ایک نظر : ادارہ
- ۸ سرکاری جریدہ کے اعلانات

: پشیر ہاشمی

عبدالغفور پودھری
معاونین : ایم - اے - عزیز

سچی بات

آموزش لاکھو

جنوری ۱۹۵۳ء سالانہ چہ شدہ

پاکستان کے لئے ۴ روپے	جلد ۵
غیر ملک کے لئے ۸ روپے	شمارہ ۱۰

قیمت فی پرچہ دس آنے

پبلشر

یونیورسٹی بک انجینیری لاہور

ایچ ڈی خالد پبلشرز نے دین محمدی پریس لاہور میں طبع کرا کر ریزیمو سٹی بک ایجنسی ۲ کچہری روڈ لاہور
سے شائع کیا

جلسہ تقسیم اسناد

اس سال پنجاب یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کی صبح کو یونیورسٹی ہال میں منعقد ہوا۔ صوبے کے گورنر اور پنجاب یونیورسٹی کے چانسلر جناب اسمیل ابراہیم چندریگر صاحب نے کاؤنسلرین یڈریس پڑھا، اس خطبے میں موصوف نے نئے گزٹ بومس کو آنے والی زندگی میں دشواریوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔

آپ نے فرمایا: ”پاکستان کو متبحر عالموں، ذی فہم سیاست دانوں، قانون کے ذہین ماہروں اور بالک دست صنعت کاروں کی ضرورت ہے، ماہرین فن کم یاب ہیں اور ان کی مانگ زیادہ ہے، لیکن لوگ حالاتِ زمانہ کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اپنا راستہ آپ تلاش کر لیتے ہیں اور ان کے ذاتی جوہر ملک کو دہتے ہیں، انسان کو دنیا میں مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، مگر یہ مشکلات اتنی شدید نہیں ہیں کہ ان پر آسانی سے قابو نہ پایا جاسکے جس شخص میں استعداد اور ہمت ہوتی ہے وہ ان مراحل سے گزرتا اور منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ جب ایک نوجوان یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو پیشہ اس نے اختیار کیا ہے اس میں بہت زیادہ ہجوم ہے اور اس کے لئے قی کے امکانات بہت کم ہیں۔“

آزادی کے حصول کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تعلیمی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی ہیں جو ممالک غلامی کی

زنجیروں کو توڑ چکے ہیں، ان کے اساتذہ اور طلبہ دونوں میں ایک نیا جوش، ولولہ اور ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن افسوس ہم آج بھی نشاطِ کار سے نا آشنا ہیں۔ ہم ان کبھی کبھی طبیعتوں میں نیا ذوق و شوق پیدا کرنا ہو گا۔ تعلیم کے صحیح مقصد کو سامنے رکھ کر، ہمیں نوجوانوں کے کردار کو قوی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ انھیں اچھے شہری بننے کی تربیت دینی ہوگی اور یہ دیکھنا ہو گا کہ انھیں سناشرے کی ہتھکڑی زندگی میں ایک مناسب مقام مل جاتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان میں اپنے فرائض منصبی کو بخیر و احسان انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنے حالات کو سازگار بنانا ہو گا، ہماری شخصیتوں کی تشکیل بالعموم لا حاصل سی ہوتی ہے، کیسی سوچی سمجھی تجویز یا فکر کا نتیجہ نہیں ہوتی، اسی طرح حصولِ نفع کا بھی اتفاق اور قسمت پر مبنی ہوتا ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض شعبوں میں نوجوانوں کو حسب ضرورت صحیح تربیت دی جاتی ہے لیکن بالعموم طلبہ کی اکثریت متوقع رہ نمائی سے محروم رہ جاتی ہے۔ آخر کالج نے ہمیں اسی تعلیم کیوں نہیں دی جو گیمجوئیٹ ہونے کے بعد ہمارے لئے مفید ثابت ہو سکتی؟ یہاں سے جانے کے بعد سوال آپ میں سے بیشتر کی زبان پر ہو گا۔

میں بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمارا نظامِ تعلیم اور طریقِ تدریس دونوں معیاری نہیں ہیں۔ اول لطف یہ کہ ہم اس نظام کو بہتر بنانے کے وسائل کو آج بھی نظر انداز کر رہے ہیں لیکن تاہم، ہم ان متردک اور دور انداز طریقوں سے کب تک کام چلا سکیں گے، کیا ہم کسی معیار سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے شاگردوں کو عمر کی سے پرہا کے گاج تک وہ خود ہی اس علم کی ماسیت کو نہیں سمجھتا؟ وہ طلبہ کو صحیح راستے پر نہیں ڈال سکتا، تجربہ ہوتا ہے کہ طلبہ کی کثیر تعداد نذرِ عہد شدہ ہو جاتی ہے۔

یہ کہنا کہ طلبہ اور اساتذہ اسکولوں اور کالجوں میں متنازعہ مسائل سے دور نہیں، معقولیت اور حقیقت دونوں سے بعید ہے، ان کے گرد و پیش ہر وقت انھیں مسائل پر بحث ہوتی رہتی ہے، فلم، ریڈیو، اخبار ان کی نگاہوں کو کسی نہ کسی نقطہ خیال پر مرکوز کر دیتے ہیں، جمہوری ملکوں میں طلبہ تعلیم کے اختتام کے ساتھ کچھ اپنے نظریات قائم کر لیتے ہیں، اور اپنی آئندہ زندگی میں اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں، کیا ہمارا مقصد ان نوجوانوں کو

لوشن و مانع اور باغ نظر شہری بنانا نہیں ہے، کیا ہم انہیں ہر پروگنڈا کرنے والے لیڈر کے سپرد کر دیں گے؟ یہ اسلامی آئین و ضوابط کے منافی ہے..... اس لئے ہیں اپنی تعلیم گاہوں کو چھوٹے چھوٹے جمہوری ہاسٹروں میں تبدیل کرنا ہو گا۔

لیکن صرف ذہنوں کی تربیت ہی کافی نہیں ہوتی، پچھلی راج صدی میں فن تعلیم نے نصاب و طریق تدریس میں بہت ترقی کر لی ہے، مگر جب ہم اخلاقی تعلیم کی طرف بگھا اٹھاتے ہیں تو معاملہ کچھ مشکوک سا نظر آتا ہے..... سماجی اور اخلاقی اقدار ماحول ہم دردی اور قہر سے حاصل ہو سکتی ہیں، اخلاقی تعلیم میں ہماری ناکامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نصابی تعلیم پر زیادہ زور دیتے ہیں اور سماجی اقدار کی ترقی یا اخلاقی عادتوں کو سوار نہ سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں،

ان تمام دشواریوں کا ایک سبب موجودہ نظام امتحانات بھی ہے، یہ نظام ابتدائی امتحانوں کے لے کر اعلیٰ امتحانوں تک قوتِ حافظہ پر منحصر ہوتا ہے، جو طلبہ ضروری واقعات کو اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھ سکتے ہیں وہ کامیاب ہو کر وظیفہ پاتے ہیں، پروفیسر بن جاتے ہیں، یا ملک کے منظم و نسق میں کسی عہدے پر پہنچ جاتے ہیں۔ امیدواروں میں کچھ قوتِ فکر بھی ہے یا نہیں، امتحانات اسے متعین نہیں کر سکتے۔ اس پورے خطبے میں نظامِ تعلیم طلبہ کے محسوسات اور قومی ضروریات کا مکمل جائزہ لیا گیا ہے، اس کے تجربے سے حسبِ ذیل نتائج مرتب ہو تے ہیں۔

(۱) ہمارے سامنے تعلیم کا کوئی واضح اہدہ متعین مقصد نہیں ہے۔

(۲) جو طریق تدریس ہماری تعلیم گاہوں میں رائج ہے اس سے طلبہ کی اکثریت فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔

(۳) ذہنی اور دماغی تربیت و اصلاح کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے۔

(۴) سماجی اور اخلاقی قدروں کے حصول کی کوشش نہیں کی جاتی۔

(۵) نظام امتحانات ناقص ہے، اس میں طلبہ کی قوتِ حافظہ کا تو جائزہ لیا جاسکتا ہے، لیکن ان کی قوتِ فکر و جدوجہد طبع کی پیمائش نہیں کی جاسکتی۔

ایسے موقعوں پر بالعموم تعلیم کے بنیادی نقصان اور قوم کی تعلیمی ضروریات کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے

اور یہ امید ظاہر کی جاتی ہے کہ چند باتیں دُنیا سے تعلیم میں ذہنی انقلاب لانے کا موجب ہوں گی، اس میں شک نہیں کہ وقتی جوش و خروش بھی پیدا ہو جاتا ہے، عزم و بہمت کے بیان بھی باندھے جاتے ہیں لیکن جیسے کامنگا مہترم ہوتا ہے تو یہ خوش آمدتیں بھی ایسے ہی کاموں میں ڈوب کر رہ جاتی ہیں، اس خلیجے میں جن بنیادی خرابیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ سب درست ادراک ہیں، یہ بھی صحیح ہے کہ ہمارے نوجوانوں اور اساتذہ میں جوش و خروش کی کمی ہے، ہم ان اونچی ذہنی اقدار کے بھی حامل نہیں ہیں جو آزاد قوموں کا طرزِ امتیاز ہوتی ہیں، ہماری تعلیم گاہوں میں طلبہ کی صحیح راہ نمائی بھی نہیں کی جاتی، اور پانچ پچھ سال یونیورسٹی یا کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب وہ اس دنیا میں آتے ہیں تو یہ ان کے لئے ان کی خیالی دنیا سے بالکل مختلف ہوتی ہے، انہیں جن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کا ہلکا سا تصور بھی ان کے ذہن میں اس سے پہلے کبھی نہیں آتا، یہ بھی صحیح ہے کہ تعلیم گاہوں میں رعنائی افکار اور بلندی فکر و نظر نہیں ہے، سماجی اور اخلاقی تربیت میں بھی ہم امدوں سے بہت پیچھے ہیں اور جب تک مختلف سماجی قدروں کو بطریق حسن اپنانے کی کوشش نہیں کی جائے گی کسی اچھے نتیجے کی توقع موزوں محض ہے، یہ بھی ماننا کہ ہمارا نظام امتحانات بھی ناقص ہے لیکن مرض کی تشخیص سے مرض کی شدت میں تو کمی نہیں ہوتی، ان نقائص کو دور کرنے کے لئے انفرادی اور اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے صرف نظامِ تعلیم کی تنقیص سے سلبِ براری نہیں ہو سکتی۔

تعلیمی تنقید کا یہ عجیب مسئلہ ہے کہ بالعموم نقائص سے واقف ہونے پر بھی ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی، یہ ظاہر ہے کہ وہ تنقید جو اخباروں اور پبلیٹ فلاموں سے کی جاتی ہے یا تو اس کا مقصد تنقیص ہوتا ہے یا تنقید کا یہ تنقید، اس میں اصلاحی اور تعمیری سرگرمی نہیں ہوتی، لیکن جب یہی کلمات کسی فردِ خاص کی زبان سے نکلتے ہیں تو کچھ ڈھارس بندھتی ہے کہ محض نقائص کی نشان دہی نہیں ہے، ان میں تعمیری احکام کا جوش اور ولولہ بھی ہے، ہم جناب گوڈر صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش کریں گے کہ آپ صاحب اختیار بھی ہیں اور یکثیت چانسز یونیورسٹی کے عظیم دست سے متعلق بھی اور آپ اس تعلیمی کچ روئی کوشد سے غور بھی کر رہے ہیں ہیں تو قہ ہے کہ آپ نے جس تعلیمی اصلاح کی ضرورت کو محسوس کیا ہے، اس کے لئے عملی اقدام بھی کریں گے ۛ

برطانیہ کے دارالاطفال

خواجہ غلام نبی بٹ

برطانیہ کے دارالاطفال (NURSERY SCHOOL) ملائی نفاذ تعلیم کی خاندان عمارت میں مشتبہ اول کا دوسرا رکھتے ہیں کہیں کہ یہی وہ اسکول ہیں جن میں سب سے کم عمر کے بچے یعنی ۲ سال سے لے کر ۵ سال کی عمر تک کے بچے داخل کئے جاتے ہیں، ذرا غور سے دیکھا جائے تو برطانیہ کے دارالاطفال دورِ حاضر ہی کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں، پہلی جنگِ عظیم کے فوراً بعد چند ماہرینِ تعلیم نے اس بات پر زور دیا کہ ایک بچے کی عمر میں ۲ سال سے لے کر ۵ سال کی عمر تک کا درمیانی وقفہ بہت اہمیت رکھتا ہے، یہی وہ زمانہ ہے جب بچے کا دماغ ہر رُپے یا اچھے اثر کو جلد قبول کر سکتا ہے اور اس کی آئندہ زندگی کی کامیابی یا ناکامی کا دار و مدار انہی تین سالوں کی تربیت پر ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی ساتھ طبِ جدید کے ماہرین نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ یہی وہ تین سال ہیں جن میں طبی نقطہ نگاہ سے بچے کی دیکھ بھال کی اشد ضرورت ہے تاکہ اس کی آئندہ صحت کی بنیاد استوار کی جاسکے۔

ماہرینِ تعلیم میں مس مارگریٹ میکملن (MISS MARGARET MACMILLAN)

پیش پیش تھیں، اس نیک دل خاتون کے خیالات کی حمایت میں اہلکار اور اسکاٹ لینڈ کے ات نے لیے چوڑے مقالے لکھے لیکن یہ تمام آوازیں صدِ البصر اثبات ہوئیں، اور کسی نے مدگی سے اس کی باتوں کو سننے کی کوشش ہی نہ کی، یہاں تک کہ گلاسگو جیسے بڑے شہر جہاں اس وقت ۶۰ سے زیادہ دارالاطفال ہیں، مسئلہ میں صرف ایک دارالاطفال اور وہ بھی ایک پرائیویٹ ادارہ تھا جو ایک مخیر خاتون کی فیاضیوں کا مرمون منت تھا۔

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی، اور شہر کی جنگی تیاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے برطانیہ کو اپنے تمام فلاح کو میدان میں لانا پڑا، یہاں تک کہ فوجی ضروریات کا سامان تیار کرنے والے کارخانوں میں مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو بھی کام کرنا پڑا، باپ تو پہلے ہی کارخانوں میں کام کر رہے تھے، ان کے ساتھ ماؤں کو بھی ان میں کم سے کم آٹھ گھنٹوں کے لئے گھریلو زندگی کو خیر باد کہنا پڑا۔ باقی رہ گئے ننھے بچے، سو ان کی تربیت کے لئے گورنمنٹ کو زمانہ جنگ کی پرورش گاہوں — (WARTIME NURSERIES) کا اہتمام کرنا پڑا۔ دوران جنگ کے تجربات ثابت کیا کہ یہ پرورش گاہیں چھوٹے بچوں کی مناسب اور صحیح تربیت کے لئے بہترین قسم کے ادارے ہیں، چنانچہ انہی نتائج کے پیش نظر انگلستان کے تعلیمی قانون مجریہ ۱۹۴۴ء اور اسکاٹ لینڈ کے تعلیمی قانون مجریہ ۱۹۵۲ء کی رو سے جہاں بہت سے دوسرے ترقی پسندانہ اقدامات کئے گئے، وہاں ہر مقامی تعلیمی حکومت (LEA) کے ذمے یہ فرض عائد کر دیا گیا کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں دارالاطفال کے جوار کا اہتمام کرے، ان قوانین کی رو سے والدین کو مجبور تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے بچے کو دارالاطفال میں بھیجیں کیونکہ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں لازمی تعلیم کی عمر کا عرصہ ۵ سال سے ۱۶ سال تک ہے لیکن ان اسکولوں کی انادیت کو دیکھ کر والدین کی پیشکش تعداد اس بات کا مطالبہ کر رہی ہے کہ ان کم عمر بچوں کی تربیت کے لئے دارالاطفال میں داخلہ کا انتظام کیا جائے۔

ذرا غور سے دیکھا جائے تو عام گھروں میں ایسا ماحول پیدا کرنا بہت مشکل ہے جس میں بچے کی دماغی اور جسمانی نشوونما کے عمدہ مواقع میسر آسکیں، اسی ماحول کے فقدان نے ہی دارالاطفال کی بہت زیادہ نمایاں کیا ہے، دارالاطفال خاص طور پر ایسے بچوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے ہیں جن کے والدین کی رہائش صنعتی علاقوں میں ہوتی ہو، اور ان کے گھروں کے آس پاس کھیلوں کے میدان نہ ہوں، یا جن کی بائیس اسٹور کمرہ در واقع ہوئی ہوں کہ بچوں کی تربیت کا بار عظیم اپنے کمرہ کنندہ پر ادا اٹھا سکیں، یا جن بچوں کی ماؤں کا انتقال ہو گیا ہو، یا جہاں میاں بیوی کے تعلقات اچھے نہ ہوں اور ان کی آپس کی کئے دن کی ٹکڑ بٹکی سے ننھے اور معصوم بچے کی آئندہ زندگی پر برا اثر پڑنے کا

نہال ہو۔ یا جہاں ماں کو کنبے کے بڑا ہونے کی وجہ سے گھر کے کام کاج سے فرصت ہی نہ مل سکے، یا اسے بچے کی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے کسی کارخانے یا دفتر میں کام کے لئے جانا پڑے، ایسے حالات میں ایک آزاد مملکت کی حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ننھے بچوں کی صحیح اور مناسبت بیت کا انتظام کرے تاکہ ج کے چھوٹے بچے کل کے بالغ شہری بن سکیں اور ملک و ملت کے کام آسکیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ایک اچھا گھر جہاں ماں اور باپ اپنے کم عمر بچوں کی تربیت میں پوری دلچسپی کا اظہار کر رہے ہوں اور جہاں ان کے دماغی اور جسمانی قویٰ کے پھلنے پونے کے بہترین مواقع میسر آ رہے ہوں، یقیناً ایک دارالاطفال سے بہتر ہوگا، اور میں شہوہاہر تعلیم (COMENIUS) سے اتفاق کرنا چاہوں گا کہ انسانی عمر کے پہلے چھ سالوں تک بچے کی درس گاہ ان کی گود ہی ہونی چاہئے لیکن ہم میں سے کتنے باپ اور کتنی مائیں ایسی ہیں جو روزمرہ کے دھندوں سے فرصت کے کچھ ایسے لمحات بھی نکال سکیں جن میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی نگہداشت کر سکیں۔ دارالاطفال کو دراصل اسکولوں کے نفع سے یاد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ صرف تربیت کا ایسا گہریا نی ہو گا کیوں کہ اسکولوں سے مراد ہم عام طور پر ایسی جگہیں لیتے ہیں، جہاں لکھائی، پڑھائی اور باب وغیرہ کے سکھانے کا اہتمام ہو، لیکن دارالاطفال میں اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی اس کے س اس اسکول کے وسیع و عریض کھیل کے کمروں، ان کی خوبصورت دیواروں، مفید تعلیمی کھیلوں، باغیچے کے خوبصورت پودوں اور رنگارنگ پھولوں کی صحبت ایک ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ جس میں بچوں، پوشیدہ قوتوں کو ابھرنے کا موقع دیا جاتا ہے، ان کی عادتیں درست رکھی جاسکتی ہیں، انہیں اپنے افسانے جسمانی پر مکمل اختیار حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنی آنے والی تعلیمی زندگی کے لئے بہتر طریق پر تیار لڑتے ہیں۔

ایک عام دارالاطفال میں چالیس سے پچاس بچوں تک کی تربیت کا انتظام ہوتا ہے، ایک ایسے اسکول کا اسٹاف پانچ خواتین پر مشتمل ہوتا ہے جن میں سے ایک سپرنٹنڈنٹ ہوتی ہے۔ جو دارالاطفال میں کام کرنے کے لئے تربیت یافتہ ہوتی ہے، اور وہ اس کی معاونین ہوتی ہیں۔

معاذین عام طور پر ۱۸ سے ۲۰ سال کی عمر تک کی نوجوان لڑکیاں ہوتی ہیں جو باادقات غیر تربیت یافتہ ہوتی ہیں اور پرنٹنڈنٹ کی زیر ہدایت کام کرتی ہیں، ایک باورچن ہوتی ہے جو بچوں کے لئے دوپہر کے کھانے اور شام کی چائے کا انتظام کرتی ہے، اور ایک چوکیدارن جو اسکول کے بیش قیمت سامان کی دیکھ بھال کرتی ہے اور اسکول کی معافی وغیرہ کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے، ان پانچ خواتین کے علاوہ ایک ڈاکٹر اور نرس وقتاً فوقتاً بچوں کی صحت کی دیکھ بھال کے لئے اسکول میں آتے رہتے ہیں اسٹاف کا تقرر کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے کہ یہ کام صرف ایسی خواتین کے سپرد کیا جائے جو صحیح معنوں میں بچوں کی بے لوث خدمت کا جذبہ دل میں لئے ہوئے ہوں، طبعاً خوش مزاج ہوں اور بچوں کے ساتھ انہیں خاص پیارا اور محبت ہو۔

معاذین کے انتخاب میں اور بھی زیادہ احتیاط برتی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ ان کا اپنا طرزِ اکمل نہایت صاف اور شستہ ہو، تاکہ بچوں کو صاف ستھرا بولنا سکھاسکیں۔

ایک عام دارالالطفال کے روزمرہ کے پروگرام کو سمجھنے کے لئے میرے خیال میں بہتر ہو گا کہ میں آپ کو گلاسگو کے ایک دارالالطفال میں لے چلوں، گلاسگو کا یہ دارالالطفال گلاسگو کے ایک نہایت ہی گنجان آباد علاقے اینڈرسن اسٹریٹ (ANDERSON STREET) میں واقع ہے اور اسی نسبت سے اس کا نام بھی اینڈرسن اسٹریٹ دارالالطفال (ANDERSON STREET NURSERY SCHOOL) ہے، یہاں کی پرنٹنڈنٹ ایک نہایت ہی خوش المذاق خاتون مس ٹیلر (MISS TAYLOR) ہیں، وہ اپنے شاگردوں کو اپنے حقیقی بہن بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی ہیں، اگر آپ اس دارالالطفال کے سارے پروگرام کو دیکھنا چاہیں تو آپ ٹیک فیک اسکول کی چار دیواری میں پہنچ جانا چاہئے، فونجے سے ساڑھے نو بجے تک بچے اپنی ماؤں کی انگلیاں پکڑ لے سکول میں آتے رہتے ہیں اور تقریباً ساڑھے نو بجے تک تمام بچے اسکول میں حاضر ہو جاتے ہیں، جب بچہ اسکول کی چار دیواری میں داخل ہو جاتا ہے تو ماں کو نفین ہو جاتا ہے کہ اب اس کا نو ذریعہ محفوظ ہاتھوں میں ہے، اور اسے اس کی حفاظت کے متعلق کسی قسم کی تشویش کرنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ

کسی قریبی بس اسٹینڈ پر تقاریریں کھڑی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے کارخانے کی طرف جانے والی بس چند ہی منٹوں میں اسے کارخانے تک لے جاتی ہے اور وہ پورے آٹھ گھنٹوں کے لئے اپنے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔

انگلستان آپ جانتے ہیں ایک سرد ملک ہے اور اسکاٹ لینڈ دودھ شمال میں ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ سرد ہے۔ وہاں اور کوٹ کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا، اور کوٹ ان کے لباس کا ایک ضروری جزو ہے چنانچہ جمپوٹا یا پوٹا بچہ بوڑھا، مرد و عورت اور کوٹ پہن کر ہی باہر نکلنے میں جب ایک بچہ اسکول کے کمرے میں داخل ہوتا ہے تو اسے بڑے سلیقے سے اور کوٹ کو اتارنا ہوتا ہے، اگر اس پرف کے گالے یا بارش کے پھینٹے تیرتے ہوئے ہوں تو اسے جھاڑ کر ایک خاص جگہ لٹکانا ہوتا ہے، اب دو یا تین سال کا بچہ ہے لکھ پڑھ سکتا نہیں کہ کھوٹی پر اس کا نام لکھ دیا جائے چنانچہ مس ٹیلر نے یہاں ایک بڑی دلفریب ترکیب نکالی ہے اور وہ یہ ہے کہ مختلف کھوٹیوں کے ذرا اور مختلف جانندوں اور پندوں کی تصویریں لگی ہوئی ہیں ہر بچے کو ایک خاص کھوٹی الاٹ کر دی جاتی ہے، اور وہ کھوٹی کے اوپر لگی ہوئی تصویر کو بخوبی دیکھ لیتا ہے، آئندہ ہمیشہ وہ اپنا کوٹ اسی کھوٹی پر لٹکائے گا جو اسے تفویض ہو چکی ہے چنانچہ باہر سے آنے والے شخص کو ایک خاص ترکیب میں رنگارنگ کے اور کوٹ لٹنگ دیکھ کر مس ٹیلر کی اس خاص ترکیب کی خواہ مخواہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اس کمرے کو جہاں کہ بچے اپنے اور کوٹ محفوظ رکھتے ہیں اطاق پوشاک (CLOAK ROOM) کہتے ہیں، اس میں گرم ہوا کے آنے جانے کا انتظام ہوتا ہے، تاکہ اسکول سے جاتے وقت بچوں کے اور کوٹ پھر خشک ہو جائیں اور باہر کی سردی ان کے نرم و نازک جموں کو محفوظ رکھ سکیں۔

اطاق پوشاک کے آداب سے فارغ ہونے کے بعد بچہ ایک مرکزی کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں مس ٹیلر یا ان کی معاونین بچے کو خوش آمدید کہنے کے لئے موجود ہوتی ہیں بچہ نہایت ادب سے انہیں سلام کرتا ہے جس کا جواب نہایت شفقت بھرے لہجے میں دیا جاتا ہے، ہر بچے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایک ایک سے فارغ ہونے کے بعد فوراً اس وسیع و عریض کمرے کی طرف جائے جہاں مختلف قسم کے

دہندہ کھیلوں کا انتظام ہوتا ہے، کہیں بچوں کے فرائی سکل ہیں تو کہیں بچہ گاڑیاں ہیں، کہیں نعلی نمبی موٹر کاریں ہیں تو کہیں لکڑی کے گھوڑے سواری کی دعوت دے رہے ہیں، کہیں کودنے کے اسٹیڈیم ہیں تو کہیں پھانڈنے کی ریاں رکھی ہیں (SEE-SAWS) جھولے اور اسی قسم کے اور بے شمار کھیل موجود ہیں، بچے باری باری اپنی پسند کے کھیلوں سے لطف اٹھاتے ہیں اور خوب خوش ہوتے ہیں، اگر کوئی چھوٹا بچہ کسی بچہ گاڑی میں بیٹھ جاتا ہے تو اس سے ذرا بڑی عمر کا بچہ اس گاڑی کو کبھی آگے دھکیل کر آدھ کبھی پیچھے کھینچ کر اپنے جسمانی اعضا کی ورزش کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے ایک گھنٹی بجتی ہے اور تمام بچے مرکزی کمرے میں پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کی ذاتی صفائی کی پریڈ ہوتی ہے، صاف ستھرے بچوں کو کھیل کے کمرے میں بھیج دیا جاتا ہے، اور گندے بچوں کا منہ ماتھ دھلایا جاتا ہے، ان کے دانت صاف کرائے جاتے ہیں، بالوں میں کُنٹھی کی جاتی ہے، اور تھوڑی ہی دیر میں سب بچے صاف ستھرے نظر آنے لگتے ہیں، اس وقت تک سوا دس بج جاتے ہیں، سب بچوں کو گھنٹی کے ذریعے ایک دفعہ پھر کمرے میں جمع کیا جاتا ہے، اور ہر بچے کو سرکاری خرچ پر دھو دھکی ایک بوتل دی جاتی ہے جسے وہ ناٹ کی مدد سے پی جاتا ہے اور دو ذرہ زاپنی صحت کو بہتر سے بہتر بنائے جاتا ہے، اس کام میں تقریباً پندرہ منٹ صرف ہو جاتے ہیں، اب سب بچے ایک بڑے دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں اور درمیان میں بڑے ہوئے گراموفون پر (NURSERY RHYMES) بچوں کے گیتوں کے ریکارڈ بجانا شروع ہوتے ہیں بچے ان ریکارڈوں کو خوب شوق سے سنتے ہیں، ایک ایک ریکارڈ کو حسب ضرورت دو دو تین تین دفعہ بجایا جاتا ہے، اور پھر بچوں کو باری باری اسی انداز میں ان گیتوں کو گانے کے لئے کہا جاتا ہے کئی بچے اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ جلد ہی ان گانوں کی ہونہو نقل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچاتے ہیں، بچوں کے گیت بچوں کو بہت ہی مرغوب ہوتا ہے، میں، اور ہر قوم کے بچے خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں انہیں بہت ہی پسند کرتے ہیں اور خوب شوق سے گاتے ہیں، مقام شکر ہے کہ ہماری قوم کے شرائے کرام نے بھی بچوں کی اس اہم ضرورت کا احساس کیا اور صوفی غلام مصطفیٰ صاحب، مہتمم، عبد المجید صاحب، بی بی اور بعض دوسرے اصحاب نے بچوں کی فطرت کے مطابق

گیت کھتے ہیں جنہیں بچوں نے خوب پسند کیا ہے، بچے ساڑھے گیارہ بجے زمری لائمر سے فارغ ہو جاتے ہیں، اور پھر ایک گھنٹے کے بعد تعلیمی کھیلوں میں مصروف ہو جاتے ہیں، تصویروں میں رنگ بھرے جاتے ہیں، لکڑی کے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف جانوروں کی تصویروں مکمل کی جاتی ہیں، مٹی اور ریت سے گھر دند بنائے جاتے ہیں، اوزان - پیمانوں اور لکڑی کے کھیلوں کو ایک خاص اگلیٹ میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ تاکہ بچے چھوٹے اور بڑے کم اور زیادہ کے فرق کو سمجھ سکیں، ساڑھے بارہ بجے سے ایک بجے بعد از دوپہر تک سبکدوشی میزوں کی سبجیکٹ پر درپہر کا کھانا کھاتے ہیں، بس ٹیبل اور ان کی مساویں بچوں کے ساتھ ہی بیٹھ جاتی ہیں اور انہیں کھانا کھانے کے آداب سکھاتی ہیں، بچوں کو بتایا جاتا ہے کہ پھر کسی ہاتھ میں پکڑی جاتی ہے اور کانٹا کس ہاتھ میں، کھانے سے خلغ ہو کر چھوٹے بچے اپنی توئی زبان میں کہانیاں سناتے ہیں، اور ان کے ساتھی انہیں بڑے شوق سے سنے ہیں، کہانیاں سناتے سناتے چند بچے اوجھنے لگتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کے سو جانے کا وقت ہے، اسکول کی بالائی منزل میں بچوں کی تعداد کے مطابق ایک وسیع کمرے میں بستر لگے ہوتے ہیں، ہر بستر کے سر بانے وہی تصویر لگی ہوتی ہے جو اطاق پوشک کی کھونٹوں پر لگی ہوتی ہے، گویا یہاں بھی ہر بچے کا بستر مخصوص ہوتا ہے، بچے اپنے اپنے بستر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پردے گرا دیئے جاتے ہیں، کمرے میں خاموشی کا دور دورہ ہو جاتا ہے، اور پانچ سلت منٹ کے اندر سب بچے خڑائے بھرتے ہوئے سانی دیتے ہیں، ٹھیک دو گھنٹے کے بعد بچے یکے بعد دیگرے بیدار ہو کر شریع ہو جاتے ہیں، اور اپنے بستروں سے باہر آ جاتے ہیں، اور پچھلی منزل کے مرکز کی کمرہ میں کھانے کی میز پر بیٹھ جاتے ہیں، باد چن اس وقت تک چائے تیار کر لیتی ہے، اور سب بچوں کو ایک ایک پیالی چائے اور دو دو لیٹ مل جاتے ہیں، کچھ بڑے بچے باری باری مختلف ایام میں کھانا اور چائے اپنے ہم جوئیوں کے سامنے رکھتے ہیں، اور اس طرح دسترخوان چھنے کے طریقوں سے واقف ہو جاتے ہیں، اسی آئنا میں چار بج جاتے ہیں، اور بچوں کی مائیں فیکٹری سے واپسی پر انہیں اپنے ساتھ گھر لے جاتی ہیں۔

فار الاطفال کی وجہ سے برطانیہ میں چھوٹے بچوں کی تربیت کا انتظام روز بروز بہتر ہوتا چلا جا رہا ہے اور بعض ایسی مائیں جنہیں اپنے گھروں میں فارغ البالی میسر ہے، وہ انہیں اس قدر مست بھی ہے کہ وہ

اپنے بچوں کی دیکھ بھال خود کر سکیں وہ اکثر ان اسکولوں میں آتی ہیں، یہاں کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر، اپنے بچوں کی بہتر تربیت کا انتظام خود اپنے گھر میں ہی کر لیتی ہیں۔

آپ حیران ہو کر دریافت کریں گے کہ برطانوی بچوں کو اس قدر سائیں کس طرح میسر آ سکی ہیں، اور ہمارے بچوں کے اسکولوں میں اس قسم کا ماحول کب پیدا کیا جاسکے گا، اس کا جواب صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ برطانوی قوم کے ذرائع آمدنی ہماری نسبت بہت وسیع ہیں، اور پھر وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنا بھی جانتے ہیں، صرف گلاسگو کی مثال آپ کے سامنے رکھوں گا، گلاسگو کا شہر جزائر برطانیہ میں لینڈن سے دوسرے درجے پر ہے، اس کی آبادی تقریباً ساڑھے دس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، گویا اتنی ہی تخفیفی کہ شہر لاہور کی تقسیم ملک سے قبل تھی، ساڑھے دس لاکھ کی آبادی والے اس شہر کا تعلیمی بجٹ نو کروڑ روپیہ سالانہ ہے، اور ہمارے پاک پنجاب کا تعلیمی بجٹ ہماری بے شمار اصلاحی کوششوں کے باوجود ابھی تین کروڑ روپیہ سالانہ سے کچھ کم ہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں برطانیہ والے تعلیم پر فی کس تقریباً ساٹھ روپے خرچ کرتے ہیں وہاں ہم صرف ایک روپیہ فی کس خرچ کرتے ہیں، ان حالات میں آپ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو بھی وہی تعلیمی سہولتیں حاصل ہوں جو برطانوی بچوں کو حاصل ہیں، خدا کرے کہ ہمارے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہو اور ہم بچوں کی تعلیم پر خرچ کرنا بھی سیکھ سکیں۔

نزول اور انگریزی تعلیم

محمد عبید العزیز

ہماری موجودہ تعلیم اور اس کے نظام کو متقلب اور ہارم (INVERTED PYRAMID) سے تعبیر کیا گیا ہے۔
 مدارس میں کلام بھی نہیں، ریٹانیہ سے جو تمام تعلیم ہمیں ورثے میں ملا ہے اس کے مختلف مدارج کچھ غیر مربوط
 سے ہیں، ہم اپنی تمام تر قوت اعلیٰ تعلیم کے اہتمام میں صرف کر دیتے ہیں، اذہنچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف
 ہمت کم کر دیتے ہیں یعنی ہم کسی ایسے محل کی تعمیر کا غور نہ کرتے ہیں جس کے کنگرے خوبصورت ہوں۔ اور جس کے بالائی
 نقش و نگار بجاذب نظر ہو اس کی بنیاد کھوکھلی ہی کیوں نہ ہو، اگر بچوں کی تعلیم و تربیت سے یوں ہی اغماض کیا
 گیا تو توقعات کا پیش منہ سے ختم ہو جائے گا۔ تعلیم تو ایک مسلسل کڑی اور ایک مربوط کل ہے اسے تقسیم نہیں
 کیا جاسکتا، بچے کی ذہنی اور جسمانی نشوونما ہماری قومی دیوار میں چونا گارا کا کام دے سکتی ہے، لیکن ابھی تک
 ہم اپنے تعلیمی نظام میں بچے کو کوئی نمایاں جگہ نہیں دے سکے، اس ملک میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے جو
 ابتدائی مدارس موجود ہیں، ان کی تعلیمی حالت نہایت مایوس کن ہے، کنونٹ (متعلق بہ کلیسا) مدارس سے قطع نظر
 میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ابتدائی مدارس میں بچوں کو تعلیم نہیں دی جاتی، تعلیم کا منہ پڑھایا جاتا ہے
 پنجاب میں صرف ایک بچہ اسکول ہے جسے سرکاری اعانت حاصل ہے، اور غالباً سرکاری اور لوکل بورڈیں
 کی تعلیم گاہوں میں اپنی نوعیت کا یہ منفرد ادارہ ہے جہاں کنڈگارٹن (KINDER GARTEN) طریقہ
 رائج ہے، پچھلے سال اس ادارے میں تیس بچوں کے داخلے کی گنجائش تھی، ان میں مگھوں کے لئے ۳۷۵
 درخواستیں موصول ہوئیں، ان میں سے ۶۹۵ بچوں کی درخواستوں کو چاہنا چار ستر درکار پڑا، داخلے کا

تہہ ہوا، تاہم بچے گھروں کو واپس گئے اور انجام کار انہیں مدارس میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا جن میں ”رعنائی افکار“ مقبوعہ ہوتی ہے، یا ان میں سے بعض بچوں کے والدین کسی اور موقع کی تلاش میں بچے کی تعلیم میں تاخیر کر رہتے ہیں اور کچھ مال والدین اپنے بچوں کو کنونٹ مدارس میں بھیج دیتے ہیں، ان مدارس کا تمام تر ماحول مسیحی اور فرنگی ہوتا ہے، یہاں مشرقی سراج میں مغربی آب و رنگ بھرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان سے ان کی قوت فکر بھی بچھین لی جاتی ہے اور ان کی آنکھوں پر مغربی تہذیب کی ایسی عینک لگا دی جاتی ہے کہ دیکھیں تو اسی ستارہ نگاہ سے اور سوچیں تو اسی مادہ نگاہ سے۔

قیام پاکستان کے بعد ہم ہر کام کو حکومت پر چھوڑ دینے کے عادی ہو چکے ہیں اور ہمارے موجودہ جموں اور قلعوں کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ اہم اجتماعی طور پر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی کچھ نہیں سوچ سکتے، صرف لاہور شہر میں ایک نہیں بیسیوں کنڈرگارٹن مدرس کی ضرورت ہے، کیا اپنے بچوں کے لئے نئے مدرس اور نئی تربیت گاہیں کھولنے کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی؟ نجی اداروں کے قیام پر ہمیں سب سے زیادہ زور دینا چاہئے، نجی اداروں سے میری معمولی فائٹ کالجوں کی نجات گاہیں نہیں بلکہ عوامی مدرس ہیں جو کسی انجمن کے زیر اہتمام صرف کامیاب، نذرانہ قومی اپنی حکومت کی مساعی پر ہی قانع نہیں رہتے وہ اپنے قومی مفاد کے پیش نظر تعلیم کو فروغ دینے کے ہر ممکن وسیلے کو اختیار کر لیتی ہیں، آج سے کوئی سو برس پہلے فروغ نے کنڈرگارٹن طریق تعلیم کی بنیاد ڈالی، اس تحریک نے تھوڑے ہی دنوں میں عالم گیر شہرت حاصل کر لی، اداس کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے مختلف یورپی ممالک نے اسے اپنے یہاں رواج دیا، انگلستان نے بھی اس نظام تعلیم کا خیر مقدم کیا، اور اسے اپنے ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا چوں کہ ہمارا نظام تعلیم براہ راست برطانوی نظام تعلیم سے متاثر ہے اس لئے انگریزی مدارس پر فروغ کے اثرات کا محفل خاکہ پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد اس ملک میں کنڈرگارٹن طریق تعلیم کی ابتدا اور اس کی اہمیت سے بحث کی جائے گی۔

فروبل کے انتقال کے دو سال بعد فروبل سمر اسکول (FROEBEL SUMMER SCHOOL) میں ایک

آہستہ آہستہ درس کی زبانی یہ کلمات سنئے گئے۔۔۔۔۔ ”فرویل کون تھا؟“..... مردِ ماموریت؟ انسان

وقت تک اس دنیا میں اپنے ماحول اور سماجی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرتا رہا، ہر عہد کے حالات نہ ہوتے ہیں، لیکن عام انسان کو مسائل کیف و کم سے کبھی دلچسپی نہیں ہوتی، دنیا کیسے بنی اس کا انجام ہو گا یہ ایسے مسائل ہیں جن میں الجھنا ان میں سے کوئی پسند نہیں کرتا، لیکن اس طریق تدبیر کے ہی اصولوں کو جو اس کانفرنس میں ذیور بحث آئے فروبل نے انتہائی غور و فکر کے بعد نہایت موثر انداز پیش کیا اور بقدر ضرورت اس کا پورے پکندا بھی کیا، اسلئے میں فروبل کی کتاب ایکویشن آف مین (انسانی مباحث) ہوئی، اُس وقت سے لے کر اس وقت تک مغربی اور عملی لحاظ سے یہ طریق تدبیر تسلیم ترقی کر رہا ہے۔

فرڈرک فروبل اسلئے میں ابرویس بخ (OBERWEISSBACH) واقع تیورنجا (جرمنی) میں پیدا ہوئے۔ ایک گاؤں کے پادری کا بیٹا تھا۔ بچپن سے ہی اسے اپنی ذہنی کیفیات کے تجربہ کا موقع ملا، اس نے اپنے اسلئے کے خط میں جو دراصل خود نوشتہ سوانح حیات کا درجہ رکھتا ہے، واضح الفاظ میں بیان کیا ہے میری ابتدائی زندگی کے تجربات نے میری باخ شخصیت کی تعمیر میں کتنا حصہ لیا ہے، اس کے باچے تقدس اس کی شدت پسندی نے بیٹے میں مذہبی فلسفے کی شکل اختیار کر لی، جسے اس نے نہایت پر جوش انداز میں ایا، فروبل کی اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں سوتیلی ماں کے معاملہ پہنے پڑے، وہ دوسرے غمروں کی سرت نادمانی کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا، انی الحقیقت اسی جذبہ سے سرشار ہو کر اس نے "آئینہ دل ماں" مغربی تخیل پیش کیا، اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی ترقی میں ماں اور بچے کے تعلقات کی اہمیت کے متعلق اس کے حصول کی راہ منبغ کی، فروبل نے سب سے پہلے محکمہ جنگلات میں ملازمت کی، اس وقت اس کے پیرو (سے) بیائنش) کا کام تھا، وہ تیورنجا کی پہاڑیوں اور جنگلوں میں تادیر پھر تارہا، اس کے دل و دماغ میں یہ خیالات اور معتقدات تو پہلے ہی کار فرما تھے، جب اس نے خدمت کی منامی کا اپنی آنکھوں سے شاہدہ باتو اس کے جذبات میں اندر شدت اور اس کے خیالات میں اندر وسعت پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ یہی اثرات اس کے جلد کاروبار میں عملی طاقت کی صورت میں جلوہ نما ہوئے، اس نے کبھی کسی یونیورسٹی میں مکمل تعلیم میں پائی، لیکن ان تعلیم گاہوں کو اس نے ہیشہ محرو کیا، جہاں اس نے مختلف موضوعات پر تحقیقی کام کیا اس کے تحقیقاتی کام مختلف مضامین پر مشتمل ہوتے تھے جن میں ریاضی، اہمیت، بلویات اور لسانیات

بالخصوص قابل ذکر ہیں اور انہیں علوم نے اس کے ابتدائی غیر مربوط اور غیر منظم تعلیمی خلا کو پُر کیا، اور نظام کائنات میں انسان کے مقام کے متعلق اس کے خیالات کو اور تند بنا دیا، یہ ایک مربوط کل ہے۔

۱۸۰۶ء میں فروبل فرٹک فرٹ گیا، یہاں آنے کا مقصد فن تعمیرات کا مطالعہ تھا، اس کی ملاقات فرٹک فرٹ ماڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے ہوئی جو پستولزی (PESTALOZZI) کا شاگرد تھا، اس نے اسے اس مدرسے میں پڑھانے کی دعوت دی، وہ اسی وقت سے اس کی زندگی کی راہ متعین ہو گئی، اس کا نصب العین اس کے سامنے آ گیا۔

۱۸۰۶ء میں جب فروبل ایک امیر کے بچوں کا تالیق مقرر ہوا تو اس نے درس و تدریس کا سلسلہ منقطع کر دیا، وہ انہیں سوئٹزر لینڈ میں پستولزی کے مدرسے میں لے گیا اور دو سال تک وہیں قیام کیا، بچوں کی تعلیم اور محبت میں وہ پستولزی کا ہم فدا تھا، تعلیم بالعل اور وجاہت کا راکا قائل تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس یرون (YVERDON) کے مبہم اور غیر واضح نظام تدریس پر کڑی نکتہ چینی بھی کی، کیوں کہ پستولزی کے پیروؤں میں ملاہفت اور ہم آہنگی کا فقدان تھا۔

۱۸۱۲ء میں اس نے اٹالوی پاد میں ملازمت کر لی، یہاں اسے ایسے نوجوانوں سے ملنے کا موقع ملا جنہوں نے اسے اپنا اتنا تصور کیا، یہی نوجوان بعد میں اس کے شاگرد بنے اور اس کی تعلیمی ہم میں اس کے ترکیب کا درس ہے۔

۱۸۱۶ء میں فروبل نے اپنا پہلا اسکول قائم کیا، اور اس وقت سے تا دم آخر (۱۸۵۲ء) اس کی زندگی کا مقصد پڑھانا، بکچر دینا اور لکھنا ہی رہا۔

تعلیمی نقطہ نگاہ سے فروبل فلسفی نہیں کہا جاسکتا، اس نے تو کبھی فلسفے کا باقاعدہ مطالعہ بھی نہیں کیا، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس کا مزاج بھی ایسا فلسفیانہ نہیں تھا کہ وہ کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنے سے پہلے اس کے خیر و شر کا ثبوت فراہم کرتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے ذہن میں کائنات کا واضح خاکہ تھا، اور وہ انتہائی جوش اور انہماک سے ان نظریات پر قائم رہا، اس کے دیرپا اثرات اس کی زندگی میں نمایاں رہے، اس کی تقریر میں سوز و گداز اور اس کے تصورات میں اس کی حرارت

نفوذ کر چکی تھی، اور اس چیز نے اسے اس مخصوص طریق تدریس کا عالم گیر پیش رو بنادیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سے اصول و ضوابط تھے جنہیں اس نے اس جوش و خروش سے کبھی افلاس و کجکت میں اور کبھی مایوس کن اور جوصلہ افزا حالات میں مرتب کئے، اور اپنی زندگی کے پورے پچاس برس اسی میں صرف کئے، اس کا بنیادی اور مرکزی خیال یہ تھا کہ انسانی وجود اس کائنات کا ضروری جزو ہے، اسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا، اور یہی انسان خالق کائنات کی طرح کا حقیقی منظر ہے، اور ایک قدرتی اتحاد اس دنیا کے مختلف حصوں کو ایک مربوط رشتے میں باندھ دیتا ہے۔ سیارے، پہاڑ، سمندر، چشمے، حیوانات، نباتات، انسان اور اس کے کاروبار سب ایک دوسرے سے متعلق اور وابستہ ہیں، ان میں سے ہر ایک، کائناتی قانون کے تابع ہے اور یہ سب ایک دوسرے میں اپنے اثرات کو نفوذ کرتے رہتے ہیں، ارتقائی منازل طے کرتے رہتے ہیں لیکن فرد فرد اور علیحدہ علیحدہ نہیں، ان سب کا ایک دوسرے پر کلی انحصار ہے، ان میں انسان خود آگاہ بھی ہے اور نقطہ اوج پر ناز بھی، جو شخص انسان کو تکلیف پہنچاتا ہے دراصل خدا کو تکلیف پہنچاتا ہے، چناں چہ اگر مقصد انسانی زندگی کو تباہ کرنا ہے تو اسے کسی ایسی تعلیم میں پیدا جاسکتا ہے جو بچوں کے فطری پھیلاؤ اور اس کی فطری صلاحیتوں کی ترقی میں مانع آنکے، بچہ بڑھتا ہے اور ترقی کرتا ہے، جب وہ خارجی اثرات کو قبول کر لیتا ہے یعنی اپنے گرد و پیش کے حالات و عواقب کی پیچیدگیوں کو سمجھ کر اسے اپنا لیتا ہے اور پھر اپنے پوشیدہ جبلت سیلاٹ کو واضح کرتا ہے۔ ان تمام وسائل اور ذرائع سے جو انسانی افکار و خیالات میں ارتعاش پیدا کرتے ہیں مثلاً طبعی اشیاء کا استعمال، ضروریات کی پیداوار، موسیقی و مصوری فن تعمیر و ادب وغیرہ۔

خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ بخشا ہے، اگر وہ برائی کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کی وجہ غلبہ جانات یا متبذل ماحول ہے اس سے اس کی صلاحیتوں کے پھول پراؤں پر جاتی ہے، شروع سے ہی اس کے گرد و پیش ظلم و ہربانی، افہام و تفہیم اور حسن و دانش کی جلوہ گری ہو تو اسے برائی سے روکا جاسکتا ہے، ماہرین تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ابتدائے کار سے ہی بچوں کی تعلیم و تربیت سے اپنی وابستگی کا اظہار کریں اور بہر صورت ماؤں کی امداد کریں، ماں کی محبت، اس کا لہر رکھاؤ اور اس کی نگہداشت،

دنیا میں کچھ سبک پہلے اسی سے تو متعارف ہوتا ہے، اور اسی کے ذریعہ اپنی ضروریات کو سمجھتا ہے، ماؤں کے لئے چھوٹے چھوٹے جانوروں کے کھیلوں کا مجموعہ مرتب ہو چکا ہے، اسے وہ اپنے ان ننھے منے پاؤں پاؤں کے کوشش کرنے والوں کی خوش فہمی اور اصلاح کے لئے استعمال کر سکتی ہے، ان میں انکلیوں کے کھیل۔ چوہیوں اور جانوروں کے مختصر گمانے، بچوں کے گرد پیش عمومی طور پر مختلف کھیلنے والی چیزوں کو پھیلانا۔ غرض اس میں سبھی کچھ شامل ہے، ان میں سے ہر ایک کی تشریح ایک تصویر کے ذریعہ کی گئی ہے، اس کتاب کی تحریر میں انیسویں صدی کی جاذبیت موجود ہے، اس کی ناصحانہ معلمانہ اور علمانی قدیں توجہ بھی ختم نہیں ہوئیں۔

فرویل کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تعلیمی نظریات میں بچے کے لئے ایک مخصوص مقام پیدا کر دیا اور اس امر پر اصرار کیا کہ بچہ کھیلوں کے ذریعہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے، فرویل پہلا شخص ہے جس نے اس واقعہ اور متعین حقیقت کی تشریح کی، اور یہ تشریحات تمام بچے کے مشاہدے پر موقوف ہیں، اس نے محسوس کیا کہ کھیل میں بچے کی ذہنی اور جسمانی قوتیں پیدا ہوتی ہیں، ہم دار اور متوازن انداز میں ترقی کرتی ہیں۔ اور جب وہ اپنے جذبات پر قابو پانا سیکھ جاتا ہے اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ تعاون کرتا ہے تو یہ ہم آہنگی اور مطابقت اور بدھ جاتی ہے، فرویل مدقول اس کوشش میں رہا کہ وہ اس نئے ادارے کا نام کیا رکھے، یہ ادارہ نہ تو دوسرے تقاعد نہ گھر، یہاں تو چھوٹے چھوٹے بچے الطینان و سکون کے ساتھ بلکہ انتہائی اہمک کے ساتھ ایک سوچی سمجھی فضا میں جہاں امن و اشتی اور محبت کا دور دورہ ہے کھیلنے ہیں انچیا۔ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں اور اس طرح بہت کچھ سیکھ جاتے ہیں، آخر انتہائی کاوش کے بعد اسے ایک نام مل گیا۔ یعنی باغ۔ اور اس طرح کنڈگارٹن (بچوں کا باغ) کا لفظ پیدا ہوا۔

لیکن اچھے یار!۔۔۔ فرویل نے صرف اصول ہی پیدا نہیں کئے۔ ان سب کے طریق کار بھی اس کی ذہنی تخلیق ہیں، انسان نظام کائنات کا ضروری جز ہے، اس لئے اسے کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ ایسے آلات و ادوات (اپریٹس) بنائے گئے ہیں کی علمانی اہمیت مسلم ہے، ان کی مدد سے بچہ تندرست و بڑھتا ہے اور اپنے گرد پیش کو سمجھنے میں مصروف ہو جاتا ہے، فی الحقیقت یہ آلات چھوٹے چھوٹے

مسند و قول میں چھ پتھنوں پر مشتمل ہوتے ہیں، ان کا مختصر سا بیان فرد بل کی ذہنی کیفیات کو واضح کر کے پہلے تحفے میں ادنیٰ کپڑے کی بنی ہوئی چھ پھوٹی چھوٹی ٹھیکند ہوتی ہیں جن میں تین کارنگ اہلی اور تین کاٹاڑی ہوتا ہے اور جو نظری اہمیت ان گیندوں کے ذریعہ مرتب ہوتی ہے اس پر پہلی یقین کرنا چاہئے، یہ تحفے پورے نظام کائنات کو، دنیا، اتحاد و وحدت، تکمیل، حرکت اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے نیچے رنگوں کا انبیا نہ سیکھتے ہیں، معلم کی ہدایت کے مطابق وہ انہیں لڑکا بھی سیکھ سکتے ہیں، انہیں ہوا میں پھینک سکتے ہیں، یا جب یہ کھیل ختم ہو جائے تو اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں کھیل سکتے ہیں کھیل کی اسپرٹ کا جو تقاضہ ہوا اور ان میں جلیا جوش اور ولولہ پیدا ہو سکے۔ یہ سب کائناتی اور کھیلنے کے اہم آلات ہیں۔ دوسرا تحفہ بھی ایک مسند و قول پر مشتمل ہوتا ہے جس میں لکڑی کی ایک گیند، ایک مسند اور ایک مکعب ہوتا ہے، گیند سے مراد حرکت ہوتی ہے، مکعب میں استحکام اور مسند میں دونوں کے خواص جمع ہوتے ہیں، اسے لڑکا بھی سیکھ سکتے ہیں اور ایک سرے پر کھڑا بھی کر سکتے ہیں، اور ان سب کو چھوٹی چھوٹی دیوں میں باندھ بھی سکتے ہیں، اور جب یہ حرکت میں آتے ہیں تو ریاضی کے دوسرے نمونوں کی شکل بنتی معلوم ہوتی ہے، دوسرے تحفے میں مختلف شکلوں کے تبدیل ناموں ہوتے ہیں، اور ان سے بچے کو اس قدر متعارف کیا جاسکتا ہے، جب اس میں ریاضی کے اور نمونوں کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ وہ انہیں بنانے میں استعمال کر سکتا ہے، شروع میں براہ راست معلم کی نگرانی میں یا بعد میں جس طرح اس کا مزاج چاہے۔

فرد بل کے آلات و ادوات (اپٹیس) کا دوسرا حصہ مشغلہ (OCCUPATION) ہے، اس میں مختلف قسم کے سامانوں کی علیحدہ علیحدہ ترتیب ہوتی ہے، اور ان سب کا الگ الگ جوڑ ہوتا ہے، اور اس میں چھوٹی چھوٹی میکانیاں، پھریاں، لکڑی کی پٹیاں، دھات کے، کاغذ، دھاریاں۔ گتے، لکڑی، کارک، رنگ، مٹی، ریت، تیسرے کے دانے وغیرہ ہوتے ہیں، زیادہ تر ہیت پکوں کو ان سب کا صحیح استعمال واضح اور شرح فور پر سکھایا جاتا ہے، اگر اس کی کتاب تشریحات کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ خود فرد بل کو علم الہنا سے بہت زیادہ شغف تھا، اس کے اپنے مستندات کے مطابق معلم کا فرض ہے کہ وہ فطرت کے یا دنیا

حسن کو آشکارا کرے

لیکن اس سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ یہی تحفے اور مشغلے ہی اس کی تعلیمات کا سرمایہ ہیں۔ کنڈرگارٹن طریق تدریس کے لئے فی الواقع باغ کا ہونا ضروری ہے اور مطالعہ قدرت، حیوانات، اور نباتات سے زندہ رابطہ پیدا کرنا، ہر قسم کی کیفیات اور زمین بچے کی تربیت کے اہم جزو ہیں، موسیقی کو بھی اس نظام تعلیم میں دقیقہ درجہ دیا جاتا ہے اور ڈرائنگ کے ابتدائی اسباق میں بچے جو سطریں کھینچتے ہیں وہ بھی کم اہم نہیں ہوتیں، اور انہیں پھر ٹیول، کاغذوں، ادھاگوں اور پٹیوں کے ذریعہ آرٹ پیدا کیا جاتا ہے کنڈرگارٹن کے جلد شاغل بچے کی مسلسل ترقی کے ابتدائی مدارج کہے جاسکتے ہیں اور اسکول کے معمولی مضامین کے ذریعہ آگے چل کر رائٹس فلسفہ اور آرٹ کی تعلیم میں منتہی ہو سکتے ہیں۔

آج اس سیدھے سادے ساز و سامان، اس کی کئی پابندیوں اور اس کے استعمال پر ہنسنا آسان ہے بالخصوص اس کی علاماتی اہمیت کے بوجھ پر جو دو سالہ بچے کی گیند پر پڑتا رہتا ہے، یا آرٹ پر جو عالم الہندسہ کی تشریح سمجھا جاتا ہے، فرویل کی تعلیم ان لوگوں کے لئے کشف و کرامات کا درجہ رکھتی ہے جنہیں فی الواقع بچوں کی بھلائی اور ان کی تعلیم و تربیت کا خیال ہے، لیکن ان کے پیش نظر تعلیم ابھی تک اداس اور تیرہ قنار ماحول میں سخت محنت کا کام تھا، اور اس کا سرسبز بڑا مقصد چند رسمی اطلاعات بہم پہنچانا تھا، اور سزا پر ہونے کے لئے ہمیز کا کام دیتی تھی۔

فرویل نے بہت کچھ لکھا اور بے شمار کچھ دیئے، اور اس کے محنت شعار اور پرجوش رفقاءے کار نے بھی اس نظریہ تعلیم کے پھیلانے میں کافی ہمت سے کام لیا، اس کی اپنی زندگی میں بہت سے کنڈرگارٹن مدارس کھولے جاسکے تھے اور یہ تحریک ابھی عامی رفتار سے شاہ راہ ترقی پر گامزن نظر کرنے لگی تھی لیکن فرویل کے مخالفوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، حالانکہ اس کے تعلیمی نظریات کی بنیاد تمام تر مذہبی تھی اور زندگی کا جو نصب العین اس نے پیش کیا اس کی اساس بھی مذہبی تھی، پھر بھی اس پر لادینی کا الزام لگایا گیا، بہر صورت وہ بھی کو عجیب و غریب طبیعت کا مالک تھا، اب اس کے پرجوش مبلغین کی جماعت پر رجعت پسند عناصر کی آنکھ اٹھنے لگیں۔ امراد اکاؤ کی بارگاہوں میں اس کی کھلی ہوئی مخالفت شروع ہو گئی، اور ۱۸۳۸ء کی لبرل

ایک کے دبانے کے سلسلے میں تمام پشمن کنڈرگارٹن اسکول بند کر دیئے گئے۔

جرمنی میں فروبل کے ان نظریات کی مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے ممالک میں انہیں نظریات نے
پیدا کیا، بہت سے آزاد خیال تارکین وطن انگلستان بھی گئے اور ۱۸۵۷ء میں ہی اٹالوی نمونے کے کنڈرگارٹن
پس اس ملک میں قائم ہو گئے۔ بیرنس وان میرن ہولز (BARONESS VON MARENHOLTZ BULW)

فروبل کے نظریات کا سب سے زیادہ پر جوش پور پیگنڈا کرنے والی تھی، اس نے ۱۸۵۷ء میں انگلستان میں تقریریں کیں
نئی باتوں کا خواہ مخواہ لوگ اس کی حمایت کے لئے آمادہ ہو گئے، اس طریق تدریس کے مرتب کرنے والوں کا
سب سے اہم مقصد زندگی کے مختلف مدارج میں تعلیم دینا تھا، چوں کہ اس تحریک اصلاح میں ایک تعمیری
روح کار فرما تھی، اور اس کے طریق تدریس کی تفصیل پہلے ہی مرتب کر لی گئی تھی، اس لئے اسے بہت آسانی
ہے اپنا یا جاسکا چارلس ڈکنس کو اس تحریک سے دل چسپی تھی، اس نے اس سلسلے میں "ہاؤس ہولڈ" میں
بطویل مضمون لکھا، اس مضمون کی اشاعت سے اس مقصد کے حصول میں بڑی کامیابی ہوئی۔

رفتہ رفتہ انگلستان میں کنڈرگارٹن مدارس قائم ہونے شروع ہو گئے، اور اساتذہ کی تربیت کے لئے
بھوٹے چھوٹے تربیتی ادارے کھلنے لگے ۱۸۷۷ء میں دو قومی انجمنیں متنازع میوں کے زیر اہتمام قائم ہوئیں۔

فری سوسائٹی (FROEBEL SOCIETY) اور نیشنل فروبل یونین (NATIONAL FROEBEL UNION)
مذکر الذمہ ایک استعمانی ادارہ تھا جو فروبل ٹیچر ٹریننگ دیتا تھا، انیسویں صدی کے ربع آخر میں فروبل
ریننگ کالج قائم ہوئے۔

ابھی یہ تحریک اعلیٰ اور متوسط طبقے میں محدود تھی، پوری قوم میں اس تحریک کو پھیلانا اتنا آسان نہیں
تھا، اس کے لئے مال و زر اور ہمت دونوں کی ضرورت تھی، اس کے علاوہ اگر پورے پیگنڈا کرنے والوں کی حمایت
بھی مسلم قوموں کو لوگوں کی توجہات کو مبذول کرنا آسان ہو جاتا ہے، اس عہد کے بہت سے دولت مند حضرات
کے دل میں تعلیم کو فروغ دینے کا جذبہ موجود تھا، اپنے بچوں کے لئے بھی اور پوری قوم کے بچوں کے لئے بھی
وہ اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے دقت اور دولت دونوں کی قربانی کے لئے آمادہ تھے، فروبل مدارس کے
قیام میں تاخیر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طریق تدریس کے لئے تربیت اساتذہ اور کھلی ہوئی جگہ

اور تدریسی لوازمات کی ضرورت تھی، ان سب کا اس وقت آسانی سے فراہم ہونا مشکل تھا، اچھلتان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ ہے جب حکومت تعلیم پھیلانے کی کوشش کر رہی تھی تعلیم کو خواہ اس کی نوعیت کچھ ہی ہو، اس کے پاس ایسے وسائل اور ذرائع نہیں تھے جو اس طریق تدریس کے رواج دینے میں مدد ثابت ہوتے، اس زمانے میں اس کے اہتمام میں اچھی خاصی لاگت آتی تھی، لیکن بورڈ آف ایجوکیشن کی رپورٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بہت سے انپکٹر اس تحریک سے متاثر ہوئے اور فزویل سوسائٹی نے بہت جلد ان ملازمین تقریروں اور اساتذہ کی تربیت کا انتظام کیا، مزید برآں جو اساتذہ فزویل کالج میں تربیت حاصل کر لیتے وہ دوسرے تربیتی اداروں میں ملازم ہو جاتے اور اپنے طلبہ کے ذریعے ملک کے عام مدرسوں کو متاثر کرتے رہتے۔

اس وقت یہ ممکن نہیں کہ اس تحریک کی پوری تاریخ لکھی جائے، یہاں تو ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ فزویل کے نظریات کا اس کی موت کے ایک سو سال بعد کیا حشر ہوا، یہ حقیقت ہے کہ اس کے بنیادی اصول آج بھی اتنے ہی اہم ہیں اور انہوں نے اپنی معقولیت کو آج بھی نہیں کھویا۔ بلکہ اگر ہم عبوری طور پر اپنے مدرسوں کا جائزہ لیں تو موجودہ صورت حال میں ان کا قدم آگے ہی بڑھ رہا ہے بعض ملازمین کو ابھی اپنی تعلیمی دہلیز میں بہت آگے جانا ہے اور جب تک وہ ترقی کے ان مراحل کو طے نہیں کر لیتے ہم دلتوں کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے بچے اپنی ذاتی استعداد اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کچھ سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور آزادانہ طور پر اپنے ساتھیوں سے تعاون کر کے ان مشاغل میں حصہ لے رہے ہیں جو انہیں اچھے اور قیمتی معلوم ہوتے ہیں، یا خود ہی ایک حقیقی دنیا کی تلاش میں مصروف رہتے ہیں اور الفاظ کے گورکھ و صندوق سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں، فزویل کے اپنے مہکول کا ماحول دیہاتی تھا، اس نے جہانی تعلیم کو دیہی مشغلہ قرار دیا، اس میں ٹہلنا چڑھنا اور کھیت میں کام کرنا سب ہیں اور وہ یقیناً جنگلوں کے کھیلوں کو، فوجی دستے کے جال اور دوسرے چست رکھنے والے سامان سازو سامان کو جسے ہم آج ہیا کر رہے ہیں منظور کر لیا اور اسے اپنے تعلیمی نظریات میں ایک اہم مقام دیتا، مگر ابھی وقت اور زمانہ سازگار نہیں تھا۔

حالاں کہ فرویل تعلیمی تقسیم کا قائل نہیں تھا، اس کے اپنے نقطہ نگاہ میں پیدائش سے لیکر بلوغت
تعلیم کا مسلسل اور مربوط ہونا ضروری ہے، پھر کبھی بعض حضرات اس طریق تدریس کو صرف سات سال
عمر بچوں کی تعلیم و تربیت ہی سے متعلق سمجھتے ہیں، اس کی وجہ محض یہی ہو سکتی ہے کہ فرویل نے لوگوں کی
جہات کو چھوٹے بچوں کی طرف مبذول کرایا، کیوں کہ اس سے پہلے تو بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ زیر بحث
بیاہی نہیں تھا، اور تعلیمی نظام میں بچوں کو اپنی تو جہات کام کر دینا نے کا تصور بھی کسی ذہن میں موجود نہیں
تھا، جرمنی اور یورپ کے دوسرے ممالک میں کنڈرگارٹن مدارس امدادہ ماقبل مدسہ شمار کئے جاتے ہیں
اس ملک میں کنڈرگارٹن مکمل مدسے سے منظور ہوئے اور بچوں کے ان مدسوں میں کنڈرگارٹن طریق تعلیم
بھی استعمال کئے جانے لگے جہاں لائق ابتدائی تعلیم پانچ سال کی عمر سے شروع ہو جاتی ہے، فرویل سوچتی
کے کسی پہلے اجتماع میں اس مسئلے پر بحث ہو چکی ہے کہ فرویل کے طریق تعلیم کو جو نیر اسکول میں بھی شروع کیا جا
سکتا ہے یا نہیں، اس وقت یہ محسوس کیا گیا کہ اس صورت میں بہت سی نمایاں تبدیلیاں کرنی پڑیں گی
اسی زمانے سے فرویل سو سائٹی چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ جو نیر اسکول کے بچوں سے بھی دل چسپی لینے لگی۔
فرویل کے طریق تعلیم کی تاریخ سو سال پرانی ہو چکی ہے، اس طویل عرصے میں خیالات و نظریات میں بہت
بڑا انقلاب آچکا ہے، ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات کے نئے تجربے اور ان کے نئے طریقوں نے فرویل کی
حیثیت کو بھی بدلا، یہ تحریک اب اپنی منزل سے ہٹ چکی ہے، اتنی لمبی چوڑی تحریک میں مختلف خیالات اور
مختلف عقائد کا داخل ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ نئے معتقدات اور نئے اصولوں کے قبول اور عدم
کاملہ خیالات و عقائد کی شدت پر مبنی ہے، تحلیل نفسی نے یہ واضح کر دیا ہے کہ بچے پھول کی طرح مکمل پیدا نہیں
ہوتے، بچے اگر ذہین اور فہیم و بصیر ہیں اور اچھی خاصی رفتار سے ترقی کر رہے ہیں تو ہمیں وہ نہیں وہ نہ دیکھنا
پھولوں کی طرح محفوظ رکھنا چاہئے، انسانی مزاج میں غیظ و خوف تو آغاز کار سے مستولی ہوتا ہے اور یہ تو انسانی
لوازم حیات کے ضروری اجزاء ہیں، بچہ مکمل کام یہ ہے کہ وہ ان دونوں جلی میلانات کی تبدیل میں بچوں کی
امداد کرے، اس کی زندگی کو زیادہ خوشگوار بنانے کی امداد اس کے تعمیری پہلو کو دیتی دینے کی کوشش کو
اس پر سے بحث میں ابھی تک کھیل کا ذکر نہیں آیا، بچوں کی زندگی میں کھیل کی اہمیت انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مجھے صرف ذوق و شوق کے ساتھ کھیل میں بہارت حاصل نہیں کرتے، واقفیت عامہ سے ہی بہرہ اندوز نہیں ہوتے اور اپنے جذبات کی تبدیل و تغیر میں ہی مصروف نہیں ہوتے، اس سے میں ان کے تحقیقی مسائل کا علم ہوتا۔ تعلیمی طریقہ کار میں فرویل کی تعلیم کے دو حصے کئے جاسکتے ہیں، انسانی تعلیم کا پہلا حصہ جو گہرے تعلیم و بحث کرتا ہے، فرویل کو باریک بینی اور اس کے تفصیل کا آئینہ دار ہے، جو لوگ تعلیم بالکل سے بخیر و واقف نہیں ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس کی تعریف کے اس حصے کو پڑھیں، فرویل نے نقل و حرکت کی آزادی، دنیا سے حقیقی روابط قائم رکھنے، سماج اور ماحول کے مطالعے، موسیقی، تخلیقی آرٹ وغیرہ کے متعلق جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں اثر اور جاذبیت ہے، دل ہے کہ اس کی طرف کھنچا جاتا ہے، ان خیالات کے پیش نظر ہم آج ایک نیا ماحول اور ایک نئی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور اس سلسلے میں مصروف کا فطر آتے ہیں، مدرسے مشغولوں کو مدرسے سے گھر تک پھیلا دینا چاہتے ہیں، آج ہی ہمارے مدارس کے بنیادی اصول ہیں۔

لیکن فرویل کی تعلیم کا دوسرا حصہ جس میں تحفے اور مشغلی کی تفصیلات، مندرجہ میں اپنی اہمیت کم ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے لئے یہ طریقہ تدریس کچھ زیادہ موزوں نہیں رہا کہ پہلے کچھ کو معمولی اور سادہ چیزوں کے حصے دکھائے جائیں اور پھر انہیں کی مدد سے انہیں زیادہ پیچیدہ اور گنبد کل کی حیثیت میں پیش کیا جائے، نئے تجربات بالعموم مکمل مگر پیچیدہ شکل میں صورت پذیر ہوتے ہیں، جسے انسان جابا اور ذہنی طویل سبک دستی اور ہوشیاری سے سلجھانے کی کوشش کرتا ہے، یہ میرین رچرڈسن کے طریق تحریر کا نفسیاتی پہلو ہے جو ٹیرمر شوٹے (POT HOOK) کے نام سے موسوم ہے، اس لئے بعض مشاغل کو ذہنی نظم سے خارج کر دیا گیا ہے، اور محض اس سانچہ سامان کو قابل استعمال سمجھا گیا جس میں تخلیقی وسعت موجود ہے، اختلاقی ٹی، ریت، اور رنگ وغیرہ، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ فرویل کے تحفے اور مشغلی کی ہر چیز بیوقوفی، فرنگ لائڈ رائٹ نے اپنی خود نوشتہ سوانح حیات میں لکھا ہے کہ "ایام طفولیت میں فرویل کے ان تحفوں میں مجھے بہت زیادہ راحت ملتی تھی، مجھے ان میں ایک گونہ سکون میسر ہوتا تھا" ادنیٰ بعض خیال اور وہ ہم نہیں، امریکہ کی بہت سی خوبصورت عمارتوں کے پتروں، کنگروں اور سطح ہوا میں فرویل کے پانچوں تحفے کے اثرات کا عکس نمایاں ہے۔

اس کے علاوہ فروبل کے عہد سے دوسری نظری ترقی جس سے ہیں بچے کے سمجھنے میں مدد ملی ہے انفرادی اختلافاً نیات ہے۔ اب ہمیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ بچے میں ایک نہیں بیسیوں پیدائشی اختلافاً ہوتے ہیں، ان کی نوعِ جدا جدا ہوتی ہیں، اور ان کے فطری میلانات کے دھارے الگ الگ بہتے نظر آتے ہیں، فروبل نے چھوٹے بچوں کے لئے بہت سی چیزیں وضع کیں، خواہی مسرت، شہرت اور خواب۔۔۔ یہ سب فروبل کے لئے زندگی میں لیں جنہوں نے زندگی کی قدر و قیمت کو اور بڑھا دیا، فروبل کے لئے دنیا کے طبعیات دریا ضی اس شہرت اتیانہ یہ جزو نہ تھی ان کی علامتیں اسی طرف اشارہ کرتی تھیں اور اس کی ہدایت اس کی تفہیم کی طرف رہنمائی دیتیں، اس نے یہ محسوس نہیں کیا کہ معمولی شہریوں کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے، ان کی نگاہیں اتنی ری اور متنوع نہیں ہوتیں جتنی چلتی پھرتی باتوں پر ان کی توجہات مرکوز ہو سکتی ہیں، اس طرح یہ نیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے نظام کو فروبل کے نظریات سے زیادہ کچھ دار ہونا چاہئے تاکہ غرا دی طور پر ہر بچہ تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے اور اس سے کچھ استفادہ بھی کر سکے۔

یہ ساری باتیں ایک ترتیب پر ہیں فروبل کے اس مسلک سے قریب تر کر دیتی ہیں کہ ہمیں بچے کے ریش و خردش اور اس کی ذاتی صلاحیتوں کو ہر ممکن انداز میں استعمال کرنا چاہئے، اور یہ مدرس کا کام ہے کہ وہ بچے کو ہر قسم کے ذہنی مواقع بہم پہنچائے، جماعتی اباق کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود اگر حالات بہتر نہ ہوں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہمارا کام تو مواقع فراہم کرنا ہے اور بچے کی پیشہ صلاحیتوں کو ابھارنا۔ انہیں اپنی راہ خود متعین کرنی چاہئے، کوتاہ دستی میں ہمیشہ محرومی ہوتی، یہ مخصوص نظریہ خالص انگریزی اور امریکی ہے یعنی لوگوں کو اس انداز میں تربیت دینی چاہئے کہ وہ خود سوجھیں اور آسانی سے ہر چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، رد و کد کر کے حقائق کو معلوم کرنا سیکھیں، کتاب کا مطالعہ اتنا مفید نہیں ہوتا۔ اس علم پر گہری نظر کا ہونا ضروری ہے، صحیح علم اور تعلیم بیش قیمت ہوتی ہے، اور ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے، جمہوری شہریت کے حقوق سے مراد متلازم سماجی خدمات بھی ہوتی ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ لوگ تعلیم یافتہ، گھر میں اور مدرسے میں اپنی اہمیت کو سمجھتے ہوں، اسی سے احساس ذمہ داری اور تعاون پیدا ہوتا ہے۔

تعلیم بالغان

مفتی محمد اقبال

پاکستان کے مرض وجود میں آنے سے پہلے جب کبھی غلامی کے بوجھ کو اتار پھینکنے کے لئے جدوجہد کی گئی تو جو حربہ اس امر کی تکمیل کے لئے منتخب ہوا وہ بالغان کو خواندہ بنانے کی تحریک تھی، یہ امدادات سے کہ یہ تحریک قلیل عرصے میں ہی ناکامی کا شکار ہو کر رہ گئی، اور جس طرح ٹوٹی ہوئی طنابیں اور کھیری ہوئی لکھ کسی تافلے کے کوچ کی غمازی کرتی ہے، اسی طرح بالغان کی کتب اور نوشت و خواندہ کا سامان خواندگی کی ہم گئی ناکامی کا منہتر نہیں لیکن یہ ناقابل انکار حقیقت باقی رہتی کہ اس ہم کو قومی ترقی کے ساتھ کچھ نسبتاً پاکستان میں جانے کے بعد جب نصاب تعلیم تبدیل ہوا جب لوگوں کو بدلے ہوئے حالات اور آزاد کی فضا میں کام کرنے کے لئے ہوش و خرد کو درست کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا، جب دنیا کی مدارس میں نصاب کا لازمی جز و قراءت و تحریر لوگوں کو دین کی طرف مائل کیا گیا کہ وہ اپنے صحیح مقام سے آگاہ ہو کر ترقی و جدوجہد کی نگرانی میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے سکیں تو بالغان کی خواندگی کی ہم کو کامیاب بنانے کے لئے بھی مناسب اقدام کیا گیا، بالغان کی تعلیم کے لئے جا بجا مدارس کھولے گئے، نوشت و خواندہ کا ضروری سامان کیا گیا لیکن تھوڑے عرصہ میں ہی وہ مدارس دوبہ انحطاط نظر آئے اور سال کے خاتمہ سے پہلے حکومت کو ان سے اکثر کو بند کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا، لیکن اس ناکامی کے باوجود اب بھی پاکستان کی افروزش کے اسباب پر تدبیر کرتے وقت خواندگی کی ہم پر توجہ مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے۔

جب یہ تحریک ایسی اہم ہے کہ اس سے کسی صورت میں گریہ ممکن نہیں اور جو سابقہ ناکامیوں کا باوجود قومی ترقی کی ایک نمایاں کڑی ہے تو آئیے آج ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ یہ تحریک کیوں نا

دی۔ کیا اس کی کامیابی کی کوئی صورت موجود بھی ہے یا یہ ہمارے لئے ایک عقدہ لائیکل بنی رہے گی۔
انگریزی عہد میں بالعموم کی تعلیم کے سلسلہ میں جو کام کیا جاتا وہ نمود و نمائش میں اس طرح ڈوبا ہوا
ہوتا تھا کہ غلط بینی اور فرض کاری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا، چہرہ روپے مامور قلیل الاؤنس پر جب پہلی بار
دریں کورات کے وقت بالعموم کی تعلیم دینے کا کام سپرد ہوا تو چند ماہ میں ہی یہ مدارس سرایا فرض کالی
بن کر رہ گئے، تعلیم بالعموم کی یوں ابتداء ہوئی جو خشت اول چوں نہد معمار کج کے مصداق ناشریا کج کی کج
چلی گئی، اگرچہ قلیل الاؤنس کی جگہ پوری تنخواہ نے لے لی اور رات کی سیامی سپید سحر میں تبدیل ہو گئی لیکن
فرض کاری اور زیادہ روشن اور نمایاں ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ جب وزرا اور بالعموم کی خواندگی کی تحریک کے تأییدین
دورے پر جاتے تو نیم خواندہ، خواندہ اور ناخواندہ لوگوں کا ہم غفران کی پیشانی کے لئے جگہ جگہ جمع کر دیا
جاتا اور وہ اپنی تحریک کی کامیابی پر سرور و شادماں واپس لوٹتے، لیکن یہ حقیقت کبھی فراموش نہ ہوئی کہ
جو کچھ ہو رہا ہے وہ محض تماشہ ہی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد جب بالعموم کی خواندگی کی ہم کو اور تیز کیا گیا اور تمام محکموں کے افسران کی دست
سے ہر ملازم سے اپیل کی گئی کہ وہ اس میں پوری مدد کرے تو نتیجہ بدستور غیر اطمینان بخش ظاہر ہوا، اور
جیسا کہ ابتدائی سطوح میں مرقوم ہے، بالعموم کے یہ مدارس بتدریج بند ہوتے گئے، اخبارات میں خوب چرچا
ہوا کہ حکومت ان مدارس کے قیام پر جو روپیہ خرچ کر رہی ہے وہ ضائع ہو رہا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ بیشتر مدارس
ایک سال کے بعد بند کر دیئے گئے، لیکن جو باقی ہیں وہ بھی چراغ سحری کی طرح ٹمٹماتے نظر آتے ہیں بلکہ
بعض کی حالت تو ایسی ہے -

کب ٹوٹ کے رہ جائے یہ ساز نہیں معلوم

ان مراکز کی ناکامی کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عوام کا جمود اور تعلیم یافتہ میں دلچسپی کا فقدان۔

(۲) بالعموم کی تعلیم کے لئے معنوں میں کٹھن۔

(۳) بالعموم کے لئے موزوں کتب کی کمی۔

۴۔ مراکز کھولتے وقت غلط جگہوں کا انتخاب ۔

۵۔ بالعموم کا کسی مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر جمع نہ ہونا۔

۶۔ بالعموم کی نفیات سے مدرسین کی بے خبری اور بالعموم کی تعلیم کے منفعتی نتائج پر گامی ۔

لیکن یہ اسباب ایسے ہیں جن پر مراکز کھولنے سے پہلے پورے تدبیر سے غور کر لیا گیا تھا، چنانچہ حتی الامکان مدرسین کے انتخاب میں اسی امر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا کہ جو مدرسین بھی منتخب ہوں وہ پوری دلچسپی، کوشش، شوق اور محنت سے کام لیں نیز مراکز کے لئے بھی وہی جگہیں، جہاں گئیں جہاں مدرسین کا کافی اثر و رسوخ تھا اور وہ وثوق سے بالعموم کو مراکز کی طرف کھینچ لینے پر آمین رکھتے تھے، تعلیم بالعموم کے لئے کتابیں بھی بڑے تدبیر سے بعد تیار کی گئیں اور ان کی نفیات کو مد نظر رکھ کر تیار کی گئیں، اگر ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود یہ مراکز ناکامیاب ہوئے تو ظاہر ہے کہ ہمارے طریق کار میں کوئی خامی ضرور ہے جو ہماری کوششوں کے بار آور ہونے میں سبب رہا ہے۔ آئیے ذرا اس خامی کو تلاش تو کریں ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سبب

آؤ ہم بھی سیر کریں کدوہ طور کی

گھر ایک مشہور مورخ گذرا ہے، وہ ہندوستان پر عربوں کے حملے کی ناکامی کے اسباب پر تبصیر کرتے ہوئے لکھتا ہے عربوں کا حملہ ہندوستان پر ناکام تھا، اس لئے کہ یہ غلط طرف سے کیا گیا تھا، کم زور حصوں کے راستے عرب ہندوستان میں داخل ہوئے اور ملک کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا۔ اگر تدبیر کیا جاوے تو تعلیم بالعموم کی ہم کی ناکامی کے بھی کم و بیش یہی تین اسباب تصور ہو سکتے ہیں، چنانچہ غلط طرف سے کیا گیا اس لئے کہ تمام تجربہ مدرس پر مرکز کوئی گئی کہ وہ اثر و رسوخ والا ہو، وہ صاحب ذوق ہو اور ہم کی کامیابی پر یقین رکھتا ہو، اور اس طرح بالغ کوشش کے لئے یہ تمام کارروائی عمل میں لائی جاوے تھی بالکل نظر انداز کر دیا گیا، پھر دوسری وجہ ناکامی کی یہ ہوئی کہ یہ تحریک کم زور حصوں پر آزماہی گئی، مراکز کھولتے وقت صرف ایک بات کا خیال تھا اور وہ یہ کہ یہاں مدرس کا اثر و رسوخ کافی ہو۔ تاکہ وہ اپنے رسوخ سے بالعموم کو مراکز پر جمع کر سکے، اس بات کو کلیتہً فراموش کر دیا گیا۔ کہ بالعموم کے جمع ہونے کے امکانات بھی نہ

ہیں یا نہیں مریوں کے چلنے کی ناکامی کی تیسری وجہ نمک کی کمی تھی، یہی وجہ یہاں بھی ناکامی کا باعث ہوئی اس لئے کہ جب مرکز کھول دیئے گئے تو محکمہ نے ماسوائے نوشتہ و خواندہ کے کچھ سامان کے اور ایک آدھ معائنہ کے مدرس کو کوئی مدد نہیں پہونچائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یک وقت نہا ناسازگار حالات کا مقابلہ کرتا ہوا تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اور بالآخر مرکز کے بند کرنے کے لئے رپورٹ داغ دی۔ ناکامی کے اسباب پر غور کرنے کے بعد ضروری ہے کہ ہم مدرس سے توجہ ہٹا کر اپنی تمام توجہات ناخواندہ بالغ و مرکوز کریں اور اس طرح ایک نئے باب کا آغاز کریں۔ ناخواندہ بالغ کی اس محدود حیثیت کو قوی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ناخواندگی کو ایک مرض مرہن قرار دیتے ہوئے اسی کے لئے مناسب علاج تشخیص کریں، اور پریزم سوجیل اور اس طرح اس مرض سے غلامی پانے کے لئے ٹھگ دو کریں مدرس کی حیثیت ایک حکیم کی رہ جائے گی۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ اس وقت تک ناخواندگی کی ہم کے سلسلے میں ہماری مشکوک ترقی اضع ہے، ہمیں انتہائی کوشش کرنی چاہئے کہ اس میں رکاوٹ پیدا ہو جائے، ناکہ ہم بتدریج معدودہ کر سکیں۔ ناپید اسی طرح کچھ تلافی یافتہ ہو سکے۔

سب سے پہلی بات جو ہماری توجہ کا مرکز بنتی ہے وہ بالغوں کو ایک مقام پر جمع کرنا ہے، پچھلے تجربوں کی بنا پر یہ بات بے خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ہر قسم کے بیرونی دباؤ بالغوں کو ہمارے اداروں کی طرف کھینچنے میں ناکام رہے ہیں، اس لئے اگر کوئی ایسا طریقہ کا معلوم ہو جائے جس سے ناخواندہ بالغوں کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ وہ خود بخود ہمارے مراکز کی طرف چلے آئیں تو ہماری ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ افسردہ دل افسردہ کندہ بھجنے والا، اس کے درست ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ خوشی سے خوشی پیدا ہوتی ہے، اگر ہم کسی طریقے سے ناخواندہ بالغوں کے دلوں میں ایسی خوشی پیدا کر سکیں جس کے تاثر سے وہ اپنے گرد و پیش کی موجودہ مسوم اور ناسازگار فضا کو ایک بالکل مختلف نظریے سے دیکھنے لگیں اور اس طرح ہماری کوششوں کو ناکام بنانے کی بجائے خود بخود

اپنی خوشی سے مراکز کی طرف رجوع کریں تو ہمارا مطلب آسانی سے حل ہو جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا خوشی بالغوں کے دلوں میں کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے، ہمیں

اعتراف ہے کہ بالغوں کا موجودہ مدرس، اپنے متنوع طریقہ ہائے تعلیم - اپنے مذہبی تاثرات اور اثر

آفرینی سے ان میں یہ مطلوبہ خوشی پیدا کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے، اس لئے سابقہ ناکامیوں

کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ بالغوں کے مدرس سے قطع نظر ہم پرانے طریق کار کو خیر باد کہہ دیں۔

آئیے اب ذرا ہم اس مسئلہ پر جو وہ رنگ میں کچھ سوچیں، ہمارے سامنے ایک بالغ ہے جسے

ہم جاہل - اجڑا اور ناخواندہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ روزمرہ کے طرہی بود و ماند میں ہمارا ہم فوا

اور ہم نگاہ نہیں ہونا بلکہ وہ ہم سے الگ فہمگ رہتا ہے، اس لئے کہ ناخواندگی کا مرض اسے

ہمارے قریب آنے سے روکتا ہے اور سدا راہ بنتا ہے۔ اس لحاظ سے ہمارا مصلح نظر بالغوں

کی خواندگی محض نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہم ناخواندہ بالغ کو اس فقر ذلت - اسر

احساس (کہتری) دکھتری سے جس میں وہ گرا پڑا ہے دور ہٹا کر اپنی سطح پر کھینچ لیں تاکہ وہ قوم کی شیرازی

مفید پرزہ بن جائے، ہمارا نصب العین بالغ کو ناخواندہ بنانا نہیں ہے بلکہ اس میں یہ احساس پیدا کرنا

کہ اگر وہ اس بیماری سے نجات حاصل کر لے جس کو ناخواندگی کا روگ کہتے ہیں تو وہ ملک و ملت کے لئے

زیادہ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے۔

جب نصب العین متعین ہو چکا ہے تو آئیے ہم اور زیادہ تدبیر اور سوچ بچار سے کام لے کر معلوم کر:

کہ ناخواندہ بالغ کو کیوں کر ملک و قوم کے لئے زیادہ مفید بنایا جاسکتا ہے۔

ابتدا یوں کریں کہ ہم ناخواندہ بالغ کو اس نظر سے دیکھیں کہ وہ ایک انسان ہے جو کہ درد و اذیت کا

میں مبتلا ہے، وہ ایک حاجت مند ہے جو ہماری توجہ کا طالب ہے، وہ ایک ایسا بیمار ہے جس کو نا:

کاروگ ہے، اس روگ سے چھٹکارا دلانے کے لئے ڈاکٹر کی تشخیص کی ضرورت ہے، درد و اذیت کا

اور کسی ایسے شخص کی خدمت ضروری ہے جو اس دکھ - درد و اذیت بیماری میں اس کا مددگار بن کر اس

تسکین خاطر اور دل جونی کا باعث ہو، بد قسمتی یہ ہے کہ موجودہ وقت تک ناخواندہ بالغ کے لئے ایسا

یسو تو تارہا، اس کے پاس ایسی قیمتی نسخے موجود ہیں جو بالغ کی استطاعت سے کہیں بالاتر ہیں، یہی وجہ ہے
 لہا لہا سال کے دکھ درد اور بیماری نے اس کو ڈاکٹروں سے اس درجہ متنفر اور بیزار کر دیا ہے کہ وہ ان کے
 علاج انسوخوں سے ہمیشہ راہِ فرار اختیار کرتا ہے اور اس طرح دور دور رہتا ہے۔ اسی تنفر، بیزاری
 اور فرار کا دوسرا نام جو دیا جہالت ہے۔

جب مرض کی تشخیص ہو چکی تو قیمتی نسخے کی جگہ کہ قیمت نسخہ تلاش کرنا مشکل نہیں۔ اس سستے نسخے کے
 اجزاء یہ ہیں ہمدردی اخوت اور مدد

جب ہم کسی ناخواندہ بالغ سے دوچار ہوں تو ہمیں سرایا ہم دردِ بن جانا چاہئے، اس کی بیماری
 یعنی ناخواندگی کے روگ کو اس نظریے سے دیکھیں کہ وہ ایک نہایت ہی بڑی قسم کا چھوٹا والدِ گم ہے
 جس سے ہمیں دور بھاگنا چاہئے، بلکہ ہمیں احساس ہونا چاہئے کہ تھوڑی سی توجہ تھوڑی سی ہم دردِ بن اور
 تھوڑا سا ہم دردِ بن بڑا دانا مریض کے لئے آنا مفید ہو گا کہ وہ مرض سے نجات پانے کے لئے اپنے
 میں قوتِ مدافعت محسوس کرے گا۔

پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، بلکہ اس سرزمین میں بسنے والی قلیتیں
 بھی ہمارے بھائی ہیں، جو اخوت اور مودت کے مضبوط اور پاکدار رشتہ میں ایک دوسرے سے
 منسلک ہیں، یہ بات ڈنکے کی چوٹ تمام اطراف و اکناف پاکستان میں مشتہر کی جانی چاہئے کہ ہم سب
 بھائی ہیں اور بھائی ایک دوسرے کے دوست بھی ہوتے ہیں، معیبت کے سانچے اور دکھ دردِ بیز
 شریک۔ چنانچہ کسی نے کیا خوب کہا ہے

دوست بھائی نہیں دوست ہے تو بھی لیکن

بھائی اگر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی

اس اعلان عام کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارا ناخواندہ بالغ جو اس وقت تک قمرگنابی میں پڑا احسا
 کم تری کا شکار ہے سنبھل جائے گا اور اپنے آپ میں نیا ولولہ پائے گا اور اس طرح وہ خود ناخواندہ
 روگ سے نجات حاصل کرنے کی سعی کرے گا۔

مدد آخر میں آتی ہے لیکن بالغوں کے لئے کوئی مدد دیکار ہے، اور انگریزوں کے زمانے کی تلخ کلامی اور تشددی رویہ فی القدر ترک کی جائے، اور اس کی جگہ خود محبت اور ہم دردی کو دی جائے، اس محبت اور مروت کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارے بالغوں میں ایک نئی روح اور نئی خوشی پیدا ہو جائے گی جو ان کو ہمارے قریب لڑانے کی ضامن ہوگی۔

ایک نہایت ہی تحقیر آمیز نعرہ ہے کہ بالغوں کو چھوٹے بچوں کی طرح چٹائیوں پر بٹھا کر الف - ب پڑھا دی جائے۔ اور یہی خواندگی کی ہم کی ناکامی کا سبب بڑی وجہ ہے، اس لئے کہ جس چیز کا انحصار تحقیر پر ہو گا، وہ یقیناً تحقیر پر ہی منتج ہوگی۔

اگر حاجت مند، دکھ، درد اور بیماری میں مبتلا بالغ ڈاکٹر تک جانے سے معذور ہے۔ تو حکومت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ ڈاکٹر کی فیس ادا کرے، اور اسے مرض کے پاس جانے کو کہے، ہر خواندہ مرد اور عورت ہر دورہ کرنے والے افسر کو اپنی اس ناکشی بلندی سے جو غلامی کے زمانے کی لعنت ہے نیچے اتر کر ہمتا ہی قریب سے ان بیماروں کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہئے، جنہیں ہم ناخواندہ بالغوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور پھر محبت، اخلاص اور ہم دردی سے ان کو بیماری سے نجات دلانی چاہئے۔

گزشتہ سال جن سماجی مرکزوں کا تذکرہ اخبارات میں ہوتا رہا ہے، وہ اسال نہایت وسیع پیمانے پر جاری کئے جانے چاہئیں تاکہ ناخواندہ بالغوں کو اکثر جگہ مواقع ہم پہنچائیں، وہ بکست اور تدامت کے ٹیکوں سے اپنے سر دلوں کو ملینہ کر کے ادگر دکی پُرفعا اور پُر محبت دنیا سے لطف اندوز ہوں۔ جب ناخواندہ بالغوں کو یہ احساس ہو جائے گا وہ اس کل کا ایک جزو ہیں جسے ناخواندگی کے روگ نے کل سے دُور ہٹا رکھا تھا، تو وہ اپنے آپ میں مسرت اور خوشی کے وہ ناثرات پائیں گے جن کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے، اور اس طرح وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول کو خوشی سے بھر پور پائیں گے، اور اشیاء کو ان کے اصل رنگ میں دیکھنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہو جائے گی، اور یہی ہماری خواندگی کی ہم کا مقصد اولین آخرین ہے، یہ وہ وقت ہو گا جب کہ ان کی درخواست پر ان کے لئے بالغوں کے مدارس جاری کئے جائیں، ایسے مدارس اور مرکز کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھیں گے۔

یونیسکومشن برائے ابتدائی تعلیم کے لیڈر سے درخواست کی جائے کہ وہ خواندگی کی مہم کی ناکامی کے بارے کو جلد از جلد طشت از بام کریں۔ نیز ان مفید تجاویز کو بھی منظر عام پر لائیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم جہالت اور بیکاری سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

مندرجہ ذیل تجاویز اسی سلسلہ میں پیش کرنے کی جرات کی جاتی ہے۔

علیم بالغاں کا عنوان تحریک ہذا کے لئے نہایت ہی محدود معنی رکھتا ہے، بہتر ہو کہ اس مفید ضروری دراصلاتی تحریک کا نام ”فلاح بالغاں“ رکھا جائے تاکہ محکمہ تعلیم کے علاوہ باقی محکمے اور افراد بھی اس میں مناسب حصہ لے سکیں۔

فلاح بالغاں کی تحریک کو فروغ دینا تمام محکموں اور ان کے جملہ فسرروں کے فرائض میں داخل ہو۔ درود سب اس کی تویسع و ترقی کے لئے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کریں۔

تمام کوآپریٹو سوسائٹیوں، انجمنوں، تھانوں، پنچائتوں، ہائی اسکولوں اور فیکٹریوں کو قلم اسٹریپ ڈیجیٹر مینا کئے جائیں، جن کے لئے قلم اسٹریپ دیہاتی ماحول اور سمجھ بوجھ کے مطابق تیار کئے جائیں اور ہر روز ان کو قلم اسٹریپ دکھائے جائیں، موجودہ وقت میں جو کام پبلک ریلیشن ڈیپارٹمنٹ کی سینا لاریاں سرانجام دے رہی ہیں وہ چنداں سود مند نہیں، جو فلمیں دکھائی جا رہی ہیں وہ دیہاتیوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں اور سوائے تھل ڈیولپمنٹ کی چند ریلوں کے ان کے لئے ان میں کسی قسم کی کوئی دل چسپی نہیں۔

ہر کوآپریٹو سوسائٹی، انجمن، ہائی اسکول، سنٹر، اسکول، تھانے اور فیکٹری میں ریڈیو سیٹ مینا کئے جائیں جو خواہ حکمران ہوں یا گروہ خواہ محضر، تاکہ شام کے وقت ان پر طحا اور ناخواندہ بالغ ایکٹ شدہ پروگرام کو سن سکیں، یہ پروگرام ریڈیو کے محکمہ کو خاص طور پر تیار کرنے کی ہدایت کی جائے، موجودہ دیہاتی پروگرام اس ضرورت کو بالکل پورا نہیں کرتا، ریڈیو پروگرام سننے کے لئے ایک ہی قسم کے بیج مینا کئے جائیں تاکہ جو لوگ پروگرام سننے کے لئے آئیں وہ محسوس کریں کہ خواندہ یا ناخواندہ سب مساوی ہیں اور اس طرح آدمیت، احترام آدمیت کے صحیح معنوں سے آگاہی حاصل کریں۔

۴۔ تمام ملائتوں، اقدانوں، تحصیلوں میں بالخصوص اور دوسرے محکموں میں بالعموم اس بات کا اعلان کیا جائے کہ ناخواندہ لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی سخت کلامی یا ترش روئی نہ کی جائے۔ بلکہ ان کے ساتھ کمال مہربانی اور شفقت کا سلوک کیا جائے، اگر ان سے کوئی لغزش افرودگذاشت اور کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کو ان کی جہالت کے روگ کا نتیجہ گردانتے ہوئے ان سے درگزر کی جائے۔ تاکہ وہ احساس بہتری کا شکار نہ رہیں۔

۵۔ تقسیم ہند کے بیجاہ الم میں جو بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے اور جس کی وجہ سے ناپسندیدہ عنصر کا کثیر تعداد میں انحصار ہے، حکومت کی فوری توجہ کا محتاج ہے، ان حالات میں ناگزیر ہے کہ جرائم کی رفتار کو روکنا اور لوگوں کو جراثیم سے بچانے کے لئے فلاح بالغاں کی تحریک کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے، ہجرتوں کی سرکوبی اور بیخ کنی اس طرح کی جائے کہ ان کی جہرمانہ ذہنیت کو یکسر بدل دیا جائے، تاکہ وہ اچھے اور پرامن شہری بن جائیں۔ اور اس طرح قوم اور ملک کے لئے مایہ ناز اور قابل فخر ہوں۔

۶۔ فلاح بالغاں کی تحریک کی کامیابی اس امر پر ہے کہ بیکاری کو دور کیا جائے، اس لئے کہ بے کاری اور جہالت کا چولی دامن کا ساتھ ہے، حکومت کو بیکاری کو دور کرنے کی طرف فوری توجہ کرنی چاہئے، اور یہ توجہ فلاح بالغاں کی تحریک کا ایک جزو ہوگی،

۸۔ تمام ہائی اسکولوں اور سنٹر اسکولوں میں فٹ بال، والی بال اور اگر فنڈ اجازت دیں اور کھیل کے میدان موجود ہوں تو کرکٹ اور ہاکی ٹیمیں بنائی جائیں، اور ان ٹیموں کے ساتھ ساتھ دیہاتی ٹیمیں بھی بنائی جائیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ ناخواندہ دیہاتی میدان میں اکٹھے کئے جاسکیں، اور اس طرح صرف وہ تفریح بعد از خواندہ اور ناخواندہ لوگوں میں موجود ہے دور ہو گا، بلکہ ناخواندہ لوگ وہ خوشی حاصل کر سکیں گے جو ان کی فلاح اور ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے، کرکٹ کے کھیل کو تمام علاقوں میں پوری شدت سے رائج کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اس کھیل میں دوسرے کھیلوں کی نسبت رخصتیت پیدا کرنے کی خوبی کہیں زیادہ ہے۔

۹۔ قومی رضا کار تحریک کو فروغ دیا جائے۔ اور ہر ناخواندہ بالغ کو رضا کار بھرتی ہونے پر مجبور کیا جائے

ٹاپرٹ سپیڈاکرنے کے علاوہ فلاح بالغاں کی تحریک کی نشوونما میں مجھے قوی امید ہے کہ حکومت، احباب دانش و بینش اور مصلح حضرات تعلیم بالغاں کو اسی نظریے کے نہ دیکھتے ہوئے مناسب اقدام کریں گے کیوں کہ میں اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ جب تک اپنی کثیر ناخواندہ جماعت کو بقول علامہ اقبالؒ

یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے

اپنی نادانی اور انگریز نظری سے غیر حقیر اور کہتر سمجھ رکھا ہے، جب تک ہم انہیں اپنی سطح پر نہ لگے۔ اس وقت تک ہم خوش حالی، امن اور سلامتی سے ہم کنار نہ ہو سکیں گے۔

منصوبی طرق تعلیم

نذیر احمد آثم

اکثر حضرات علمی سے طریق تہجی، طریق الصوت، طریق بین و گو، اسٹوری میتھڈ، یوگا میتھڈ، یا مخلوط طریقے کی طرح پر دھیکٹ میتھڈ (منصوبی طریق تعلیم) کو بھی مبتدئی کو پڑھنا سکھانے کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں اور اسے محض طریق استقرائی اور استخراجی کی طرح حساب کا نیا قاعدہ یا گرامر کی تعریف سکھانے کا طریقہ کہتے ہیں۔ بعض حضرات کے خیال میں منصوبی طریق تعلیم نصاب کے مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کا ایک ذریعہ ہے، مگر فی الحقیقت ان تمام نظریوں سے بالکل الگ تعلق اور مختلف ہے۔

منصوبی طریق تعلیم کی اصطلاح میں میتھڈ کا لفظ ان معدود معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا، حقیقت یہ کہ منصوبی طریق تعلیم سے مراد وہ فلسفہ تعلیم ہے جس کی رو سے ہم تعلیم کے دقیق مسائل سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ سیکھنے کا عمل کس طرح واقع ہوتا ہے، نیز سیکھنے کے عمل کو کس طرح دل چپ، موثر، دیر پا اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے، رنج و تسکین کے جذبات ذہنی آمادگی اور دماغ کیسٹونی کا سیکھنے کے عمل پر کیا اثر پڑتا ہے، کیا ایک وقت میں ہم صرف ایک بات سیکھتے ہیں، یا اس کے اور بہت سی باتیں بھی سیکھتے ہیں، نصاب کے عام مضامین پڑھاتے وقت ہم ضمنی طور پر اخلاق کے اصول و نچوں کو کس طرح سکھاتے ہیں، انکشاف سے علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، تعلیم کا زندگی سے ہے، زندگی میں علم کس طرح حاصل ہوتا ہے، اور کس طرح اسے تبدیل کرتا ہے، الغرض یہ ہیں وہ ارفع رموز و نکات جن کے سمجھنے کا اہل منصوبی طریق تعلیم بناتا ہے، منصوبی طریق تعلیم کی ماہیت سمجھ

سیکھنے کے چند اصولوں کو پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔

ہلا اصول - آمادگی | ہماری تعلیم اسی وقت موثر ہو سکتی ہے، جب ہمارے جسمی میلانات بیدار ہوں۔

ہم مطلوبہ کام کرنے کی خواہش محسوس کر رہے ہوں، کیونکہ جب ہم کسی کام کو کسی اصل پہلو سے انجام دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں تو اس فعل کے کرنے سے بھی راحت ملتی ہے، اور اگر ہمیں اس سے روکا جائے تو رنج پہنچتا ہے، اسی طرح جب ہم ذہنی یا جسمانی طور پر کسی کام کے لئے تیار نہ ہوں۔ اور میں وہ کام کرنے کے لئے مجبور کیا جائے تو اس سے کوفت ہوتی ہے۔

فرض کیجئے مجھے سخت بھوک لگی ہے اور میں کھانے کا بے صبری سے انتظار کر رہا ہوں۔ اگر مجھے اس وقت مطالعے کے لئے مجبور کیا جائے تو مجھے سخت رنج ہوگا، اور میرا مطالعے میں ہرگز جی نہ لگے گا، کیوں کہ مجھے تو اس وقت کھانے کی سخت ضرورت ہے اس لئے میں معمولی سا اشارہ پاتے ہی فوراً کھانے کے کمرے کی طرف دوڑوں گا۔ اور اپنی اشتہاپوری کرنے کی کوشش کروں گا، اس وقت میرا معدہ کھانا ہضم کرنے کے لئے مکمل طور پر تیار ہے میرا ذہن اس بات کا خواہش مند ہے کہ کوئی کھانے کی چیز معدے میں داخل ہو، لیکن کیا کھانا کھانے کے بعد بھی مجھ میں وہی خواہش باقی رہے گی، کیا پیٹ بھر کر کھانے کے بعد اگر کوئی اور چیز مجھے پیش کی جائے تو میں اسے اسی رغبت سے کھاؤں گا جس رغبت سے مٹو معدہ ہونے کی صورت میں کھاتا رہا ہوں، ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

یاد رکھئے آپ کسی ضروری کام میں مشغول ہیں، اگر آپ کا دوست اس وقت تفریح طبع کے لئے آپ کو بلاتی سنا چاہے تو کیا آپ اس کی کہانی سننے کے لئے تیار ہوں گے، لازمی طور پر آپ اسے کسی اور وقت اپنی سنانے کے لئے کہیں گے لیکن اگر وہ اسی وقت سنانے پر اصرار کرے تو آپ اس کے اس فعل پر سخت براہ ہوں گے، اسی طرح ذہنی تیاری کی حالت ہمارے سیکھنے کے عمل میں کارفرما ہونی ضروری ہے، یہ اصول ہم کے حصول علم پر عام ہوتا ہے، دماغی تسلسل کے تیار ہونے کو ہم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے، سب سے بہتر طریقہ تعلیم وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل دو اصول مدنظر رکھے جائیں۔

(۱) بچے میں دل چسپی پیدا کرنا (ب) بچے کو علم سیکھنے کے لئے آمادہ کرنا۔

علم اسی صورت میں جلد سیکھا جاتا ہے جب اس نے والا جذبہ یعنی سیکھنے کی خواہش نیچے کے

اندرونی وجود ہو۔

دوسرا اصول مقصد یا مَدعا | جب کوئی شخص کسی خاص کام کو انجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے راستے میں حائل ہونے والی بہت سی مشکلات کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آنے کی

سنجیدہ کوشش کرتا ہے، اُس کام کو انجام دینے کے لئے جتنا پڑا اس کا مقصد ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ شخص اس بات کے سیکھنے کے لئے تیار ہوگا جو اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ اتنا ہی وہ اس امر سے گریز کرے گا جو اس کے مقصد سے غیر متعلق ہوگا۔

فرض کیجئے کوئی لڑکا پتنگ بنانے کا ارادہ کرتا ہے، اور اس کا ارادہ بھی مضبوط ہے تو اس کا پورا جسمانی نظام یعنی اُس کا جسم، دماغ اور نفس اپنی مقصد پروری کے لئے مصروف کام ہوگا، وہ ان باتوں میں خاص دل چسپی لے گا جو اس مقصد کے حاصل کرنے میں مدد دے سکتی ہیں، اور ان باتوں سے نفرت کرے گا جو اس کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی ہیں، وہ ایسی لکڑی کا متلاشی ہوگا جو پتنگ بنانے کے لئے ہر طرح سے موزوں ہے، یعنی ملکی بھی مواد مضبوط بھی، وہ لکڑی کی پیمائش نہایت احتیاط سے کرے گا، اس کے ٹکڑے صحت سے کاٹے گا، وزن کر کے ایک دوسرے کا مقابلہ کرے گا، کاغذوں کے نمونے حاصل کرنا، پتنگوں کی بناوٹ اور مختلف نمونوں سے واقفیت حاصل کرنا، دو تیار کرنا، خرچ کا اندازہ لگانا اور اُسے پورا کرنے کے لئے روپے کی فراہمی وغیرہ یہ باتیں اس کے لئے جاذبِ توجہ ہوں گی۔

اس کے ارادے کی کیسوئی اور مضبوطی کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ وہ اپنے حصولِ مقصد کے لئے کسی قد مشکلات کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آیا ہے، جب اس کا ارادہ مضبوط اور خیال پختہ ہوگا تو وہ لکڑی مشکلات کا بدلہ آگے بڑھتا جائے گا، اسی لئے علم کو موثر اور پختہ کرنے کے لئے دماغی کیسوئی یا زبردست خواہش کا ہونا ضروری ہے یہ اصول نہایت ضروری ہے، کیوں کہ تجربہ یہ

تیسرا اصول تعلم بالعلم (LEARNING BY DOING) سیکھتے بہتر علم ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے مدارس میں اس ضروری اصول کو بہت بُری طرح نظر انداز کیا جاتا ہے ہم اپنے بچوں کو زبا

واقفیت ہم پہنچانے اور چند حقیقتیں ملنے کی طرح اذکر کرانے پر اکتفا کرتے ہیں، ہمارے خیال میں تعلیم کا
ترین مقصد یہ ہے کہ بچے کو اعلیٰ نمبروں سے امتحان پاس کرا دیا جائے۔

پاکستان کے مشہور ماہر تعلیم مشر سینڈرسن زمانہ مستقبل کے اسکولوں کے متعلق لکھتے ہیں:-
”اسکول ایسی جگہ نہیں ہوگی، جہاں بچے محض سبق یاد کرنے کے لئے آئیں گے۔ بلکہ یہ ایسی جگہ ہوگی
جہاں بچے نئی نئی چیزیں اختراع کرنا سیکھیں گے یعنی زیادہ مستقبل کا اسکول محض ایک درگاہ
نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مندرجہ تجربہ گاہ ہوگا، تعلیم کا جدید نظریہ ہے کہ تعلیم کی بنیاد ان
کے ذاتی تجربہ پر رکھنی چاہئے۔“

اس لئے ہر مدرس کے پیش نظر مولانا حالی کا یہ مصرعہ رہنا ضروری ہے کہ مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا،
اس پر پوری طرح اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے کہ بچے کے اسکول کے کام کو ایسے مسائل اور امور سے
بستہ کر دیا جائے جن سے نہ صرف اس کی دل چسپی قائم رہے بلکہ اُسے گونا گوں تجربات بھی حاصل ہوں
جیسا کہ تعلیم اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ بچوں میں سوچنے کی عادت پیدا کی جائے، ہمیں حقیقت
درکھنی چاہئے کہ بچہ اسی صورت میں سوچنا سیکھ سکتا ہے جب اسے کامیابی کے ساتھ سوچنے کا موقع
پا جائے، سوچنے کی قابلیت اس حالت میں پیدا ہوتی ہے، جب ہمیں مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہو
ی عمل طلب مسئلے کے پیش آنے پر انسان کا دماغ قدرتا اس کا حل سوچتا ہے، اور وہ اپنے سابقہ تجربات
کا بنیاد پر اس مشکل سے عہدہ برآ ہونے کی راہ نکالتا ہے۔

اگر ہم اپنی زندگی کے مسائل کا تجربہ کریں تو ہمیں ان کو حل کرنے کے لئے ذیل کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے
۱۔ کسی مسئلے کے متعلق ہمارے دل میں خواہش یا ضرورت کا پیدا ہونا، چنانچہ اسے حل کرنے یا سرانجام
لئے ہمارے دل میں جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ اس جذبے کے ماتحت ہم اسے سرانجام دینے کا منصوبہ ارادہ کرتے ہیں۔

۳۔ اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے تجویزیں سوچتے ہیں۔

۴۔ ان تجویزوں کو بہترین طریق پر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۷) مسئلے کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے جن مشکلات سے ہمیں دوچار ہونا پڑتا ہے اپنی استعداد کے مطابق ہم ان پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دعا جب ہمیں اس کام میں کامیابی ہوتی ہے تو اسلئے کہ اس سے ملتے جلتے تجربات کو جوہر کا رجحان ہم میں بچتا ہو جاتا ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت مشکلات کا مقابلہ کرنے کی جرأت بھی پیدا ہوتی ہے، ناکامی کی صورت میں ہم اپنی گذشتہ کارروائی پر نظر ثانی کرتے ہیں جس بات کی وجہ سے ہمیں ناکامی ہوئی ہے، اسلئے کہ اس سے محتاط رہ کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے از سر نو کوشش ہو جاتی ہیں، اور اس طرح ناکامی کو کامیابی کی سیر سیڑھی پر چڑھنے کا پہلا ذریعہ بناتے ہیں، اگر ہم اپنے بچوں میں سوچنے کی عادت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں صرف دوسروں کے سوچے ہوئے نتائج پیش کرنے پر ہی اکتفا کرنا چاہئے، اور اسی نوعیت کی تعلیم زندگی میں داخل ہو کر اس کی تبدیلی کا موجب بنتی ہے، جو دراصل تعلیم کا بڑا مقصد ہے، حقیقت میں تعلیم اس حاصل کردہ (کتابی) طریق زندگی یا کردار کا نام ہے جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہے اور اسے تبدیل ہونے والے حالات کے مطابق بہتر سے بہتر طریق پر زندگی بسر کرنے کے قابل بنائے، پس یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ سوچنے کا مادہ صرف تجربے سے ہی پیدا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ سوچنے کا عمل تجربے کی ترمیم بھی کرتا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بچوں کو ہر حال میں صرف اپنے ذاتی تجربوں پر ہی اکتفا کرنا چاہئے نہیں بلکہ اکثر حالتوں میں انہیں دوسروں کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھانا ضروری ہے، کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہر ممکن ذریعے سے بچے کی واقفیت کو بڑھایا جائے، اور اس حاصل شدہ واقفیت کی اصلیت کو جانچا جائے، اس طرح جو واقفیت حاصل کی جائے گی وہ بچے کی زندگی میں گھر کر جائے گی، بشرطیکہ اس واقفیت کا بچے کے وقت یا دعا کے ساتھ گہرا تعلق ہو،

ان تہمتوں کی نکات پر غور کرنے کے بعد ہم منصوبہ بنی طریق تعلیم کی مامیت سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے، پرچہ سے مراد کوئی ایسا مقصد یا منصوبہ ہے جو ارادہ آتا اپنے ذاتی شوق سے منتخب کیا جائے اور جسے تدریسی حالات ماتحت سرانجام دیا جائے۔

منصوبے کی اس تعریف پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ جن تین اصولوں کا تہذیب میں ذکر کیا گیا ہے، وہ اس تعریف میں موجود ہیں، حقیقی پروجیکٹ یا منصوبے کے سرانجام دینے میں بچوں کی اپنی خواہش یا ان کا دلی شوق موجود ہے، مدرس کی طرف سے بچوں پر ٹھوسا ہر کوئی کام یا مشغلہ اس وقت تک پروجیکٹ نہیں کہلا سکتا جب تک بچے خود اس کام یا مشغلے کو اپنا بنا کر اس کی تکمیل کے لئے اپنے دل میں خواہش نہیں رکھتے۔ اس مشغلے کو سرانجام دینے کے لئے ان کا ارادہ یا قصد مضبوط ہو، پختہ قصد کی موجودگی میں وہ مشکلات سے گھبرانے کی بجائے ان پر عبور حاصل کرنے کے لئے مختلف تجویزیں سوچیں گے اور مختلف ذرائع عمل میں لائیں گے۔ تیسرے عنصر قدرتی حالات کے ماتحت سرانجام دینا ہے، اصلی تجربہ یہی ہے جو قدرتی حالات کے ماتحت سرانجام دیا جائے، مثلاً اگر بچے مکان بنانے کا قصد کرتے ہیں تو جن جن حالات کے ماتحت اپنی ماپنی زندگی میں مکان بنانے کے لئے گزرنا پڑتا ہے اپنے تعلیمی مشغلے کو سرانجام دینے میں وہ انہیں حالات سے گزریں گے۔

پروجیکٹ میتھڈ یا منصوبہ جی طریقہ تعلیم سے مراد بچوں کو ان کے منصوبوں کے ذریعہ تعلیم دینا ہے، اس طریقہ تعلیم میں بچوں کی اس دل چسپی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو ان کے حقیقی مقصد میں پائی جاتی ہے، بچے جب ایک ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور اسے پورا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں اسے پورا کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، اپنے منصوبے کا فیصلہ کرنے کے بعد وہ اس کے سرانجام دینے کے لئے اپنی تجویزیں پیش کرتے ہیں، اور پھر ان پر عمل کرتے ہوئے مطلوبہ واقفیت کا علم حاصل کرتے ہیں، کام کے دوران میں مشغلاتھنوں کی مشق کی جاتی ہے، مکمل ہونے پر کام کا موازنہ کیا جاتا ہے، اس کی کامیابی سے انہیں اطمینان اور سکون حاصل ہوتی ہے، اور ناکامی کی صورت میں وہ ان وجوہات پر غور کرتے ہیں جن کی وجہ سے انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس طرح مرکزی مشغلے کو سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ نصاب کے بہت سے مضامین کو سیکھنے اور ان کا عملی طور پر استعمال کرنے کا بھی انہیں موقع ملتا ہے، اور اس طرح یہ وہ اپنے علم کو حقیقی زندگی سے مربوط کرتے ہیں مختلف مرحلوں پر انہیں خود اپنے مسائل کے متعلق سوچنے کا موقع ملتا ہے، انہیں اپنے علم کو پیمانے کے ساتھ میسر آتے ہیں کیوں کہ ان کی تعلیم عمومی ہوتی ہے، وہ اپنی فطریوں اور خامیوں کو اپنی ذاتی سعی یا دوسرے

کے مشوروں سے دودھ کرتے ہیں، اپنے نتائج کا کام کے دوران میں مختلف مرحلوں پر اور آخر میں اس کے پائے تکمیل تک پہنچنے پہنچاؤ کرتے ہیں، چونکہ مرکزی مشغلے کی ضرورت کا بد دست احساس ان کے دلوں میں موجود مہلت ہے، لہذا اس مشغلے کی تکمیل کے لئے جس علم یا ہنر کے سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، اسے حاصل کرنے کے لئے ان کی دل چسپی قائم رہتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان میں اخلاقی کو پختہ بنانے والی عادات راسخ ہوتی جاتی ہیں، مثلاً دوسروں کے ساتھ رواداری، گروپ لیڈر کی فرماں برداری، ذمہ داری کا احساس بنانا کام کرنے کے لئے صحیح قدم اٹھانا اور اپنے فیصلے آپ کرنا وغیرہ۔

اگر غور کریں تو بیک نیشنل ایجوکیشن میں بھی یہی اصول کا دفر مانظر آتا ہے یعنی حرفوں یا مشغلوں کے مرکز میں رکھ کر نصاب کے مختلف مضامین کو عملی طور پر پڑھانے پر زور دیا گیا ہے،

فرق صرف اتنا ہے کہ اس اسکیم میں حرفے یا مشغلے نصاب میں مقرر کر دیئے گئے ہیں، ان کو مرکزی مرکز رکھ کر نصاب کی کتابیں لکھی گئی ہیں، اور جبکہ طریقہ تعلیم میں کوئی منصوبہ یا مشغلہ بچے پر ٹھونسا نہیں جاتا بلکہ بچہ خود بخود اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے، اور اسے پورا کرنے کا قصد کرتا ہے، اس کی تکمیل میں جس واقفیت کی اسے ضرورت پڑتی ہے اس کا علم حاصل کرتا ہے، مثلاً درسی یا لائبریری کی کتب، رسالہ جات یا اخبارات کے مطالعہ سے یا واقف کار اصحاب سے گفتگو کر کے وہ اپنے منصوبے کو سرانجام دینے کے لئے مطلوبہ واقفیت حاصل کرتا ہے، خطوط اور درخواستیں لکھنے اور تجربات کو ظہور میں لانے کی کوشش کرتا ہے، خرچ کا تخمینہ لگانے، اشیاء کی خرید و فروخت کا عملی کام کرتا ہے، جغرافیہ، تاریخ، مطالعہ قدرت وغیرہ کے علوم سے واقفیت پیدا کرتا ہے، اور مرکزی مشغلے میں کام آنے والے ہنروں کی مشق کرتا ہے، یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس

طریق تعلیم سے نصاب کے تمام مضامین نہیں پڑھائے جاسکتے، اسی لئے ان کے ذریعے بچوں کو صرف وہی مضامین پڑھائے جائیں، جن کا تعلق مجوزہ مشغلے سے قدرتی ہو، مثلاً باغیچے کے منصوبے میں رقبہ کے قاعدے کا قدرتی تعلق ہے، یہ قاعدہ بڑی آسانی سے سکھایا جاسکتا ہے، اسی طرح اسکول کے بینک کے ذریعے سود، ڈاک خانے کے منصوبے کے ذریعے روپے۔ آنے پیسوں کی تحویلوں وغیرہ کے سوالات قدرتی طور پر سکھائے جاسکتے ہیں جن مضامین کا منصوبوں سے قدرتی تعلق نہ ہو، ان کے

خانے کے لئے یا قودد سرے طریقے استعمال میں لائے جائیں یا ان کے پڑھانے کے لئے دوسرے صوبے استعمال کئے جائیں۔

منصوبے ہر بچے کے لئے انفرادی بھی ہو سکتے ہیں اور اجتماعی بھی، عام طور سے اسکولوں میں جماعتی صوبے منتخب کرنے مفید ہوتے ہیں، ایسے منصوبوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، مثلاً مکان مانا ہے تو اس منصوبے میں ایک گروہ مکان کا نقشہ تیار کرتا ہے، دوسرا گروہ اینٹیں بناتا ہے تیسرا مارتی سامان فراہم کرتا ہے، چوتھا آرٹسٹ سامان بہم پہنچاتا ہے وغیرہ، مختلف مارج پر ہر گروہ کا لیڈ اپنے مفوضہ کام کی رپورٹ جماعت کے سامنے پیش کرتا ہے، اس طرح پوری جماعت کو ہر گروہ کی کارگزاری سے واقفیت ہوتی رہتی ہے اور مشترکہ صلاح مشورے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔

منصوبی طریق تعلیم میں مدرس کا درجہ کیا ہوتا ہے، جن اسکولوں میں منصوبی طریق تعلیم پر عمل کیا جاتا ہے ہاں مدرس کا کردار کون سے پر اثر رہی تعلق ہوتا ہے، وہ ایک رہنما اور دوست کی حیثیت سے کام کرتا ہے، اپنی انائی، فہم اور تجربے سے انہیں غلطیوں سے بچاتا ہے، انہیں اپنے منصوبوں کی تجاویز سوچنے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی ترغیب دیتا ہے، مقصد کو ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رکھنے میں مدد کرتا ہے، طلباء کو جھوٹا کے اصول پر کاربند رہنے کی ہدایت کرتا ہے، غبطہ کا اصلی مفہوم سمجھا کر ضابطے کے مطابق کام کرتا ہے اور ندراری کا احساس پیدا کرتا ہے، طلباء کے منصوبوں میں مدد دینے والی تصاویر، کتب و دوسری اشیا ہتیا کرتا ہے، تعلیمی سیر مقامی کارخانوں یا تاریخی مقامات کے مشاہدوں کا اہتمام کرتا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ وہ عام مدین کی طرح آمر کی حیثیت سے کام نہیں کرتا، تمام طلبہ بننے ہی کی کوشش کرتا ہے، بلکہ وہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ طالب علموں کو اپنے ارد گرد کے وسیع امکانات کے سمجھنے کے قابل بنائے، ان میں جس کا مادہ پیدا کرے، وہ اپنے طالب علموں کو اپنی مدد آپ کرنے، نیز اپنے تجربے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے قابل بنانے میں بہترین مصروف رہتا ہے، یہی منصوبی طریق تعلیم کی سب سے بڑی خوبی ہے، منصوبی طریق تعلیم پڑھانا کوئی آسان کام نہیں، ان اصولوں کو استعمال کرنے کے لئے ہر مدرس کو اپنے تجربے سے بہترین طریقہ دریافت کرنا چاہئے، کلید لک کی ہدایت کے مطابق ٹائم ٹیبل میں شروع کا ایک پریکٹ

لایا، کی طرف سے آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے مشغلے کے لئے وقف کیا جائے، مدرس کو اس بات کا انتظام کرنا چاہئے کہ اس کی جماعت منضوب مقاصد کو اختیار کرے، ان کو سرانجام دینے کے لئے تجاویز و مسوچے، انہیں عملی جامہ پہنانے اور اپنے اپنے تجربے کے نتائج کا موازنہ کر کے ان سے پیش از پیش فائدہ حاصل کرے، ایسے مواقع نظر انداز نہ کرے، جہاں پروجیکٹ کے تجربات کو علم کی وسیع خانوں سے مربوط کیا جاسکے، مختلف مضامین کو مصنوعی طریقے پر مربوط کرنے کے لئے ان کی نامناسب کھینچ تان سے پرہیز کیا جائے، اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ کارآمد باتیں سیکھی جا رہی ہیں اور مفید عادات قلب کے دلوں میں گہ کر رہی ہیں، ہر مدرس کو اپنی فہم و فراست استعمال کرنی چاہئے، الغرض منصوبی طریق سے تعلیم دینے کے لئے فہم و فراست کی بھی بڑی ضرورت ہے۔

(۱) منصوبی طریق تعلیم میں طالب علم اسکول میں سیکھی ہوئی حقیقتوں
منصوبی طریق تعلیم کی خوبیاں اور ہنروں کو عملی طور پر استعمال کرنا سیکھتا ہے نئے مسائل کے حل کرنے اور حقیقی منصوبوں کے انجام دینے کے لئے جب بچہ اپنے پرانے حاصل کردہ علم کو استعمال کرتا ہے۔ تو اس علم کی اہمیت اس پر بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

(۲) اپنے منصوبوں کے کارآمد اور مناسب نتائج پیش کرنے سے بچوں میں تعلیمی کام کے متعلق بہت زیادہ دل چسپی پیدا ہوتی ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے، جب بچے پر کام کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ اور اس کے حاصل کرنے کے لئے وہ ہر قسم کی کوشش عمل میں لانے سے گریز نہ کرے۔

(۳) منصوبوں کے ذریعے بچہ اپنی تعلیم پر مبنی، ان کو عملی جامہ پہنانے، مناسب اشیاء کے ہم بیو بنانے اور آزادانہ طور پر استعمال کر کے کام میں آتا ہے، اس طرح ان میں وہ عادت پختہ ہوتی ہے، جس پر دور اندیشی، عمل میں اقدام اور جدت پسندی کی بنیاد استوار کی جاسکتی ہے۔

(۴) منصوبوں کے ذریعے نئی حقیقتوں کے دریافت کرنے اور جدید مواد کے تلاش کرنے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے، اس ضرورت کے ماتحت بچوں کو آزادانہ جستجو میں مصروف رہنے، کتب اور رسالہ جات کا مطالعہ کرنے کی خود بخود رغبت ہوتی ہے، جب کسی منصوبے یا ہنر کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً ڈرائنگ، جو خطی دستکاری یا حساب تو بچے کے دل میں ان ہنروں میں بہارت پیدا کرنے کی آرزو پیدا ہو جاتی ہے۔

اجامتی منصوبوں کے ذریعے سماجی زندگی کو بہتر بنانے والی عادات حسنہ کی مشق کا موقع ملتا ہے، مثلاً دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا اور دلوں کی راہ نمائی کرنا، یا اپنے سے اچھوں کی فرماں برداری کرنا، اہلیت کے مطابق گروہوں کے افراد میں کام تقسیم کرنا، جھگڑے کے فیصلے کے لئے اکثریت کے فیصلے کے سامنے تسلیم خم کرنا اور ذمہ داری محسوس کرنا وغیرہ اس قسم کی عادات کی پختگی سماجی زندگی کے لئے اذیس ضروری ہے۔
۱۱ منصوبے کے ذریعے مشکلات کا جائزہ لینے اور ان کے حل کرنے کی تجویزیں عمل میں لانے کا موقع ملتا ہے، جن کی وجہ سے طلبہ اور مدرسین کے دلوں میں تعمیری محنت طلب کام کی قدر و منزلت پیدا ہوتی ہے۔

۱۲، منصوبوں کے ذریعے ہمیں کسی ایک منصوبے کو مختلف درجوں میں تقسیم کر کے ہر درجے کی انجام دہی کے لئے مناسب تدبیریں اختیار کرنے اور معمول مقصد کے لئے ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے کو مکمل کرنے کی مشق ملتی ہے، اسی طرح صبر اور باقاعدگی کے ساتھ اپنی کوشش جاری رکھنے اور ناکام و بے امید کو چھل کرنے کے لئے مستقل مزاجی سے محنت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا خوبیوں کے پہلو پہلو اس کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دینا مناسب نہ ہوگا۔

منصوبہ کی طریق تعلیم کی خامیاں

(۱) عام طریقوں کے مقابلے میں اس طریقہ پر کام کرنے سے خرچ زیادہ ہوگا اور وقت بھی زیادہ صرف ہوگا۔
(۲) کم سمجھ اور ناتجربہ کا مدرس کی زیادہ نگرانی کام کرنے سے اس طریق تعلیم سے وہ فائدے حاصل نہیں ہو سکتے جن کا اد پر ذکر کیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ لڑکوں کی مشغولیت محض سطحی ہو اور تعلیمی نقطہ نگاہ سے وہ نقصان دہ غلطیاں سرزد کر رہے ہوں جنھیں منصوبے کے سرانجام دینے کے لئے شمولیت اور محنت کرنے کے امکانات زیادہ پائے جا سکتے ہیں۔

(۳) بچے کی تجربہ عام طور پر کسی عملی مشغلے کے سرانجام دینے پر لگی ہوتی ہے، اسے سرانجام دینے کے لئے بچہ صرف ان حقیقتوں یا ہنروں کو سیکھنے کی خواہش کرے گا، جن کا حاصل کرنا اس کے منصوبے کی تکمیل کے لئے اشد ضروری ہو، لیکن ہے اپنی مقصد، اسی کے لئے بعض اوقات وہ غلط طریقے ہی اختیار کر لے

کیونکہ اس کا نصب العین کسی علم یا مہتر کا حاصل کرنا نہیں، بلکہ اپنے منصوبے کی تکمیل ہے، علم یا مہتر میں ہمارے
 تو صرف ضمنی طریق سے حاصل ہوگی، اپنے منصوبے کے انجام پر نگاہ رکھنے کے باعث ہو سکتا ہے، کہ بچہ کسی علم
 مہتر کے حامل کرنے میں پوری مشق نہ کرے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے منصوبے کا فوری نتیجہ حاصل کرنے
 کے لئے وہ اپنے طریقہ کار میں من مانی کارروائی عمل میں لاتے ہوئے ان تمام ضروری مدارج کو نظر انداز کر دے
 جن پر عمل کرنا کسی علم یا مہتر میں ہمارے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہو۔

(۲) منصوبے کے ذریعہ جو علم بچہ حاصل کرے گا وہ عام طور پر بے ترتیب اور بکھرا ہوا ہوگا، لیکن کسی علم کے
 سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے کسی ترتیب سے ایک لڑی میں پرو دیا جائے اور بنیادی اصولوں کو اچھی
 طرح سمجھ کر اوپر کے درجوں کی حقیقتوں میں ہمارے پیدا کی جائے محض اسے استعمال میں لاکر ہم اپنے علم
 میں وسعت اور پختگی نہیں پیدا کر سکتے۔

مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ منصوبے کو استعمال میں لایا ہی نہ جائے، اگر اس طریق تعلیم میں چند
 نقص ہیں تو اس کے فوائد بھی تو بے شمار ہیں، لہذا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ منصوبی طریق تعلیم کو
 ترقی یافتہ طریقہ ہائے تعلیم کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے، جبکہ پہلے تجویز کیا جا چکا ہے کہ وقت نامے کے
 شروع میں روزانہ ایک پیرا صرف منصوبے کے لئے ہی مخصوص کر دیا جائے جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد
 ایک تجربہ کار افسر ہم مدرس اس طریق تعلیم کی خوبیوں سے بخوبی فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور اس کی غائی
 سے بھی ہر طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔

ای میل رُوسو کی تعلیم

توقیر مرزا رزاقی مسلسل ۱

پڑھنا بچپن کی ایک لعنت ہے | جب بچوں کو اس طرح سبق دینے سے میں نجات پا جاؤں گا تو گویا میں ان کے سب سے بڑے معائب و آلام کے سبب یعنی ان کی کتابوں کی پریشانیوں سے محفوظ ہو جاؤں گا، پڑھنا بچپن کی ایک لعنت اور بھگنا ہے، لیکن آپ کے لئے بس ایک ہی مشغلہ تفسیر ہے، اسمعیل کو بارہ سال کی عمر تک تو یہ مشکل سے ہی خبر ہو گی کہ کتاب کس چیز کا نام ہے، لیکن آپ فرمائیں گے کہ کم از کم پڑھنا تو ضرور آجانا چاہئے، یہ میں تسلیم کرتا ہوں جب پڑھنا اس کے لئے مفید ہو گا وہ خود بخود دیکھ لے گا، لیکن جب تک کہ اس کے لئے پڑھنا کچھ فائدہ مند نہ ہو گا اسے پڑھنے میں الجھن ہی معلوم ہو گی۔

سیکھنے کی خواہش یا شوق پیدا کر دینا ہی سب سے بہتر طریقہ ہے | اگر بچوں سے کوئی کام بحیثیت خدمت گزار نہ لیا جائے تو اس کا نتیجہ ہو گا کہ بچے صرف اسی کام کو سیکھیں گے جس میں وہ حقیقی اور فوقتی فائدہ یا تفریح محسوس کریں گے سیکھنے کے لئے اس کے سوا اور کیا ہونا چاہئے؟ ہمارے غیر حاضر دوستوں سے باتیں کرنے اُن کے الفاظ سننے اور انہیں اپنی حیات و خواہشات اور تئناؤں کے راہ راست آگاہ کرنے کا فن ایسی چیز ہے جس کے فوائد کی صراحت ہر عمر میں کی جاسکتی ہے، ابھلا اس قدر کارآمد اور دل پذیر فن

بچوں کے لئے ہوا کیوں کر بن جاتا ہے؟ اس لئے کہ سیکھنے پر بچے کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کیا جاتا ہے اور اسے ایسے مقاصد کے لئے استعمال کرایا جاسکتا ہے جو بچے کی عقل و فہم کے باہر ہوتے ہیں ایک بچے کو آدھ جلا دی کے استعمال میں مہارت حاصل کرنے کی خواہش کچھ زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ بچہ تو اس آلہ کو تفریح کا ذریعہ بنا لیتا ہے، اور پھر چند ہی دن بعد آپ اس بچے کو اس آلے کے استعمال سے باز نہیں رکھ سکتے ہیں، لوگ بچوں کو پڑھنا سکھانے کا بہترین طریقہ معلوم کرنے کے لئے بڑا شوق و غل مچاتے ہیں وہ بیورو (BUREAU) اور پتے (CARDS) ایجاد کر کے ایک چین کو چھاپا بنا دیتے ہیں۔ لاکھوں کی خواہش تھی کہ بچوں کو گتوں کے ذریعہ پڑھنا سکھایا جائے۔ کیا خوب خیال ہے لاسول ولاقہ، ایک طریقہ ان سب کے کہیں افضل اور اعلیٰ موجود ہے، جسے عموماً بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہی یہ طریقہ کسی چیز کے سیکھنے کی خواہش یا شوق میں مضمر ہے، آپ اپنے شاگرد میں صرف یہ شوق یا خواہش پیدا کر دیں اور اس بیورو اور پتوں پر لغت بھیجیں، پھر آپ جو چاہیں طریقہ اختیار فرمائیں وہی کار آمد ثابت ہو گا۔

پڑھنے کا شوق پیدا کرنے کی مثال | موقتی حاجت یعنی حرکت دینے والی قوت ہی وہ چیز ہے جو ہمیں خیر و عافیت کے ساتھ بڑی دیر تک پہنچا دیتی ہے۔ بسا اوقات اسماعیل کے والدین عربیہ و اقارب اور اس کے دوست احباب کے دعوتی رقعے اسماعیل کے پاس آتے ہیں، کبھی رات کے کھانے کی دعوت ہوتی ہے کبھی چل قدمی، کبھی کشتی اور کبھی کسی عام تفریح گاہ کی سیر کا بلاوا ہوتا ہے۔ ان رقعوں کا مضمون سیدھا سادہ صاف اور خوش ہوتا ہے، ان رقعوں کو پڑھ کر سننے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہونا چاہئے، لیکن بوقت ضرورت کوئی بڑا پڑھ کر سننے والا نہیں ملتا ہے، اسماعیل کا کوئی اس سے زیادہ خیال نہیں کرتا ہے جتنا کہ خود

مل بیورو ایک قسم کا عقیدہ ہوتا ہے جس میں پتوں پر لکھے ہوئے حروف ہوتے ہیں کہ جنہیں جوڑنے سے الفاظ بن جاتے ہیں، پڑھنا سکھانے کے لئے یہ ایک نہایت ہی پسندیدہ طریقہ تصور کیا جاتا ہے اور اس طریقہ کا نام بیورو کا طریقہ برائے حصول خواندگی رکھ دیا گیا ہے۔

سی کا خیال کرتا ہے پس وقت گزرجاتا ہے اور موقع بکل چکتا ہے، شب آخر کار وہ رقعہ پڑھ کر سے بنایا جاتا ہے آہ کاش اسمعیل یہ جانتا کہ کیوں کر پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد اسمعیل کے پاس مختصر درجہ لچپ چٹھیاں آتی ہیں، اب وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ انہیں پڑھ لے بعض اوقات سے اعلیٰ بھی مل جاتی ہے بعض اوقات نہیں بھی ملتی پس اسمعیل انہیں پڑھنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے، اور بالآخر نصف مضمون پڑھ ہی لیتا ہے۔ اس چٹھی میں کسی جگہ کل صبح بالائی کھانے کے لئے چلنے کی دعوت ہوتی ہے، لیکن کہاں جانا تھا، اور کس کے ساتھ چلنا تھا۔ یہ وہ نہیں پڑھ سکا، اب اس چٹھی کا سارا مضمون پڑھنے اور معلوم کرنے کے لئے اسمعیل اس قدر کوشش کرتا ہے کہ اللہ کی پناہ، میں نہیں سمجھتا کہ اسمعیل کو کسی بیورو کی ضرورت پڑے گی۔ کیا اب میں لکھنا سکھانے کی تعلیم کا بھی ذریعہ بناؤں؟ ایک تعلیمی سالے میں ایسی معمولی چیزوں کا ذکر چھیڑتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، میں چند الفاظ کا ذیل میں ابھی امداد اضافہ کرنا چاہتا ہوں جن میں ایک بہت اہم اصول بھی شامل ہے یعنی جس چیز کے حصول کی ہیں کوئی جلدی نہیں ہوتی ہے وہ نہایت سرعت اور کامل وثوق کے ساتھ ہیں حاصل ہو جاتی ہے مجھے یقین کامل ہے کہ اسمعیل دس سال کی عمر کے قبل ہی لکھنا پڑھنا دونوں از خود سیکھ جائے گا، اور بعض اس وجہ سے کہ مجھے پڑھنا سکھانے کی پندرہ سال کی عمر تک بھی قلعہ کوئی فکر نہیں ہے، لیکن میں بذات خود ان کام امور کو قربان کر کے جو خوندگی کو مفید بناتے ہیں اس فن کو حاصل کرنے کی نسبت اسمعیل کا عمر بھر قلعی طور پر ناخوندہ رہنا ہی زیادہ پسند کرتا ہوں، پس جبکہ قراءت سے وہ ہمیشہ نفرت کرتا رہا ہے تو اسے پڑھنے سے بھلا کیا خاک فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

خود رو یا ببع زاد طریقہ تعلیم میں مجھے اس کے خلاف اتنے ہی اعتراضات ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، آپ کا شاگرد اگر آپ سے کچھ نہ سیکھے گا تو وہ دوسروں سے سیکھ جائے گا، اگر آپ اس میں صداقت اور راست گوئی پیدا نہ کریں گے تو وہ کذب اور دروغ گوئی سیکھ جائے گا جن اثرات کو سکھانے سے آپ ڈرتے ہیں انہیں وہ آس پاس والوں سے اپنے

حواریوں کے ذریعہ از خود سیکھ جائے گا، جو یا تو بچگی کے قبل ہی اس کی عقل کو مسخ کر دیں گے یا بیکار اور بے بس رہنے کی وجہ سے اُس کے دل کو سُکن کر کے مادی اشیائیں بخور دیں گے اگر ہم بچوں کی طرح سوچ بچار کی عادت نہ ڈالیں تو تمام عمر کے لئے ہم میں سے قوت تخلیق ہی زائل ہو جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس اعتراض کا جواب میں باسانی دے سکتا ہوں لیکن ہر اعتراض کا آخر میں جواب ہی کیوں دوں۔ پس اگر میرا طرز تعلیم خود بخود آپ کے اعتراض کا جواب دے دے تو بہتر ہے اور اگر نہ دے سکے تو یہ خود بخود ناکارہ ہے، لہذا میں اپنی توضیحات اور تشریحات کو جاری رکھتا ہوں۔

اگر میرے مجوزہ نقشے کے مطابق آپ ان اصولوں پر کاربند ہو جائیں جو مروجہ طریق عمل کے بالکل خلاف ہیں اور اپنے شاگرد کو آپ اگر میدانوں میں لے جانے اور دور افتادہ مقامات، ممالک بعیدہ، قرون کا زمین کے کناروں اور خود آسمانوں میں آوارہ گردی کرنے کی بجائے اس کی ذاتی شخصیت اور دلچسپیوں میں مصروف رکھنے کی سعی فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ دیکھتا بھی ہے، یاد بھی رکھتا ہے اور عقل سے بھی کام لیتا ہے، یہ قدرتی نظام ہے، ذی حیث مخلوق جب متحرک ہو جاتی ہے تو اس مخلوق کی قوت تیز اس کی طاقت کے ساتھ ہی ساتھ نشوونما پانے لگتی ہے، اور جب تک اس کی طاقت حفا خود اختیاری کی ضروریات سے زائد نہ ہو جائے قوت تیز بچگی اختیار نہیں کرتی ہے، اور یہ وہ قوت ہے جو اس فالتو طاقت کو دیگر معاملات میں استعمال کرنے کے لئے ہی ودیعت ہوئی ہے، اگر آپ اپنے شاگرد کی عقل تیار کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس طاقت کو ترقی دیجئے جسے تابو میں رکھنے کے لئے عقل بنائی گئی ہے، بچے کو جسمانی ورزشیں بلا کر اتے رہیے اور اسے تندرست و توانا بنا دیجئے اور ہمیشہ کسی نہ کسی شغل میں اسے مصروف رکھئے، الغرض آپ اسے شدید العقوی آدمی بنا دیجئے تو وہ بہت ہی جلد ایک عقلمند اور دانا انسان از خود بن جائے گا۔

جسمانی قوت ذہنی افعال کو قوت پہنچاتی ہے | اگر آپ بچے کو ہر وقت ہدایت دیتے اور یہ کہتے رہیں گے کہ یہاں آؤ۔ وہاں جاؤ۔ پھر وہ یہ کہو۔ وہ مت کرو تو بلا شک آپ اس طرز تعلیم سے بچے کو اور بھی غبی اور ٹھس بنا دیں گے، اگر آپ اس کا

ہاتھ پکڑ کر اپنے دماغ کے ذریعہ ہی نیچے کی راہنمائی فرمائیں گے تو نیچے کا ذاتی دماغ بالکل بیکار و معطل ہو جائے گا لیکن ذرا ہماری معین کردہ شرائط کو یاد فرمائیے، اور اگر آپ نام و نمود کے دلدادہ ہیں تو آپ کے میری یہ کتاب پڑھنی ہی سزاوار نہیں ہے۔

بینیال کرنا کہ جسمانی یا لمبی کام کاج سے ذہنی افعال کی کوئی مزاحمت ہوتی ہے ایک مہیب اور اندہ ہناک غلطی ہے کیوں کہ اس کا یہ مطلب ہو گا کہ ہر دو قوتوں کو بیک وقت کام میں نہ لگانا چاہیے اور یہ کہ ایک قوت دوسری قوت کی راہنمائی کے لئے گویا مقدر کی ہی نہیں گئی ہے۔

صرف دو ہی لطیقات کے لوگ ہمیشہ جسمانی محنت میں مصروف رہتے ہیں، اکسان اور وحشی اور بلاشبہ ان میں سے ایک بھی ذہنی تیاری کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ کان غیر ہنڈ اور جڈ۔ بیڈھنگا اور بیڈول ہوتا ہے، وحشی نہ صرف ذکی الحس ہونے کی صفات میں مشہور معروف ہیں بلکہ اعلیٰ ذہنی چالاکیوں کے لئے بھی شہرہ آفاق ہیں، اگر دیکھا جائے تو کان سے زیادہ سست اور کاہل وجود اور وحشی سے زیادہ تیز و چالاک عموماً کوئی دوسری مخلوق نہیں ہوتی ہے اس اختلاف کا آخر کیا سبب ہے؟ کان ہمیشہ وہی کام کرتا ہے جو اس کے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں اور وہ خود ہمیشہ سے کرتا چلا آ رہا ہے، اس لئے وہ عادت کا بندہ ہو جاتا ہے اور اپنی زندگی ایک خود رفتہ کھلی یا مٹین کی مانند ایک ہی کام اور ایک ہی حال پر گزاردیتا ہے، عادت اور اطاعت عقل کی جگہ حاصل کر لیتی ہیں، وحشی کا معاملہ بالکل دگرگوں ہوتا ہے، وہ کسی کا بندہ ہو کر نہیں رہتا اور نہ اس کا روزمرہ کا کوئی متردّد کام ہی ہوتا ہے، اور نہ وہ کسی بالادست کا مطیع ہوتا ہے اپنی مرضی کے سوا وہ کسی اور قانون سے واقف نہیں ہوتا، لہذا قدم قدم پر اسے غور و خوض سے کام لینا پڑتا ہے، انجام سوچے بغیر وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرتا پس جس قدر اس کی جسمانی ورزش ہوتی ہے اتنا ہی وہ دماغ کا چاق و چوبند اور لیس ہوتا جاتا ہے، اس کی جسمانی طاقت اور عقل دونوں ساتھ ساتھ اکٹھی رتی اور ایک دوسرے کی نشوونما میں معاونت کرتی رہتی ہیں۔

آئیے لائق اساتذہ آئیے! دیکھیں کہ ہم دونوں کے شاگردوں میں کس کا شاگرد وحشی ہے یا

مشابہت رکھتا ہے اور کس کا کان سے، آپ کا شاگرد تو ایک قوت کا مائع ہے جو ہر لحظہ اس کی ہدایت میں لگی رہتی ہے، وہ صرف احکام کی تعمیل کرتا ہے، بھوک کے وقت کھانا کھانے کی جرات نہیں کر سکتا اور نہ غشی کے وقت منہس سکتا ہے نہ رنج کے وقت رو سکتا ہے اور نہ ایک ہاتھ کی بجائے دوسرا ہاتھ بڑھا سکتا ہے، اور نہ بلا حکم قدم ہلا سکتا ہے اور عنقریب شاید سانس بھی لینے کی ہمت نہ کر سکیگا، اب آپ ہی فرمائیے کہ جب اس کی طرف سے تمام غور و غوض آپ خود ہی کر لیتے ہیں تو پھر آپ اس سے کس چیز پر غور و غوض کرنا چاہتے ہیں؟ جب وہ آپ کی دور اندیشی سے خود غور محفوظ رہتا ہے تو پھر وہ اپنی فکر آپ کیوں کرے؟ یہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری آپ نے لے رکھی ہے، اس لئے ان حفاظتی ذمہ داریوں سے وہ اپنی ذات کو بالکل آزاد خیال کرتا ہے، اس کی رائے آپ کی رائے کی محتاج ہے، پس جس کام کو آپ منع نہیں کرتے وہ یہ خیال کر کے کہ اس میں کوئی خدشہ نہیں ہے ضرور کرتا ہے، بادش کی ملازمتوں سے وہ کیوں واقفیت حاصل کرے جبکہ وہ جانتا ہے کہ آپ خود ہی اس کی خاطر بادلوں کو دیکھا کرتے ہیں؟ جبکہ وہ جانتا ہے کہ رات کے کھانے سے وہ محروم نہیں ہو سکتا تو وہ شام کی چیل قدی کا وقت کیوں معین کرے؟ جب تک آپ منع نہ کریں وہ کھانا رہتا ہے اور جب آپ روک دیتے ہیں وہ کھانا ختم کر دیتا ہے، وہ اپنے معدہ کا خیال نہیں کرتا بلکہ آپ کی ہدایتوں پر کاربند رہتا ہے، آپ اس کے جسم کو معطل رکھ کر بیکار۔ ڈھیللا ڈھالا اور لدھڑ بنا دیتے ہیں اس لئے کہ آپ اس طرز عمل سے اس کی ذکاوت اور فہم میں تیزی نہیں پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ تو درکنار آپ ان چیزوں کے تعلق جو اسے بے حد معمولی معلوم ہوتی ہیں، اس کی ذاتی قوت اور اک کو استعمال کر کے عقل کی توہین کرانے کے کام کی تکمیل فرما دیتے ہیں، اور چونکہ وہ اپنی عقل کو اپنی ذات کے لئے کبھی کارآمد نہیں پاتا اس لئے کہ وہ نہ اسے لے کر لیتا ہے کہ عقل محض ایک بیکار شے ہے، اگر وہ کوئی ناسعقول بات کرتا ہے تو اس پر اعتراض کر جاتے ہیں، اور اس سے زیادہ اس کے لئے اور کوئی خرابی کی بات نہیں ہو سکتی ہے، یہ اعتراضات اکثر بدیشہ اس قدر شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ وہ ان کی طرف توجہ ہی کرنا چھوڑ دیتا ہے، اور اس لئے لغزش کے ایسے معمولی خلدشوں کا اب اسے کوئی احساس تک نہیں رہتا ہے۔

اس پر بھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ دل رکھتا ہے، اندیس طریقہ کا میں قبل ذکر کر چکا ہوں اس کے مطابق وہ عورتوں سے باتیں کرنے میں کافی تیز اور چالاک ہوتا ہے، لیکن اگر وہ کسی معیشت میں پھنس جائے اور مشکل حالات کے تحت اسے کوئی ذمہ دہ کرنا ضروری ہو جائے تو آپ اسے غیر مہذب اور اجڈ سے اجڑ مزید کے لڑکے سے بھی صد بار درجہ احمق پائیں گے۔

میرے شاگرد یا فطرت کے طالب علم کا یہ حال ہے کہ اسے ابتدا ہی سے حتی الامکان اپنی ذات پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، ہمیشہ دوسروں کی امداد حاصل کرنے کی اس نے عادت نہیں ڈالی ہے اور اپنے علمی ذخیرے کی نمائش کی تو اس میں اس سے بھی کم عادت ہے، وہ تو اس کے برخلاف اپنی قوت تیزی اور دور اندیشی سے کام لیتا ہے، اور ہر اس چیز کے متعلق اپنی عقل استعمال کرتا ہے جس کا اس کی ذات سے تعلق ہو، وہ باتیں نہیں بناتا کام کرتا ہے، دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس کے متعلق وہ ایک حرف بھی نہیں جانتا ہے، لیکن یہ خوب جانتا ہے کہ اس کی ذات کو کونسی چیز متاثر کرتی ہے اور کیوں کہ وہ ہر وقت متحرک رہتا ہے اس لئے وہ بہت سی چیزوں کو دیکھنے اور بہت سے اسباب اور نتائج کو پہچاننے پر مجبور ہے، لہذا بہت ہی جلد وہ کافی تجربہ حاصل کر لیتا ہے، اس کی انسانی قدرت ہوتی ہے، کوئی مخلوق نہیں ہوتی، چنانچہ اسی وجہ سے وہ علم اور بھی زیادہ جلدی حاصل کر لیتا ہے اس لئے کہ اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اسے کوئی سبق بھی یاد کرنا ہے، پس میرے شاگرد کا جسم اور عقل دونوں متحد ہو کر عمل کرتے رہتے ہیں، وہ ہمیشہ اپنے ہی خیالات کی تکمیل کرتا ہے اور دوسروں کی راہوں عمل نہیں کرتا ہے اور اس طرح اپنے خیال اور عمل دونوں کو متحد کر دیتا ہے، پس اسمعیل جس قدر توانا اور مستدرست ہوتا جاتا ہے اتنا ہی مائل اور فہیم بھی ہوتا جاتا ہے جس چیز کو گو بڑے بڑے لوگوں نے حاصل کیا ہے۔ ناقابل حصول خیال کیا جاتا ہے، یعنی روحانی اور جسمانی قوت۔ فیسوفوں کی دانائی اور زور آوروں کی چستی اسے زمانہء مابعد میں حاصل کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔

نوجوان اساتذہ! میں آپ کے دو بوجہ حکم دیئے ملاحظہ رکھنے اور بلا کچھ کہے ہر کام کرانے کی ایک مشکل ہم پیش کر رہا ہوں، یہ میں جانتا ہوں کہ یہ فن آپ کی بساط کے باہر ہے، اس سے شاگردوں

والدین پر نہ آپ کی قابلیت کی دھاک بیٹھ سکتی ہے اور نہ آپ کی شخصی قدر و منزلت نمایاں ہو سکتی ہے لیکن کامرانی کا راستہ صرف ایک ہی ہے، اگر ابتداء میں آپ ننھے ننھے شرارت کے پتلے تیار نہ ہونے دیں گے تو آپ آدمیوں کو عقلمند بنانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے، اسپارٹا والوں کی یہ بھی ایک تعلیم تھی انہیں کبھی کوئی کتاب پڑھنی نہ سکھائی جاتی تھی، بلکہ اپنی ذات کے لئے ذات کا کھانا چودا نہ سکھایا جاتا تھا۔ تو اس سے کیا وہ لوگ اپنی زندگی مابعد میں کسی سے کم تر تھے؟ وہ لوگ فتح و نصرت کے لئے شب روز تیار رہتے تھے، اور ہر جنگ میں اپنے دشمنوں کو مغلوب کرتے تھے، با توئی ایہ تہنزدالے تو ان کے قوال سے بھی ایسے ہی خوفزدہ رہتے تھے جیسا کہ ان کے افعال سے۔

جب تعلیم کی طرف بے حد توجہ ہوتی ہے تو استاد اپنے احکام نافذ کرتا ہے اور اپنے آپ کو ایک آقا خیال کرنے لگتا ہے لیکن دراصل حقیقی آقا تو بچہ ہی ہوتا ہے جس کام پر آپ اسے لگاتے ہیں اسی کے ذریعہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل آپ ہی سے کرا لیتا ہے، اور ہمیشہ گھنٹہ بھر کی محنت کے عوض آپ سے ہفتہ بھر آرام حاصل کر لیتا ہے، آپ کو اس سے ہمیشہ سودا کرنا ضروری ہوتا ہے، یہی قول دقرا جنہیں تجویز تو آپ اپنے لئے کرتے ہیں لیکن تکمیل ان بچوں ہی کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے، ہمیشہ بچے کے ذاتی قصور ہی کی تائید میں ہوتے ہیں، بالخصوص جبکہ اپنی حماقت سے آپ کوئی ایسی شرط قائم کر دیتے ہیں کہ جس کے ذریعہ بچہ چاہے اپنے ذاتی شرائط پورے کرے یا نہ کرے لیکن کوئی فائدہ حاصل کرنے کا یقین کامل رکھتا جس تیزی سے ایک بچہ عموماً اپنے استاد کے خیالات بھانپ لیتا ہے، استاد اس تیزی سے اس کے خیالات معلوم نہیں کر سکتا پس اسی وجہ سے جیسا کہ بچہ جسے اگر اسی کے حال پر چھوڑ دیا جائے اپنی سارا عقل کو حفاظت خود اختیاری میں صرف کرتا ہے، یہ بچہ اس عقل کو ایک ظالم کے چنگل سے اپنی پسند آزادی حاصل کرنے کی فکر میں صرف کرتا ہے، ادا دھرتا د بھی جسے بچے کی باتوں کو سمجھنے کی ایسی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے بسا اوقات اپنا فائدہ اسی میں دیکھتا ہے کہ بچے کو فریب اور شنی خوری ہی میر پڑا رہنے دے۔

آپ اپنے شاگرد کے ساتھ بالکل مخالفت برتناؤ رکھیں، یعنی ہمیشہ اسے خود اپنے ہی کو استاد تصور

کرنے دیں در اں حالے حقیقی اسناد آپ ہی رہیں جس اطاعت میں آزادی کی شکلیں محفوظ رہیں اس زیادہ مکمل کوئی تسخیر نہیں ہوتی، وہ یہی طریقہ ہے جس کے ذریعہ خود بول بھی سخر کر لیا جاسکتا ہے، کیا یہ بیچارہ بے علم، بے طاقت اور بے عقل بچہ بالکل آپ ہی کے دم و کرم پر نہیں ہوتا ہے؟ کیا آپ بچے کے سامنے ماحول کے جس حد تک وہ اسے متاثر کرتا ہے غدار کل نہیں ہوتے ہیں؟ کیا آپ جو چاہیں اسے مہی نہیں بنا سکتے ہیں؟ اس کا کام۔ اس کا کھیل اس کا آرام اور اس کی تکلیف یہ سب سب بچے کی کلائی میں کیا آپ ہی کے قابو اور قبضہ میں نہیں ہوتے ہیں؟ بلا شک و شبہ اسے وہی کام کرنا چاہئے جو وہ کرنا چاہتا ہو، لیکن بجز اس کام کو کرنے کی خواہش کے جو آپ اس سے کرنا چاہتے ہیں اس میں دوسری خواہش پیدا ہی نہ ہونی چاہئے اسے ایک قدم بھی ایسا نہ اٹھانا چاہئے جسے آپ پہلے ہی سے نہ جانتے ہوں اور ایک حرف بھی زبان پر ایسا نہ لانا چاہئے جس کی پیش گوئی آپ نہ کر سکتے ہوں۔ پھر اس کے ہمدھن کو متاثر کئے بغیر ملحاظ عمر و جہانی و زرشوں میں خود کو مشغول رکھ سکے، لہذا آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ غیر پسندیدہ پابندیوں سے بچنے کے لئے اور بہانے سوچنے کی بجائے وہ اپنی دقیقہ بھلائی کے لحاظ سے اپنی مارتی فضا سے انتہائی آلودہ اٹھانے میں مشغول رہے گا اور قابل حصول اشیاء کو حاصل کرنے اور دوسروں کے خیالات کی امداد کے بغیر ان اشیاء سے حقیقی فائدہ اٹھانے کے لئے جو ذرائع وہ اختیار کرے گا ان کی نزاکت کو سمجھ کر آپ حیرت زدہ رہ جائیں گے، آپ بچے کو اس کی ذاتی خواہشات کا فضا تو بناتے ہیں لیکن آپ اس کے توہمات میں اضافہ نہیں ہونے دیتے پس جب کہ وہ محض اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے گا تو عنقریب وہ وہی عمل کرے گا جو اس کو کرنا چاہئے، اور گو اس کا جسم برابر حرکت کرتا رہتا ہے لیکن جہاں تک بچے کی معقول اور وقتی دلچسپیوں کا تعلق ہے آپ اس کو سب استطاعت عقل کے ہر شعبے میں کہیں زیادہ ایسے طریقہ پر ترقی کرتا پالیں گے جو بچے کے لئے ذوالفہم غلطی ملائعوں کی نسبت کہیں زیادہ موزوں اور سزاوار ہوتا ہے۔

پس جبکہ وہ آپ کو ہر معاملہ میں اپنا مزاحم نہیں پاتا تو وہ آپ سے ملنے ہو جاتا ہے اور آپ کوئی راز نہیں رکھتا، نہ کبھی آپ سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ کبھی آپ کو دھوکہ دیتا ہے، بلکہ بے درک

اپنی اصلیت آپ پر عیاں کر دیتا ہے، اب آپ اس کی ذہنیت کا فرصت سے مطالعہ فرما سکتے ہیں اور جیسی بھی تعلیم اس کو دینا چاہیں غیر مضر و مضر ہر طریق پر آپ اس تعلیم کی ایسی فضا پیدا کر سکتے ہیں کہ بچے کو اس کا شبہ بھی نہ رہے۔

علاوہ ازیں آپ کے افعال و اعمال کو بھی وہ تجسس اور رقابت کی نظر سے نہ دیکھے گا اور نہ آپ کی غلطی پکڑنے میں کوئی مخفی لطف اٹھائے گا کیوں کہ اس سے محفوظ رکھنا بہت ہی بڑی بات ہے جیسا میں پہلے بیان کر چکا ہوں، ابتداءً بچہ کی ایک یہ بھی نیت رہتی ہے کہ اپنے استاد کی کمزوری معلوم کرے اور گو اس ذہنیت سے عمارت بن سکتی ہے لیکن دراصل یہ عمارت سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو غیر پسندیدہ پابندیوں سے بچنے کی خواہش کے تحت پیدا ہوتی ہے، ان پابندیوں کے بوجھ سے عاجز آکر جو اس پر عائد کی جاتی ہیں بچہ نجات حاصل کرنے کی سعی میں لگا رہتا ہے پس اس کو استاد کی غلطیاں پکڑنے میں جھڑکاواہ حاصل کرنے کا بہترین موقع حاصل ہو جاتا ہے لیکن خفاؤں یا کمزوریوں کی جستجو اودان سے خوش ہونے کی عادت بھی لوگوں کے ذریعہ ہی سے پیدا ہو جاتی ہے، یقین طور پر ہم نے اسمبیل کے دل میں بدی کا ایک اور پتہ بند کر دیا ہے، میری کمزوریوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکنے کی وجہ سے وہ ان کی جستجوئیں نہ رہے گا اور نہ اس کو دوسرے لوگوں کی کمزوریاں معلوم کرنے کی ترغیب ہوگی۔

تعلیمی دنیا پر ایک نظر

تعلیم مزید

ایڈن براؤن فرسٹی مارلس (CONTINUATION SCHOOLS) کے لئے جو نمائندہ اور دستور العمل شائع ہوا ہے، اس میں تعلیم مزید کا اچھا خاکہ منہاں کیا گیا ہے۔ ایڈن براؤن اپنی اس تعلیم کے لئے پہلے سے بھی مشہور ہے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مسلسل طریق تدریس جسے ہم نے ایک بے بدلتا سے نام تعلیم مزید سے موسوم کیا ہے، فی الواقع زمانہ ماہر مدرسہ کو دو واضح اور مختلف النوع اداروں میں تقسیم کرتا ہے، ایک تو عنقریب ان شباب کا زمانہ ۱۲ سال کی عمر تک، اور دوسرا دو برسوں بعد ۱۴ سال سے ۱۷ سال یا اس سے زیادہ عمر تک دونوں زمانوں کے لئے تعلیم کی نوعیت اور اس کے طریق تدریس میں عظیم اختلاف ہوتا ہے، اور حق یہ ہے کہ ان دونوں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینا چاہئے۔ ایڈن براؤن کی تعلیم مزید (FURTHER EDUCATION) نے انچی رپورٹ میں زیادہ تر ان دونوں اداروں کی ابتدائی ضروریات سے بحث کی ہے اور جو نمایاں ترقی اس سلسلے میں ہوئی ہے، اسے اس رپورٹ میں منظر عام پر لایا گیا ہے، اس ترقی کی سبک بڑی وسیع ہے۔

(EMPLOYERS) کا روشن نظریہ ہے، تجارتی کورس میں لے کر تیار و روز بروز ترقی جاتی ہے، اس کے علاوہ دوسرے نئے مضامین کی مانگ بھی بڑھ رہی ہے، طلبہ مختلف تجارتی اور پیشہ ورانہ امتحان میں شریک ہوتے ہیں اور شریک شامصل کرتے ہیں، اس ترقی اور طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد سے کچھ مشکلات بھی پیدا ہو جاتی ہیں است اور ساز و سامان کی کمی بالخصوص صبر آزما ثابت ہوتی ہے، ایڈن براؤن موجودہ طریق تعلیم کی کامیابی کی وجہ اعلیٰ تعلیم اور تعلیمی کمیٹی کی اہمیت کو کشمکش استعمال و مصلحت سے اس انتظام اور جذبہ کار ہے، مزید بلان اس یقینی دنی ترقی میں صنعتی اداروں کے مالکوں اور کمیٹی کے اراکین کی گہری وابستگی اور تعلق کو بھی دخل ہے، ایڈن براؤن

موبائی کمیٹی نے تربیت اساتذہ کے لئے جس قدر تعاون کیا ہے اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔
 در یونٹہ ایپلائٹ سروس (YOUTH EMPLOYMENT SERVICE) کا اہتمام بھی بہت زیادہ اہم اور
 مانگیز تھا تعلیم کے اختتام پر ترقی و نشوونما کا انٹر ویو (مضامینہ ملاقات) ہوتا ہے، اور ۳۱ جنوری ۱۹۸۲ء کو ۱۷۹
 لاکھوں سے ۱۵۵۸ لاکھوں اور ۱۷۹۹ لاکھوں میں سے ۲۸۶ لاکھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، ان میں سے
 نمبر دیوہوا، اسی تعداد اور اس اونچی نسبت سے اس اسکیم کی کامیابی: در اس کی خوبیاں واضح ہو جاتی ہیں۔
 چھٹے سال ۶۲۲ روزگار تلاش کرنے والے لڑکے اور لڑکیوں میں سے ۲۹۵ کو فی الغیر ملازمتیں مل
 لیں، پوری رپورٹ صرف اساتذہ کے ہی نہیں، دوسرے شہریوں کے لئے بھی مفید ہے۔

اساتذہ کا تحفہ

کرکینیز (KIRKENES) ناروے کے انتہائی شمال میں ایک چھوٹا سا شہر ہے جو جنوبی ناروے کے
 اساتذہ نے اس شہر میں ایک عمدہ کتب خانہ تعمیر کیا ہے، اس کتب خانے کی تعمیر ۱۹۵۰ء میں شروع ہوئی
 اس اور یہ ان اساتذہ کا تحفہ ہے جنہیں دوران جنگ میں جرمنوں نے اس شہر میں مقید کر کے جبری محنت
 کے لئے مجبور کیا تھا یہ ۶۳۶ اساتذہ المافی شدت پسندی اور خوراک کی کمی کو برداشت کرتے رہے اور
 ان میں سے بیشتر ان سخت گیر یوں کے باوجود زندہ و سلامت رہے، اس کی سبب بڑی وجہ یہ ہے کہ کرکینیز کے باشندوں
 نے انہیں خوراک بھی ہمہ پہنچائی اور ان کی بہرہ منی اور دلچسپی کی اس دس ہزار کتابوں پر مشتمل کتب خانے کے علاوہ انہوں
 نے ناروے کے شمالی صوبے فن مارک کے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے ۵۰۰۰ پونڈ کا وظیفہ فنڈ بھی قائم کیا۔

اساتذہ کی علم دوستی اور اشاعت علم کی یہ ایک زندہ مثال ہے۔ کیا ہمارے ملک میں بھی اساتذہ کا ایک گروہ
 پیدا ہو سکے صاحبزادے کا نصیب تعین ترویج و اشاعت علم ہو؟

ویلز میں مدارس کی تعمیر

اچھت تان کی وزارت معارف کے حلقہ ویلز کے مستقل سکریٹری سر بن بوین ٹامس نے پرنڈلٹ
 سکندری ماڈل اسکول، میور فورڈ ویسٹ کا افتتاح کیا، اس عمارت کا نقشہ اسی کاؤنٹی کے رہندوں نے
 تیار کیا ہے اس کی تعمیر میں ۲۵۰۰ پونڈ لاگت آئی ہے، اس میں میور فورڈ ویسٹ اور پیم بودک شار
 کے نوجوان علاقوں کے ۱۰۰ سے زیادہ بچوں کے لئے تعلیم حاصل کرنے کی گنجائش ہے، یہ اسکول پیم بودک

میں مختلف النوع اکثر الفروع، اور مستقل ثانوی تعلیم کے قیام و اہتمام کے پروگرام کا ایک جزو ہے۔ یہ ادارہ اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ اپنی روایاتی، اقداری بھی باقی رہ سکیں اور پورے علاقے کی صحیح خدمت بھی ہو سکے۔ سر بن بوین ٹامس (SIR BEN BOWENTHOMAS) نے مقامی تعلیمی حکومت کے اس اقدام کی تعریف کی ہے کہ اس نے ہیور فورڈ ویسٹ گریمر اسکول کے اہتمام و انتظام کا فیصلہ کر لیا، انہوں نے ہیور فورڈ ویسٹ کے نئے ثانوی گریمر ٹیکنیکی اسکول کا سنگ بنیاد بھی رکھا، یہ اسکول ایم بوک ڈاک اسکول کا بدل ہو گا، اس اسکول میں سائنس اور زراعت کی تعلیم کا بندوبست ہو گا، اس ادارہ میں ایم بوک ٹائر کے سینئر طلبہ اور ایم بوک ڈاک اسکول کے طلبہ کے لئے تعلیمی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

ہیور فورڈ ویسٹ میں تقریر کرتے ہوئے، سر بن ٹامس نے کہا۔ ”وزارت معارف کی کوشش ہے کہ وہ ملک میں اچھی سے اچھی تعلیم کا ہیں قائم کرے، کیوں کہ ان اداروں کے قیام میں جو سرمایہ لگایا جائے گا وہ ملک کی آئندہ بہبود کے لئے مفید ثابت ہو گا۔ مگر اس رفتار ترقی کا انحصار وسائل و ذرائع اور سامان غارت کی فراہمی پر ہے، ویلو کو موجودہ وسائل و ذرائع میں سے قابل قدر حصہ مل رہا ہے اور نئے نئے ابتدائی، ثانوی اور ٹیکنیکی، وارس کھولے جا رہے ہیں، تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ اسکولوں کی تعداد بھی بڑھتی رہے، لیکن وزارت کو تعمیرات کی رفتار ترقی سے بھی بہت کچھ واسطہ ہے، جنگ کے بعد ویلو میں ... ۵۴ نئے اسکولوں کے منصوبوں کا سامان فراہم کیا گیا، ان میں سے اب تک صرف ... ۱۸ اسکول تیار ہو سکے ہیں، حالانکہ سالانہ سے ان کی تعمیر میں نہایت تیزی سے کام لیا جا رہا ہے، لیکن پھر بھی یہ رفتار مجوزہ اعداد و شمار کو پورا نہیں کر سکی، مدرسوں کی وہ عمارتیں جو ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء میں شروع کی گئی ہیں، ان میں سے ۴۰۰۰، اور ۸۰۰۰ اسکول کی عمارتیں اب تک غیر مکمل ہیں، اور وزارت کی تجویز کے مطابق تیزی سے مکمل نہیں ہو رہی ہیں، مقامی تعلیمی حکومت کو چاہئے کہ وہ اپنی عمارتوں کی تعمیر میں زیادہ محنت سے کام لیں، یہی ایک صورت ہے کہ وہ وقت کی بڑھتی ہوئی تعلیمی ضروریات کا تقاضا دے سکتے ہیں۔

یونیورسٹی محاصل

انگلستان کی یونیورسٹی گرینڈ کیٹی نے جو رپورٹ شائع کی ہے، اس میں اسکاٹ لینڈ، انگلستان

اور یونیورسٹیوں کا دل چپ موازنہ موجود ہے، اسکاٹ لینڈ میں ہمہ وقتی جامعی طلبہ کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے اور انگلستان میں یہی تعداد برابر رہ رہی ہے، اور اگر دونوں ملکوں کی آبادی کا مقابلہ کیا جائے تو آج بھی اسکاٹ لینڈ میں طلبہ کی تعداد انگلستان کی نسبت زیادہ ہے، تعلیمی سال ۱۹۵۱-۵۲ میں ہمہ وقتی طلبہ کی تعداد ۸۵۳۱۲ تھی جن میں سے ۱۰۰۰۰ طلبہ اسکاٹ لینڈ کی یونیورسٹیوں کے ہیں آبادی کے لحاظ سے یہ تناسب بہت زیادہ ہے، ان میں سے ۲۰۰۰ لڑکے ہیں اور ۳۹۹۱ لڑکیاں۔ پچھلے سال کی نسبت اس سال ۷۹۹ لڑکوں اور ۸۲۲ لڑکیوں کی کمی ہو گئی ہے، اسکاٹ لینڈ کی مختلف یونیورسٹیوں کے کالجز (FACULTIES) کے اعداد و شمار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۳۹۶۵ فی صدی طلبہ آرٹس میں ۲۵۶۴ طب میں ۸۱۷۸ آئکنوجی میں، ۲۴۷۲ مجرد (PURE) سائنس میں، باقی ماندہ زراعت و طبیاری میں مادی اعتبار سے منقسم ہوتے ہیں مجرد و خطوط سائنس (PURE AND APPLIED SCIENCE) کی طرف طلبہ کی توجہ بہت زیادہ ہو رہی ہے، اور اگر رفتار ہی رہی تو کچھ دنوں میں طلبہ کی کثیر تعداد اس کالج میں جمع ہو جائے گی، آرٹس کے مضامین میں طلبہ کی مستقل کمی سے ابتدائی مدارس کے لئے اساتذہ کی کمی کا احتمال ہے، اور سائنس میں پڑھتی ہوئی تعداد اس کی کمی کو پورا نہیں کر سکے گی، جن کے پاس سائنس کی ڈگریاں ہوتی ہیں وہ بچوں کو ابتدائی مدارس میں پڑھانے کے لئے موزوں ... نہیں ہوتے، ثانوی مدارس میں اساتذہ کے تقرر کے سلسلے میں یہ بات دل چسپی سے غالی نہیں ہے کہ اسکاٹ لینڈ میں ۱۰۴۹ ازڈ ڈگریاں حاصل کی گئی ہیں اور ۲۳۲۳ معمولی ڈگریاں، لیکن ان میں سے بیشتر ماہرین مضامین دوسرے پیشے اختیار کر لیتے ہیں، ریاضی اور سائنس کے بہت کم گریجویٹ ہیں؟ پڑھانا پسند کرتے ہیں، ثانوی مدارس میں حالات اس قدر نازک ہو رہے ہیں کہ آگے چل کر یونیورسٹی کو خود تعلیم یافتہ طلبہ کی کمی محسوس ہوگی جو ان کے مختلف شعبوں میں تحقیقی کام کرنے کے لئے آسکیں۔ اسکاٹش یونیورسٹیوں میں اسٹاف کی حالت بہت ہی بہتر ہے، بوظاہر غلطی کے جامعی اساتذہ کی کل تعداد ۸۶۰۳ جن میں سے ۱۵۷۰ اسکاٹ لینڈ میں ہیں، طلبہ اور اساتذہ کی نسبت ۱: ۱۰ ہے۔

سرکاری جریدہ کے اعلانات

- ۳۸۹۷/۲ زید/۱۴ دسمبر ۱۹۱۵
چودھری عبدالستار بی اے پی ای، ایس (دوم) ڈی آئی، ایس ننگری، میاں رسول بخش، پی ای، ایس دوم ریٹائرڈ کی جگہ سلفہ ملتان کے ڈپٹی انسپکٹ آف اسکولز مقرر ہوئے۔ (بشاہرہ خود۔)
- م فدا حسین بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ پی۔ ای۔ ایس (دوم) ڈی آئی۔ ایس شیخ پورہ۔ ڈی۔ آئی۔ ایس ننگری چودھری عبدالستار کی جگہ تبدیل ہو گئے ہیں۔ (بشاہرہ خود۔)
- م ایم آئی ربانی ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ پی۔ ای۔ ایس دوم ڈی آئی۔ ایس گوجرانوالہ۔ ڈی۔ آئی۔ ایس شیخ پورہ، م فدا حسین کی جگہ تبدیل ہو گئے (بشاہرہ خود۔)
- م مشتاق احمد خان بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ پی۔ ای۔ ایس (دوم) ڈی آئی۔ ایس گوجرانوالہ (رخصت پر) ڈی۔ آئی۔ ایس گوجرانوالہ اپنی رخصت کے اختتام پر۔ (بشاہرہ خود۔)
- ۳۷۹۴/۲ زید/۱۴ دسمبر ۱۹۱۵
م آئی ایم علی اکبر ایم۔ اے۔ ایس۔ اے۔ ڈی۔ آر۔ ۲۵۰ — ۳۵۵) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول حسن ایدل (المک) م تنذیر احمد قریشی پی ای، ایس (دوم) کی جگہ ڈی آئی۔ ایس مظفر گڑھ مقرر ہوئے۔ خواجہ محمد عبداللہ بی اے۔ ایس۔ اے۔ ڈی۔ ۲۵۰ — ۳۵۵) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ نارمل اسکول تاروال ملک عبد المجید ایم اے پی ای، ایس کی جگہ ڈی آئی۔ ایس کیسل پور مقرر ہوئے (بشاہرہ خود)
- م تنذیر احمد طور (۲۵۰ — ۳۵۵) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بھالیہ (گجرات) ایک غالی آسانی اسٹنٹ انسپکٹ آف اسکولز راولپنڈی مقرر ہوئے (بشاہرہ خود)
- ۳۸۴۴/۲ زید/۱۴ دسمبر ۱۹۱۵
ایس محمد یعقوب جعفری ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ایکڈمک ڈپ ان ایڈ (لندن) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول قصور خواجہ محمد عبداللہ بی اے کی جگہ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ نارمل اسکول تاروال (ریال کوٹ) مقرر ہوئے۔ م محمد صدیق ایم اے بی۔ ٹی۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ظفر وال۔ ایس یعقوب جعفری کی جگہ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول قصور مقرر ہوئے (بشاہرہ خود)
- ایس بہادر علی شاہ بی۔ اے۔ ایس۔ اے۔ ڈی۔ ۲۵۰ — ۳۵۵) سیکنڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ساہیوال م محمد صدیق کی جگہ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ظفر وال۔
- م امام بخش خاں بی اے ایس اے ڈی (۲۵۰ — ۳۵۵) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول تھکنا ایک نئی آسانی پر ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول، جم پور (مظفر گڑھ)
- چودھری غلام رسول بی اے ایس اے ڈی (۲۵۰ — ۳۵۵) ڈی آئی۔ ایس ننگری م امام بخش

زید ۳۵۰۹۶/۱ محمد شہید خان اسٹینوگرافر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور بشاہرو ۱۲۰ - ۸ - ۲۵۰ -
۱۵ نومبر ۱۹۵۰ء ۳۵۰ عارضی منتقلی (۱ نومبر ۱۹۵۰ء) اسٹینوگرافر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور (دو سال آ:
بشاہرو خود - ۱۸ دسمبر ۱۹۵۰ء سے ام - فتح محمد کی جگہ جو دفتر ڈی پی - آئی پنجاب میں اسٹ:
کے عہدے پر منتقل ہوئے ام - محمد شہید خان سے ۱ نومبر ۱۹۵۲ء سے اپنے عہدے پر منتقل ہوئے -
ام - محمد شہید خان کا عارضی منتقلی کا زمانہ آزمائشی رہا ہے جس میں شمار کیا جائے گا)



پنجاب ایجوکیشنل جرنل

اور

آموزش (اردو)

- ۱۔ پاکستان بھر میں یہ دوہی تعلیمی رسالے ہیں۔ جنکو سرکاری سرپرستی اور امداد حاصل ہے۔
- ۲۔ پاکستان بھر میں یہی دو تعلیمی رسالے ہیں۔ جو مرکزی اور صوبائی درسگاہوں اور تعلیمی حلقوں میں مقبول ہیں۔
- ۳۔ ان رسالوں کے متعلق ادارتی خطوط اور چھپنے والے مضامین ایڈیٹر (پرنسپل) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کو بھیجے جائیں۔ ان رسالوں میں چھپے ہوئے مضامین کیلئے معاوضہ دیا جاتا ہے۔
- ۴۔ یہ رسالے ہر مہینے کے دوسرے ہفتہ میں چھپتے ہیں اور ان کا چندہ آٹھ روپیہ (انگریزی) اور چھ روپیہ (اردو) ہے۔ جو کہ منیجر کو بھیجنا چاہئے۔
- ۵۔ ان رسالوں میں اشتہار دینے سے آپکی اشیاء مقبول ہونگی۔ تجارتی معاملات کیلئے خط و کتابت منیجر سے کریں۔

پنجاب ایجوکیشنل جرنل
آموزش

منیجر

۲ کچہری روڈ۔ لاہور (پاکستان)



امروز

[نمبر ۱۱]

لاہور

[فروری ۱۹۵۳ء]

اس شمارہ میں

اداریہ	:	ادارہ
درسی کتب کا مسئلہ	:	فضل احمد
عراق میں لازمی تعلیم	:	محمد عبدالعزیز
گزارش احوال واقعی	:	منظور احسن عباسی
ہمارے مدارس میں مسلم ہندسہ کی تدریس	:	مظفر الدین
ایٹیل یا روسو کی تعلیم (سلسلہ ۱۸)	:	توفیر مرزا رزق
سرکاری جریدہ کے اعلانات		

عبدالغفور چودھری
ایم۔ اے۔ عزیز
معاونین :

: بشیر ہاشمی

تعلیمی ماہ نامہ

آموزش

فروری ۱۹۵۳ء سالانہ چہندہ

جلد ۵ پاکستان کے لئے ۴ روپے
شمارہ ۱۱ غیر مالک کے لئے ۸ روپے

قیمت فی پرچہ دس آنے

پبلشرز

یونیورسٹی بک انڈسٹری لاہور

ایک ڈی خالد پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں طبع کرا کے یونیورسٹی بک ایجینسی ہیکٹر روڈ لاہور

تعلیمی مذاکرہ

۲۹ جنوری ۱۹۵۳ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور، یو۔ ایس۔ ایجوکیشن فاؤنڈیشن اور محکمہ تعلیم پنجاب کے زیر اہتمام سنٹرل ٹریننگ کالج میں سہ روزہ تعلیمی مذاکرہ شروع ہوا، موجودہ دور میں ایسے تعلیمی اجتماعات کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور پاکستان میں اس کی افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، نظام تعلیم کی بیرونی و اندرونی طرفوں میں نیا پیش اور ولولہ پیدا کرنے کے لئے اور تعلیم کو زندگی سے قریب تر لانے کے لئے ایسے ایسی مذاکرے مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں اور قوموں کے درمیان باہمی ربط اور تبادلہ خیالات کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔

اس تعلیمی مذاکرے کا افتتاح عورت مآب سردار عبدالحیہ مستی وزیر تعلیم پنجاب نے کیا، اپنی افتتاحی تقریر میں آپ نے فرمایا: ”معاشرے کے صنعتی، اقتصادی اور تجارتی فروغ نے انسان کی اخلاقی اقدار کو بالکل کچل ڈالا ہے آج ہم کا سب سے اہم مقصد ایک ذہنی و روحانی اور اخلاقی انقلاب لانا ہے، اگر تعلیم عام انسانی زندگی کے لئے مفید ثابت ہوئی تو اس کی یہ ظاہری چمک دمک، ترقی پسندی کی شاہراہوں کو جگمگا نہیں سکے گی، اس وقت ہمارا سب سے اہم مقصد انہیں متفاد اور قننازع غلط بات کو ہم آہنگ اور مربوط بنانا ہے، اس یکسانی اور مطابقت کے لئے اکل ان تعلیمی مذاکرات اور مباحثوں کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔“

وزیر تعلیم نے ابتدائی تعلیم کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: ”اگرچہ اس وقت تک ابتدائی تعلیم کو فروغ دینے کی ہم نہیں ہو سکی اور نہ ہمیں اس سلسلے میں کوئی خاص کامیابی حاصل ہوئی، مگر ہمیں امید ضرور ہے کہ آگے چل کر

ہم اپنی ان مشکلات پر بھی قابو پالیں گے، اس ملک میں تعلیم کو قومی استحکام اور قومی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں ایک نمایاں حصہ لینا ہے، تعلیم ہی لوگوں کو متقدم، مہذب اور فرض شناس بنا سکتی ہے، اور اس کا انحصار ان تین عوامل پر ہوگا۔ اخلاقی تعلیم جو انسان کے ذہنی اور اخلاقی افق کو وسیع کر سکے، دافر اور آداد خیال تعلیم جو اس کی شخصیت کو متنوع بنا سکے، اور ایسی تعلیم جو اچھے راہ نمائینے کے لئے تکنیکی مہارت پیدا کر سکے..... اگر بچوں کو اچھے مدرسین کے سپرد کر دیا جائے تو اس سے اچھے نتیجے کی توقع کی جاسکتی ہے، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب والدین بھی تعلیمی اداروں کے دوش بدوش بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیت کی تشکیل میں نمایاں حصہ لیں۔

اپنی تعارفی تقریر میں جناب ایس۔ ایم۔ شریف صاحب ناظم تعلیمات پنجاب نے فرمایا مجھے بین الاقوامی تعلیمی ارتباط اور تعاون پر بہت بھروسہ ہے اور یہی تعاون کار قوموں کی زندگی میں امن و آشتی اور ان کی عام فلاح کا علم بردار ہوگا، مجھے امید ہے کہ جو امریکی اساتذہ ہماری تعلیم گاہوں میں کام کر رہے ہیں۔ اپنے اس مختصر سے قیام کو کبھی نہیں بھولیں گے، اور یہاں سے رخصت ہونے کے بعد ہمارے خیر مگالی کے سفیر کی حیثیت سے کام کرتے رہیں گے، امریکہ اور پاکستان کے اس ثقافتی معاہدے کے نتائج نہایت خوش گوارہوں گے، آج پاکستان کو ہر شعبہ حیات میں چابک دست ماہروں کی ضرورت ہے، معدنی وسائل کو کام میں لانے کے لئے میکانیکی زراعت کو فروغ دینے کے لئے پل اور نہریں بنانے کے لئے، اور یہ کچھ ایسا آسان کام نہیں ہے، اس کے علاوہ تعلیم گاہوں اور سائنس کے تحقیقاتی اداروں میں بھی ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو فوجیوں کو تربیت دے کر صبر آزمائیاں میں بھی کام کرنے کا اہل بنا سکیں۔

پروفیسر بشیر ہاشمی صاحب پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ابتدائی اور ثانوی مدارس کے نصاب کو مرتب کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ماہرین کی ایک عجاوب ترتیب دی جائے جو اس کام میں مسلسل مشغول رہے۔ بچوں کی نفسیات اور تعلیمی طریقوں کو بہتر بنانے کے لئے ایسے مراکز موجود نہیں ہیں، جہاں تعلیمی تحقیقات کا کام جاری کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں آپ نے اس کام کا تذکرہ بھی کیا جو سنٹرل ٹریننگ کالج اس سلسلے میں کر رہا ہے، آپ نے سنٹرل ٹریننگ کالج کو ایک ستر سالہ پڑھنے سے نہیں

بچے سے تشبیہ دی۔

آپ نے فرمایا کہ پانی روایات کے لحاظ سے یہ کالج برصغیر کا دوسرا قدیم ادارہ ہے لیکن یہ ادارہ تعلیمی ترقی کے میدان میں ایسی خدمات انجام نہیں دے سکا جو اس کے ثانیان شان ہوتیں، اگرچہ حالات زیادہ سازگار نہیں تھے لیکن اس کے باوجود ہم بارہ کے قریب کتابیں شائع کر چکے ہیں جن کی مجموعی ضخامت ۵ ہزار صفحات کے قریب ہوتی ہے، یہ کتابیں اپنے موضوع پر مستند کارنامے ہیں، آپ نے جناب وزیر تعلیم اور ناظم تعلیمات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمدی دلی خواہش ہے کہ اس کام کے لئے جو میرے شرکائے کار کر رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ سہولتیں دی جائیں، سنٹرل ٹریننگ کالج اور محکمہ تعلیم پنجاب قوم کی تعلیمی تعمیر میں بڑا حصہ لے سکتے ہیں۔“

اس کے بعد ڈاکٹر گولڈ (DR. GOULD) پروفیسر تعلیمات سیرکیو بیونی دسٹی (امریکہ) نے بھی ہماروں کا شکریہ ادا کیا، آپ کی رائے کے مطابق دودھ جدید میں تہذیب و انتشار دونوں میں تنگ و دو جاری ہے۔ اس لئے دنیا کی ساری تعلیمی قوتوں کو احترام آدمیت کا احساس دلانے کے لئے معرودہ سکاد ہو جانا چاہئے۔“

اسی دن سہ پہر کی نشست میں حسب ذیل موضوع پر تعلیمی مباحثہ (SYMPOSIUM) ہوا۔
تعلیم کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا۔“

پہلے موضوع کے سلسلے میں پروفیسر بشیر ہاشمی، پروفیسر بھگیش (فل براٹ اسکیم لکچرر) اور تعلیم و تعلم سے دل چسپی رکھنے والے دوسرے حضرات نے جہت لیا، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب اسپیکر مجلس قانون ساز پنجاب نے صدارت کے فرائض انجام دیئے، پروفیسر ہاشمی نے پنجاب کی تعلیمی ضروریات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اس وقت ہمدی مسیح اہم ضرورت پنجاب میں تعلیم کو فروغ دینا ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہمیں مزید مدرسوں، عمارتوں کتابوں اور دوسرے تعلیمی لوازمات کی ضرورت ہوگی، اگر ابتدائی مدارس میں اکول جانے والے لڑکوں کی پوری تعداد داخل ہو جائے تو ہم ۲ روپیہ فی کس اخراجات کے لحاظ سے سالانہ اخراجات کا تخمینہ ۳۲۰ روپے اہام ۵۵ روپے ہوگا۔ اور اس وقت صرف ۲۰۹ روپے ۸ روپے خرچ کئے

تے ہیں، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ۲۰ روپے فی کس تعلیمی سس (CESS) لگایا جائے۔

پروفیسر انگلش نے اپنی تقریر میں بچوں کی شخصیت اور ان کے کردار کی تعمیر و تشکیل پر زور دیا۔

ان دونوں حضرات کی تقریر کے بعد اعتراضات اور جوابی تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں حاضرین بابت دل چسپی، اس کے بعد ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے فرمایا کہ تعلیمی سس فی کس لگانا آموزوں نہیں ہوگا بلکہ مال گزاری اور ٹیکس کے پیش نظر فی روپیہ کچھ ٹیکس لگایا جائے، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اب تک انگریز کے قائم کردہ نظام میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکے، برطانوی عہد میں ہمارے نظام تعلیم نے انتہائی حکومت کو چلانے کے لئے کل پرزے پیدا کئے، لیکن آج ہمارے لئے تعلیم کا مقصد کچھ اور ہے، یوں تو تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی آوازیں ہر طرف سے اٹھ رہی ہیں، اگر اب تک کوئی ایسی تجویز مرتب نہیں کی گئی جو ملک کے موجودہ تقاضوں کو پورا کر سکتی ہو۔

دوسرے دن — ۳۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو دو اجتماعات (FORUMS) میں حسب ذیل موضوعات

پر مباحثے ہوئے۔

”تعلیم میں عوام اور حکومت کا حلقہ“

”تعلیم میں گھر اور سماج کا پارٹ“

ان دونوں موضوعات پر تقریریں اور مباحثے ہوئے، ڈاکٹر ایونگ (DR. EWING) پرنسپل، ایف، سی۔

کالج، لاہور نے اپنی تقریر میں کہا: اس وقت ہمارے سامنے دو مختلف نظام تعلیم کے نمونے موجود ہیں، جرمنی میں

تعلیم کی براہ راست ذمہ دار حکومت ہوتی ہے اور اس کے برعکس انگلستان اور امریکہ میں حکومت کے دوش بدوش

عوامی ادارے بھی تعلیم کی اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں، ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس ملک کے لئے اور فلاح

کے لئے کون سا نظام مناسب اور قابل عمل ہے۔

۳۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو موضوع بحث تھا — ”تعلیم کون دے اور کون لے“ (EDUCATION BY WHOM AND FOR WHOM) ڈاکٹر آر تھر ڈ کرسٹ (DR. ARTHUR TERKEURST) سٹریٹل مسوری

ایسٹ کالج (امریکہ) کے شعبہ تعلیم کے صدر نے جہد ری تعلیم کو عہد جدید کے لئے اہم اور ضروری قرار دیا، ان کے

نیال میں کھپلی عالم گیر جنگ شروع ہونے سے پہلے جو طریق تعلیم جرمنی میں رائج تھا، اور جس میں نسلی تفاخر اور رنگ و نسب کے اعتبار کی تعلیم دی جاتی تھی، فی الواقع دنیاوی امن کے قیام کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکا، اس طریق تعلیم سے بچنا عام انسانی علاج کے لئے نہایت ضروری ہے۔

ڈاکٹر خدیجہ فیروز الدین نے موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہا: "اساتذہ کی موجودہ یتیم حالت کی زیادہ فوری پرانے حکم رانوں پر مائد کی جاسکتی ہے، ان کے سامنے تعلیم کا سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ اساتذہ میں ذہنی اور اخلاقی بیداری پیدا کر دینے پائے۔ کیوں کہ ان کی ذہنی اور اخلاقی بیداری پر ہی قوم کی بیداری کا انحصار ہے اور انہیں عوام کو بیدار کرنا مقصود نہیں تھا۔"

پروفیسر ہاشمی کی رائے میں "اگر حکومت کے دوسرے شعبوں میں تنخواہوں کے سکیل اور مدرسین کی تنخواہوں کے سکیل کا مقابلہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مدرسین کی تنخواہ اتنی کم نہیں ہے، انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو منطوع اور کم تر تصور کر لیا ہے اور جب تک وہ خود ہی اس جذبہ کہہ نری کو ختم نہیں کریں گے انہیں سماج میں کوئی اونچا مقام حاصل نہیں ہو سکے گا۔"

ان مباحث میں ملک کے سربراہان و رہنما، پروفیسروں، انکپٹروں اور میڈیٹالسٹروں نے حصہ لیا۔ سنٹرل ٹریننگ کالج میں کام کرنے والے فل براؤن لکچرر کے علاوہ ڈاکٹر سنگ لیٹری DR. SINGLE ATRI اور ڈاکٹر ڈکسٹ جیپے اس کی ماہرین بھی ان مباحثوں میں شریک ہوئے، ہم انشاء اللہ آئندہ نبروں میں ان تقریروں اور مقالوں کو شائع کرتے رہیں گے۔

درسی کتب کا مسئلہ

فضل احمد

درسی کتاب کو غل تدریس کا ایک کارگر ذریعہ شمار کیا جاتا ہے، اور اس کی بی حیثیت تادیخ کے ہر دور، قائم رہی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ درسی کتاب میں کوئی خاص جادو بھرا ہوتا ہے جو تمام مخالف اثرات کو مٹا کر طالب علم کے ذہن کو مطلوبہ سانچے میں ڈھال دیتا ہے، تعلیم میں دوسرے طاقتور عوامل بھی ہیں مثلاً استاد کی شخصیت، معاشری ماحول اور ماخذی مواد ان تینوں سے ہر ایک اس قدر طاقت رکھتا ہے کہ درسی کتاب کو بے اثر بنا دے، مثلاً اگر ایک استاد پختہ مذہبی عقائد کا مالک ہے تو درسی کتاب میں خواہ لامذہبیت کا پرچار کیا گیا ہو وہ اس کے مخالف دلائل کو بھی اپنے نقطہ نگاہ کی تائید کے لئے استعمال لے گا، اسی طرح اگر درسی کتاب جمہوریت کی روح سے لبریز ہے، مگر طالب علم گرد و پیش کی زندگی پر نظام کی مٹی پلید ہوتے دیکھتا ہے تو قدرتی طور پر اسے درسی کتاب کی تعلیمات سے نفرت ہونے لگے گی، لہذا اگر طلبہ اپنے طور پر کتب خانہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور یہ کتابیں ایسی ہیں جو درسی کتاب کے سے مکملاتی ہیں تو قدرتی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ درسی کتاب کی طرف سے باطن ہونے لگیں گے۔

بائیں ہمہ درسی کتاب کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، ایسے استاد بہت کم ہیں جو درسی کتاب کو بغیر بنادیں اور اسی طرح ایسے طلبہ بہت کم ہیں جو معاشری ماحول کا گہری نگاہ سے مطالعہ کریں، یا کتب پوری طرح فائدہ اٹھالیں، عام حالات میں درسی کتاب استاد اور طلبہ ہر دو کا راستہ ہے، اگر کوئی ہے مندرجات اور اس کا طریق بحث دونوں تعلیم پر بہت کچھ اثر انداز ہوتے ہیں، ایسی صورت میں دا

کو اس کے حال پر چھوڑ دینا کسی طرح جائز نہیں، اس کی تدبیر غاص احتیاط سے ہونی چاہئے، اور چونکہ انسانی علوم کوئی بالاشے نہیں اس لئے ہر ابھی سے ابھی درسی کتاب پود قاف قاف نظر ثانی بھی ہوتی رہنی چاہئے اگر اس دوسری احتیاط سے کام نہیں لیا جائے گا تو نتیجہ وہی ہو گا جو ہمارے درس نظامی کی کتابوں سے برآمد ہوا۔ ہمارے نام نہاد مسویوں میں آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو زمین کو ساکن اور مسجد کو گھومتا ہوا ماننے ہیں اور جنہیں مطلقیت نہیں کہ پٹالی کا نظریہ بدلتوں سے غلط ثابت ہو چکا ہے اور اسلامی تعلیمات کو نہ اس قدیم یونانی نظریئے کے ساتھ کچھ واسطہ ہے اور نہ جدید نظریئے کے ساتھ کوئی ٹکراؤ، لیکن چونکہ متقدمین میں سے بڑے بڑے عالم قدرتی طور پر قدیم نظریئے کے حامی تھے، اس لئے ان نام نہاد علماء کے نزدیک یہ نظریہ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے اور اس کے خلاف ایک لفظ منہ سے نکالنا گمراہی ہے، ایسا طرز عمل اختیار کرنا گویا جہالت اور خود فریبی کو دعوت دینا ہے اور اس کے نتائج بدترین قومی اذیاد کی صورت میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

درسی کتاب جس طرح جہالت اور خود فریبی کا شکار ہو سکتی ہے، اس کی بدترین مثال خود ہمدانی قومی زندگی میں موجود ہے، ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان اپنی درسی کتب کو تازہ ترین معلومات کا ذخیرہ بنانے کے لئے مشرق و مغرب کی حکمت کا ہر نکتہ ان میں شامل کرنے کے لئے بے قرار رہا کرتے تھے، یا ایک زمانہ آیا کہ قوم نے یہ فرض کر لیا کہ علمی ترقی کی سبب منتر لیں ہمارے باپ دادا طے کر گئے، اب ہمارے لئے بس اسی قدر کافی ہے کہ ان کے نقش قدم سے چپٹے رہیں اور اس سے بال بھر ادھر ادھر ہونے کی ہر کوشش کو گمراہی سے تعبیر کریں، درسی کتابوں پر قلم کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے اور وہ ہے انہیں بیان بوجھ کر ناپسندیدہ خیالات سے خالی رکھنا، اس دوسری صورت میں قوت متحرک جہالت نہیں بلکہ عیاری ہو کر تھی ہے، نازی جرمنی میں بے شمار درسی کتابیں محض اس لئے جلادی گئی تھیں کہ وہ نازی نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض تھیں، ان کی جگہ ایسی درسی کتابوں نے لی جن میں حقائق کو توڑ کر پیش کیا گیا تھا، یہی حال اٹلی اور جاپان کا تھا۔ جاپان میں امریکی قبضہ سے پہلے درسی کتابوں کی تیاری کا اجادہ حکومت کے ہاتھ میں تھا، پہلی صورت اگر عقل و خرد کو کند کر دینے والی ہے تو یہ دوسری صورت دیوانگی کو دعوت دینے والی غلطی ملکوں نے اپنی درسی کتابوں ہی کی مدد سے نئی پود کے رگ وریشے میں ایک ایسا بھرپور سمجھوتہ بھریا تھا جو بالآخر خود ان ملکوں کے لئے ہلک ثابت ہوا۔ اور جس کی بدولت دنیا بھی طرح طرح کی

پیشانیوں ادبیا ہیوں کا تشکار ہوئیں۔

غرض درسی کتاب کا حقیقی فرض یہ ہے کہ اپنے مخصوص علمی میدان میں تازہ ترین واقفیت کو بالکل بے لاگ رنگ میں پیش کر دے، اگر وہ جہالت یا اندھے تعصب کی بنا پر نئے خیالات کو درخود اعتنا نہ سمجھے گی یا ایک مخصوص قسم کے خیالات کو نظر انداز کر دے گی تو نتیجہ ہر حال میں افسوسناک ہو گا کیوں کہ پہلی صورت میں ایک ایسا ذہنی جمود پیدا ہو گا جو ترقی کے تمام راستوں کو بند کر دے گا۔ اور دوسری صورت میں خیالات کا محاسبہ بہت جلد انسانوں کی تعویب کو شکل اختیار کر لے گا، اور صحت مند ذہنی فضا ختم ہو جائے گی۔

ایک نیا خطہ جہودی نظام کی ایک بہت بڑی خوبی اس کی رواداری اور فراخ دلی ہے، وہ کسی کے منہ میں لکھ دیکر غیر پسندیدہ خیالات کا گلا نہیں گھونٹ دینا چاہتا، بلکہ اس کے اہل مخالف و موافق ہر قسم کی آواز کے لئے جگہ موجود ہے، ماضی میں انگریزی جہودی نظام نے ایک ضمن میں ایک اچھا نمونہ پیش کیا ہے، کارل مارکس اگرچہ ایک چرمی جہودی تھا، مگر نظام سرمایہ داری کے خلاف اس کی حرکتہ الاراستہ برطانیہ میں ہی نرنب اور شائع ہوئیں لیکن آجکل جہودیت کی یہ فراخ دلی گھنٹی ہوئی نظر آتی ہے اس طرح میں یہ خطرہ خاص طور نمایاں ہے، امریکہ کی بعض ریاستوں میں آسے دن کئی کتابوں کے خلاف محض اس لئے مہمکارہ آئی جہوتی ہے کہ موجودہ معاشرتی نظام کو درہم برہم کر دینے کا پرچار کرتی ہیں، چنانچہ کئی کتابیں محض اسی الزام کی بنا پر مردود قرار پا چکی ہیں، لیکن جب اسی الزام کو اچھی طرح کرید کرید دیکھا گیا تو عام طور پر یہی خطرہ آیا کہ کتاب میں بعض ایسے خیالات کی مانند جو مترقین کے خیالات سے مختلف تھے، مثلاً انگریزی نظمیں کی ایک کتاب پر محض اس لئے لے دے کی گئی کہ اس میں بعض اشعار کی شاعروں کا کلام موجود تھا، اس طرح تاریخ عالم کی ایک کتاب پر ناراضگی کا اہم صرف اس لئے ہوا کہ اس میں مارکس لینن اور ٹراٹسکی کی تصویریں دی گئی تھیں، غرض مترقین کے اعتراض اکثر جذباتی قسم کے تھے، معاملے کا زیادہ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۵۷ء میں میو یارک کی ریاست میں ایک کمیشن اس غرض سے قائم کیا گیا کہ درسی کتابوں کے متعلق اعتراضات کی پھان بین کرے، چنانچہ کمیشن نے اس امر کی اچھی طرح تشہیر کی کہ جس شہری کو کسی درسی کتاب کے خلاف کچھ کہنا ہو وہ اپنے دلائل لکھ کر کمیشن کے پاس بھیجے، لیکن یہ امر بے حد حیرت انگیز ہے کہ چار ماہ گزر جانے تک کسی طرف کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی۔

جمہوری نظام زندگی فکری آزادی کا علم بردار ہے لیکن محض نظری بنیادوں پر کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اُسے نوٹ ضرورت دینے کے لئے عملی اقدام بھی ضروری ہے پس جمہوری ممالک محض اجتماعیت پسند ملکوں پرکتہ عملی کر کے اپنا دامن پاک نہیں کر سکتے، اگر وہ بھی غیر پسندیدہ خیالات پر ایسی ہی کڑی نگرانی بٹھادیں جیسے غیر جمہوری ممالک نے بٹھا رکھی ہے تو پھر صرف نام کے فرق سے دونوں نظاموں میں کچھ فرق باقی نہیں رہ جاتا، درسی کتابوں پر اعتراضات ہونے میں کچھ ہرج نہیں، لیکن ان اعتراضات کی پھان بین کا کام ماہرین تعلیم کے ہاتھ میں ہونا چاہئے اگر اعتراضات فی الواقع قطعی نقطہ نگاہ سے ورنہ ہوں تو کتاب کی ترمیم و تجدید مناسب طور پر ہو جانی چاہئے ورنہ نہیں محض جذباتی ہنگامہ آرائی سے کسی آواز کو دینا سراسر ایک غیر جمہوری فعل ہے جو تعلیم کی سچی روح کے سراسر نفی ہے۔

مختلف نقطہ ہائے نگاہ | دو درحاضر میں مدرسہ کے ساتھ عوامی دل چسپی بہت کچھ بڑھ گئی ہے، اس کی گئی ایک وجوہ ہیں، جن کی تشریح میں جانے کی یہاں فرصت نہیں، تاہم یہ دل چسپی

بذات خود کوئی بُرا خیال نہیں، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ جس طرح سیاسی امور میں عوام کے خیالات کو دیکھ سن کر ایک متوازی پالیسی مرتب کی جاتی ہے اود یہ کام عوامی جذبات کی گہرائی سے نہیں بلکہ سیاسی تدبیر کے ہاتھوں انجام پاتا ہے، اسی طرح درسی کتابوں کے بارے میں بھی ہر طبقہ کے خیالات معلوم ہو جانے چاہئیں۔ اور ان کے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کرنے کا کام ماہرین تعلیم کی ایک جماعت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ حال ہی میں امریکی رسالے ”سیرڈے ریویو“ نے اپنا ایک خاص نمبر مختلف طبقوں کے خیالات معلوم کرنے کے لئے وقف کیا تھا، ذیل میں ان مختلف آراء کی ایک جھلک پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہم اپنے مخصوص ملکی حالات پر بھی ایک نگاہ ڈالتے جائیں گے۔

۱۔ درسی کتب کے ناشر | امریکی ناشران درسی کتب کی انجمن نے پہلے دن سے ہی یہ پیکہ تسلیم کر رکھا ہے کہ درسی کتابیں کبھی ہر لحاظ سے مکمل نہیں ہو سکتیں، بازاری میں کوئی ایسی

درسی کتاب موجود نہیں جس پر اتنا دقت تنقید نگار، افسران تعلیم یا عوام میں سے کسی ایک کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو۔ سچ یہ ہے کہ محنت مند اور دیا نندارانہ تنقید کی بدولت ہی بہتر درسی کتابیں مہیا کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا امید کوئی امید موموم نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں درسی کتابوں کا ناشر گاہک کو فٹروکے

عوض کاغذ، طباعت اور تصاویر کی شکل میں جو مواد فراہم کرتا ہے اس کی مثال شاید دنیا بھر میں انڈیسی جگہ نہ ملے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دوبارہ میں جس کڑی مسابقت کا دور دورہ ہے، وہ شاید کسی اور کا دوبارہ میں نہیں، امریکہ میں کل کوئی پچاس کے قریب ناشر ایسے ہوں گے جو ملک بھر کے ابتدائی اور ثانوی مدرسوں کے لئے درسی کتابیں چھاپتے ہیں سال بھر میں اس سارے کا دوبارہ کی مجموعی مالیت دس کروڑ ڈالر سے کم ہی ہوتی ہے، امریکہ جیسے ملک میں جہاں بڑے بڑے دیوہیکل تجارتی اداروں کی بھرمار ہے، اور جن میں سے بعض ایک ہفتہ میں اس سے زیادہ کا کا دوبارہ کر لیتے ہیں، پچاس اداروں کا سال بھر اسی کا دوبارہ میں سے مقدار بھر حصہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہنا ایک نہایت معنی خیز امر ہے، طباعت کے دوسرے شعبوں میں لوگ کئی گنا زیادہ کماتے ہیں اور مالی فائدہ کے ساتھ ہی ساتھ شہرت اور اثر و رسوخ بھی حاصل کرتے ہیں، لیکن درسی کتابوں کے ناشر نسبتاً قلیل معادضہ پر ایک ایسی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں جو بے حد اہم ہے۔

ہر درسی کتابیں شائع کرنے والا ادارہ ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح درسی کتابوں کی افادیت کو بہتر سے بہتر بنایا جائے، اس غرض کے لئے ان کے ہاں تحقیقی کام کرنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں جو مکرمہ جماعت کی جدید ترین ضرورتوں اور نئے تعلیمی نظریوں سے اچھی طرح باخبر رہتے ہیں پھر ان کے ایجنٹ جگہ جگہ گھوم کر حالات و کوائف کا جائزہ لیتے ہیں، ان تمام اطلاعات کی روشنی میں اچھے سے اچھے معنفوں کو درسی کتابیں لکھنے کے لئے کہا جاتا ہے، اور اکثر اوقات طباعت سے پہلے ہر کتاب کی تدوین پر ۵ لاکھ ڈالر تک صرف ہو جاتے ہیں۔

درسی کتابیں لکھنے والے سنی سنائی باتوں یا دوسروں کی کتابوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے ہر چیز خود اپنی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ جدید تعاضفوں کے ساتھ اچھی طرح نباہ کیا جاسکے، اس کوشش میں طویل وقت اور ان تھک ماسعی خرچ ہو جاتی ہیں، لیکن یہ سب کوششیں اکارت نہیں جاتیں، یہ درست ہے کہ بعض اوقات یہ لوگ غلطیاں بھی کر جاتے ہیں، اور یہ غلطیاں بعض دفعہ دلچسپ اور مضحکہ خیز ہوتی ہیں لیکن ان کی بنا ہمیشہ خلوص اور دیانتداری پر ہوتی ہے، یہ اسی چیز کا صدقہ ہے کہ کج امر کی درسی کتابوں کا معیار نہیں بس پہلے سے بہت بلند ہے جس کی بدولت طلبہ نہ صرف حساب اور

دیگر مضامین کو جلد تر اخذ کر لیتے ہیں، بلکہ انہیں زیادہ دیر تک ذہن میں رکھ سکتے ہیں۔

اس کے برعکس ہمارے ہاں کیا کیفیت ہے، اول تو یہ کہ درسی کتابیں شائع کرنے والے کوئی مخصوص ناشر نہیں، ہر ناشر موقع ملنے پر ابتدائی اور ثانوی مدرسوں کی کتابیں چھاپنے لگتا ہے، یہاں تک کہ بعض ایسے ناشرین کا مخصوص میدان مذہبی کتابیں شائع کرنا ہو وہ بھی بوقت ضرورت اس میدان میں آن دھکتے ہیں، پنجاب میں مروجہ ضلع وار درسی کتابوں کے نظام نے بعض ایسے لوگوں کو بھی ناشرین کی صف میں لاکھڑا کیا ہے، جو پہلے اس کام سے چنداں لگاؤ نہ رکھتے تھے، ان تمام باتوں کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے ہاں درسی کتب کا چھاپنا بجائے کم نفع بخش ہونے کے زیادہ نفع بخش تجارت ہے، اور ہر ناشر اس موقع کی تاک میں رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح کوئی درسی کتاب ہاتھ لگ جائے، پنجاب کے مروجہ نظام نے اس خرابی کو اور ہوا دی ہے، کیوں کہ گو اس سے درسی کتاب کے مندرجات کے متعلق تو یہ یقین ہو سکتا ہے کہ وہ معیاری ہوں گے، لیکن اس کے کاغذ اور طباعت کا معاملہ کلی طور پر ناشر کے رحم پر رہ جاتا ہے، چونکہ معاملہ مغفود ہو جاتا ہے اس لئے کئی ناشر اپنی جیب کو زیادہ سے زیادہ بھرنے کے لئے طرح طرح کے تھکنڈے استعمال کرتے ہیں، مثلاً کتابت۔ طباعت اور کاغذ وغیرہ پر کم از کم و کم خرچ کرتے کی کوشش کی جاتی ہے، اسی طرح اچھی تر تصاویر اور جلد بندی کے معاملے میں بھی کفایت کی انتہائی حدود بت نظر دہتی ہیں، گویا اچھی سے اچھی درسی کتاب کو عوام کے سامنے پیش کرنے میں جو پیشہ وارانہ فخر ہونا چاہئے، اس کا احساس عام طور پر ناپید ہے اور ذاتی نفع اندوزی کے سوا اور کوئی شے پیش نظر نہیں رہاں تک تو کتب کے ظاہری محاسن کا ذکر تھا، لیکن اس کی معنوی خوبی کی طرف بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی، ثانوی کتب کے بارے میں جہاں ابھی تک محکمہ کی طرف سے کوئی پابندی عائد نہیں ناشران کتب سستے سے سستا معصفت تلاش کرتے ہیں، تقسیم ملک کے بعد یاد لوگوں نے اکثر ہندو معصفتوں کی کتابوں کو مال غنیمت سمجھ کر صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ چھاپ لیا۔ اور اگر کہیں معصفت کی تلاش ہوئی بھی تو کسی ابتدائی یا ثانوی مدرسہ کے ضرورت مند مدرس سے کوڑیوں پر کوئی مسودہ خرید لیا اور اس کا نام ظاہر کئے بغیر اپنی جانب سے شائع کر دیا، یہاں یہ امر خاص ملحوظ قابل ذکر ہے

گنتی یافتہ مالک میں درسی کتاب مصنف کے نام پر لکھی ہے کتاب کے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں بک جانے پر بھی بہت کم لوگ ناشر کے نام سے واقف ہوتے ہیں، ہمارے ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اکثر کتابوں پر مصنف کا نام سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اور جن پر ہو بھی وہاں بھی ناشر کا نام مصنف کے نام کی نسبت زیادہ نمایاں ہوگا۔ ان افسوسناک صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ درسی کتب کی طباعت عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچانے کی بجائے ناشر کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچانے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے، اور جب تک یہ صورت حال باقی ہے اس وقت تک یہ امید کرنا غیث ہے کہ درسی کتابیں اس حقیقی تعلیمی مقصد کو پورا کریں گی جس کے لئے انہیں لکھا جاتا ہے، گویا ترقی یافتہ ملکوں میں جو خدمت نجی ہاتھ دے رہے ہیں، اس کے لئے ہمارے ہاں حکومت کو ہی اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ نقاد و مبصر | پہلے یہ ذکر گزر چکا ہے کہ بعض امریکی رسالے یا نام نہاد تعلیمی ادارے بعض درسی کتابوں کے خلاف محض اس بنا پر ہم شروع کر دیتے ہیں کہ ان میں امریکی نظریہ حیات کی مخالفت کی گئی ہے، امریکی سرمایہ دارانہ نظام زندگی کا حامی ہے، اس کی ساری قومی زندگی کی تعمیر نجی کوشش اور غیر محدود مسابقت کی بنیادوں پر ہوئی ہے، یہ امر بالکل قدرتی ہے کہ معاشرتی زندگی کے ان اصولوں کو عوام میں مقبولیت حاصل ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہ ہونا چاہئے کہ قوم کے نوہانوں کو دوسرے معاشرتی نظاموں سے خیر دکھا جائے، چنانچہ بعض افضل امریکی پروفیسر اپنی کتابوں میں امریکی معاشرتی نظام کی خرابیاں اور اضرکاتی نظام کی اچھائیاں بھی بیان کر دیتے ہیں بعض تنگ نظر گروہ اس بات کی آڑ میں ان کتابوں کے خلاف عوام کو بھڑکا کر انہیں نصاب سے خارج کرانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اگر ان لوگوں کی رائے پر عمل کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جمہوریت کے علم بردار امریکہ میں بھی خیالات پر بالکل اسی طرح پابندی ہے جس طرح اشتراکی دوس میں، چنانچہ اب اکثر امریکی ریاستوں میں درسی کتابوں کے متعلق تشکیات کو سننے اور ان کی چھان بین کرنے کا کام ایک کمیشن کو سونپا جا چکا ہے جو ماہرین تعلیم پر مشتمل ہے، ایکشن درسی کتابوں کی موزوں ترمیم و تجدید کے نگران ہیں۔

ہمارے ہاں درسی کتابوں پر نقد و تبصرہ کرنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام موجود نہیں، اول تو یہاں تعلیمی مسائل کا

بھی فقدان ہے اور جو چند ہیں بھی وہ بھی ان بے شمار درسی کتابوں پر تنقید کرنے کا اہتمام نہیں کر سکتے جو ہمارے مدارس میں رائج ہیں، کسی کتاب پر تبصرہ کر کے لکھنے نہ صرف فنی مہارت بلکہ موضوع کتاب کے موضوع سے پوری واقفیت بھی ضروری ہو کر آتی ہے اور غلطی ہے کہ ہمارے اخبارات و رسائل ان وسائل سے محروم ہیں، اس کمی کا ایک بڑا نقصان بڑے درسی کتابیں بڑی بھلی جیسی بھی رائج کر دی جائیں وہ جوں کی توں چلتی رہتی ہیں اور رائے عامہ کے لئے کوئی اثر خاص موجود نہیں جس کے راستے وہ ان کتابوں پر اثر انداز ہو سکے۔

۲۔ والدین | حال میں ہی ایک امریکی مدرسے نے والدین۔ اساتذہ اور طلبہ کے نام ایک سوال نامہ جاری کیا تھا جس میں ان سے درسی تعلیم کے مقاصد کی وضاحت طلب کی گئی تھی، جو جوابات معمول ہوئے ان میں مقاصد تعلیم کو مندرجہ ذیل ترتیب سے مجر دی گئی (۱) تعمیر کردار (۲) شہریت (۳) جمہوریت (۴) ضبط (۵) رفاقت (۶) محنت کی عادت (۷) صحت اور حفاظت نفس (۸) قوت فیعلہ (۹) ذمہ داری اٹھانے کی صلاحیت (۱۰) درسی کتاب علم (۱۱) قیادت کی صلاحیت (۱۲) صفائی ذہن۔

مندرجہ بالا ترتیب اکثریت کی پسند کی آئینہ وار ہے، یہاں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ کل ۳۸۶ والدین ہیں، صرف چھ نے درسی کتاب کے علم کو پہلا درجہ دیا، بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے مقاصد تعلیم میں شمار ہی نہیں خود اساتذہ کا فتویٰ بھی والدین کے فیصلہ کا ہم نوا تھا یعنی انہوں نے درسی کتاب کی واقفیت کو کوئی بارہواں یا موال درجہ دیا۔ اس سوال نامے نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ امریکی والدین درسی کتاب کی بجائے بچے کو توجہ کا بتاتے ہیں، ادھر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بچے نے پسندیدہ اخلاق و اطوار کو کس حد تک اور کس کامیابی کے ساتھ سیکھ لیا ہے، اگر وہ ان اخلاقی اور ذہنی اطوار سے عاری ہے تو درسی کتاب کا علم ان کے نزدیک بے معنی ہے، ایسا علم دار کی نشوونما نہ کرے کسی کام کا نہیں سمجھا جاتا، واقفیت ایک ضروری شے ہے، اس کے بغیر انسان دنیا میں کھو گیا سوس کے گا، لیکن اس سے زیادہ ضروری وہ اوصاف ہیں جن کی بدولت یہ واقفیت مفید ثابت ہو سکتی ہے اوصاف ناپید ہیں تو واقفیت محض ایک ذہنی بوجھ ہے جس سے حامل کو یا معاشرے کو کچھ فائدہ نہیں، پس اولیت ان اوصاف کو حاصل ہے اور واقفیت کی حیثیت ثانوی ہے۔

ایک امریکی خاتون لکھتی ہیں کہ میں متعلق مدرسہ کی انجمن اساتذہ و والدین کی سرگرم کارکن ہوں، میرے دو بچے

تعلیم پاتے ہیں، میری سرگرمی کا نتیجہ یہ ہے کہ میں مدرسہ کی تعلیمی کارکردگی اس کے معصوب، اس کی درسی کتابوں وغیرہ کی درسی زندگی کے ہر پہلو سے باخبر رہتی ہوں اور تعلیم کو بچوں کے لئے ایک ایسے دلچسپ مشغلہ بنانے میں بہت حد تک کامیاب ہو چکی ہوں، وہ کہتی ہیں کہ آج سے کوئی پچیس سال پہلے جب میرا خاوند اس مدرسہ کا طالب تھا تو اس وقت حالات بالکل جدا گانہ تھے، اس وقت درسی کتاب توجہ کا مرکز تھی، میرا شوہر بڑا ہونہار اور ذہین طالب علم تھا، مگر اس کے باوجود جب اسے یہ کہا گیا کہ گریجویٹ بننے کے لئے قدیم تالیف کا مطالعہ لازمی ہے تو اس نے اس مطالعہ پر گریجویٹ نہ بننے کو ترجیح دی، حالانکہ اگر یہی شے اس کے سامنے انسان کی ارتقائی ترقی کی ایک منزل کے طور پر پیش کی جاتی تو وہ اسے بخوشی پڑھتا، کیوں کہ اس صورت میں یہ تالیف اسے گروپش کی خیا مشاطہ زبود و باش، ذرائع آمد و رفت، حکومت وغیرہ سے مربوط نظر آتی، آج امر کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہی سنہرا اصول ہے، زندگی اصل مرکز ہے اور تمام علوم اس کے ساتھ مربوط ہیں۔ اساتذہ اور والدین کے تعاون سے اس مقصد کے حصول میں بڑی مدد دی ہے، یہ اسی چیز کا مدد ہے کہ آج میرے بچے پچیس برس پہلے طلبہ کی نسبت کہیں زیادہ ہوش مند حیثیت و چونید اور صاف ذہن ہیں۔

اس ضمن میں ہمارے ہاں جو کیفیت ہے اس کے متعلق کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے، والدین کی سب سے پہلی بچہ مدرسہ کے نتائج کی طرف اٹھے گی اور پھر کسی دوسری شے کی طرف۔ آپ لاکھ سمجھائیں کہ اس مدرسے کی فضا آ نہیں، یہاں درسی کتابیں رٹوانے کے سوا کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں دی جاتی، اگر یہ دلیل سب ثابت ہوں گی، اگر والدین اچھے کھاتے پیتے ہیں تو وہ یونیورسٹی نتائج کے سوا کسی اور چیز کی طرف د نہ دیں گے، اور اگر خدا نخواستہ وہ غریب ہیں (جیسا کہ عام حالتوں میں ہو گا) تو ان کے لئے فیصلہ کن امر یہ کہ قریں کا بوجہ سب سے ہلکا کس مدرسے میں ہے۔

جہاں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے کی حالت یہ ہو وہاں یہ امید رکھنا عجیب ہے کہ والدین بھی درسی کتابوں کی درمیں میں کچھ مانڈ بنائیں گے، ہمارے ہاں والدین کی طرف سے درسی کتابوں کے متعلق اگر کبھی کوئی شکایت جائے گی تو یہ کہ وہ گراں ہیں، یا یہ کہ مدرسہ والوں نے ضروری درسی کتب کے علاوہ کچھ غیر ضروری اضافہ کا بوجہ بھی والدین پر لاد رکھا ہے، ترقی یافتہ ملکوں میں ایک ہی مضمون کے لئے دو دو تین تین درسی کتب

ہرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ہم بچے کی نگاہ میں کٹاوتی آئے اور وہ ملبورہ لفظ کا غلام بن کر زندہ جاوے ہو گا۔
ہاں یہ طریق نامکن عمل ہے، جہاں والدین ایک کتاب کے خریدنے پر دو ادیل پائیں دہاں کسی لڑکے کو کتاب کے لئے
گنہائش کہاں؟

یہاں یہ سوال بھی دلچسپی کا باعث ہو گا کہ کیا ہمارا افلاس فی الواقعہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ عام والدین
سال بھر میں ایک بچے کو کوئی پندرہ بیس روپے کی کتابیں خرید کر نہیں دے سکتے، گو کوئی درست اعداد شمار
پیش نظر نہیں، لیکن یہ بات غالباً وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ پرائمری درجہ تک کسی طالب علم کی
کتابوں کا بچوں کا خرچ ادسٹا دو اڑھائی روپیہ ماہوار سے نہیں بڑھ سکتا، چوں کہ غریب والدین سے
یہ توقع نہیں کہ سوائے بعض خاص حالتوں کے وہ بچوں کو پرائمری سے آگے تعلیم دیں گے، اس لئے نتیجہ
نکلنا شاید غلط نہیں کہ جہاں تک عام تعلیمی اخراجات کا تعلق ہے ہمارے ابتدائی تعلیم چنداں گزرا نہیں۔
اس پر بھی اگر کچھ لوگ افلاس کا دونا روئیں تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ افلاس زیادہ تو ذہنی
افلاس ہے، مادی افلاس نہیں، جو شہری والد اپنے بچے کو جیلنے میں چند مرتبہ سینا گھر میں بھیجنے کا بوجھ اٹھا
سکتا ہے یا جو دیہاتی والد کئے دن کے میٹھے ٹیبلوں میں بچے کو بھیج سکتا ہے، اس کے لئے تعلیم جیسی اہم مد
ہر جیلنے دو ایک روپے صرف کر دینا ہرگز شاق و گزرا نا چاہئے، لیکن چونکہ ابتدائی تعلیم کو ضروری خیال ہی نہیں
کیا جاتا، اس لئے اس پر ایک پیسہ خرچ کرنا بھی بہت سے لوگوں کو بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ اساتذہ

وینٹسکا کے پرنسٹنٹ مدرس اپنے مشاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امریکی مدارس
میں درسی کتابوں سے بالکل وہی خدمت لی جاتی ہے جو ایک کاری گرا اپنے اوزاروں

سے لیتا ہے، اوزار بعض کاری گرو کی ہولت کے لئے ہوتے ہیں۔ اور وہ انہیں مختلف حالات میں اپنے مخصوص
ڈھب استعمال کرتا ہے، امریکی ناشرین نے تاریخ کے ہر دور میں تعلیمی دنیا کے جدید ترین مباحث پر کان
لگائے رکھا ہے اور ان کی راہنمائی میں بہترین کتابیں پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے، یہی وجہ ہے کہ
ہر دور کی مبع شدہ کتابیں اپنے دور کی صحیح نمائندگی کرتی ہیں، آج کل کے اکثر بالغ مبع شدہ لفظ کو بلا
چون و چرا درست تسلیم کر لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی طالب علمی کے زمانے میں ناشرین کی

شائع کردہ درسی کتابیں ہی اخذ معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں لیکن جدید تعلیمی نظریہ یہ ہے کہ کم از کم ان علو میں جن کا تعلق بعض ذہنی یا دستی ہارتوں سے ہو طلبہ کو اپنی رفتار پر چلنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ مثلاً اگر امر پسندیدہ ہے کہ استاد ایک ہی ساتھ تمام طلبہ کو حساب کا کوئی قاعدہ سکھا دے لیکن یہ شے نہ ہی ضرور ہے اور نہ ہی پسندیدہ کہ وہ سر کے سب یکساں رفتار سے اس میں عملی ہارت پیدا کر لیں بعض طلبہ یہ ہارت جلد حاصل کر لیں گے اور بعض کو اس غرض کے لئے خاصی لمبی مشق کی ضرورت پیش آئے گی پس ساری عطا کردہ درسی کتاب کے ساتھ ہندو دنیا کو یا تیرہواں دست رفتار جانوروں کو ایک ہی لاشی سے ہانکنا ہے جو کہ تعلیمی طور پر یہ چیز سخت غیر پسندیدہ ہے اس لئے آج کل امر کی مد سے صرف درسی کتابوں پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ ہر مدرسہ کے اساتذہ اپنے طلبہ کے لئے مشقی کتابیں تیار کرتے ہیں جو درسی کتابوں کے ساتھ استعمال کرائی جاتی ہیں، ان کی مد سے ہر طالب علم کے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ درسی کتاب کی یکساں رفتار کی بجائے اپنی انفرادی رفتار پر کامزن رہے، حساب اور زبان دانی میں اس قسم کی مشقی کتابیں کسی ساوا سے استعمال ہو رہی ہیں۔

جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اس طریق کار کی افادیت مسلم ہوتی جا رہی ہے اور اس کا رواج بڑھ جا رہا ہے۔ ونیس کا کہ ۲۴ نفا جہائے مدرسہ کا سال میں جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ۱۲ نمناموں میں درسم کتابوں کے ساتھ ساتھ مشقی کتابیں بھی زیر استعمال ہیں اور درسی کتابوں کو عام طور پر امدادی اور حوالہ کے کتابوں کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

امریکہ کے اکثر ابتدائی مدارس اور بہت سے ادنیٰ ثانوی مدارس میں آج کل انکی طریق تعلیم بہت مروج ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی جماعت کو بہت سے الگ الگ مضامین پڑھانے کی بجائے ہر عام دل چسپی کو دیکھ کر زندگی میں سے کوئی ایک موضوع مطالعہ کے لئے چن لیا جاتا ہے، مثلاً پنجاب کسی مدرسہ میں ذریعہ آبپاشی کو بطور موضوع چن لیا جائے، اب اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ ہوگا اور اس مطالعہ میں جس قدر حساب، جغرافیہ، تاریخ اور زبان دانی کی ضرورت پیش آئے گی اس کا اسی کے ضمن میں کیا جائے گا، گویا یہ مضامین ایک عملی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پڑھے جائیں۔

نہیں خواجواہ بچوں پر ٹھوسا نہیں جائے گا۔ اس طریق تعلیم کے نتائج بہت خوب برآمد ہوئے ہیں، لیکن اس کے راستے میں بڑی رکاوٹ موزوں درسی کتابوں کی دست یابی ہے، موجودہ درسی کتابیں ایک مضمون دہیتی ہیں اور اس کے سارے پہلوؤں پر ایک منطقی تسلسل میں بحث کرتی ہیں، لیکن اکائی طریقہ تعلیم میں غلبہ ہے کہ مضمون کے کسی خاص پہلو کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہی پیش آئے گی، ایسی صورت میں سینکڑوں صفحوں پر مشتمل درسی کتابوں کا خریدنا غیر ضروری دکھائی دینے لگتا ہے، اس مشکل کے حل کرنے کا ایک آسان عملی صورت یہ ہے کہ کتابیں جامع صورت میں لکھی جانے کی بجائے بہت سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں لکھی جائیں اور ہر حصہ میں مضمون کے صرف ایک پہلو پر ہی بحث کی جائے، اگر ایسا ہو جائے تو درسی کتابیں پالے اور مدد کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

اکائی طریق تعلیم میں اساتذہ کی تیار کردہ مشقی کتابیں غیر ضروری نہیں ہو جاتیں، بلکہ ان کا مقام بدستور اتنی رہتا ہے، تاہم پیشقی کتابیں اسی صورت میں فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں کہ جو درسی کتابیں مدرسہ کے لئے منتخب کی جائیں ان کے انتخاب میں بھی استاد کی آواز کو کافی اثر حاصل ہو، اگرچہ صدر معلم، افسران تعلیم اور والدین کے مشورہ کو بھی وزن دینا ضروری ہو گا، لیکن استاد کی رائے ہر حال میں زیادہ وزن رکھے گی، کیوں کہ یہ اذنی سی کو استعمال کرتا ہے۔

ہمارے اساتذہ درسی کتاب سے عموماً جس طرح کام لیتے ہیں اس کا حال کسی سے مخفی نہیں، کسی مدرسے میں نکل جائیے، تاریخ، جغرافیہ، شہریت اور اس قسم کے دوسرے مضامین کی تدریس آپ کو کتاب خوانی کی شکل میں ہوتی نظر آئے گی، افسوس یہ ہے جو استاد طریق بیان سے کام لیتے ہیں، ان کا ماخذ بھی اکثر حالتوں میں درسی کتاب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

بہ میں تفاوت رہ از کجاست تا بحج

ایسے بے جان تدریسی طریقوں کی موجودگی میں ”اکائی طریقہ تعلیم“ یا خود اساتذہ کی تیار کردہ مشقی کتابوں کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، ہمارے ہاں اگر کوئی استاد صاحب بہت بڑا کمال کریں گے بھی تو یہ کہ اپنے مضمون کا ایک خلاصہ ضبط تحریر میں لے آئیں گے جو سال بہ سال جماعت کو دکھایا جائے گا اور جو پاس ہونے کے لئے

بے شافی منحرف بن جائے گا۔

جہاں خود استاد کی اپنی بددی کاریہ حال ہو وہاں اگر کوئی اس کی آواز پر کان نہ دھرے تو اس میں کچھ تعجب نہ رہنا چاہئے، چنانچہ ہمارے ہاں درسی کتابوں کے انتخاب میں متعلقہ استاد کے مشورے کو ہمیشہ غیر ضروری سمجھا گیا ہے، پورے نظام کے ماتحت کتابوں کا انتخاب صدر معلم پر موقوف ہوتا تھا، جس ناشر یا کتب فروش نے سے متاثر کر لیا اسی کی کتابیں لگ گئیں، اب مروجہ نظام میں مدلل جماعتوں تک کی کتابوں کا فیصلہ ہر ضلع کے لئے محکمہ کی طرف سے ہو جاتا ہے اور استاد سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے من میں بھی زبان ہی یا نہیں ہے۔

کس پرسی پر ہماری کون روئے گا بھلا

حال اپنا آپ ہی ہم نے نہ جب پوچھا کبھی

قلندرا

عراق میں لازمی تعلیم

مد عبد العزیز

پہلی عالم گیر جنگ کے بعد خلافت آل عثمان کا خاتمہ ہوا اور عربوں کی افزائش نے خود انہیں
شام عراق اور جزائر فلسطین کی نئی جغرافیائی وحدتوں میں تقسیم کر دیا، بصرہ کی بندرگاہ اذنیل کے
اگرے انگریزوں کی دل چسپی کا آغاز ۱۸۶۱ء میں ہوا، وجہ اور فرات کا درمیانی علاقہ ۱۸۶۲ء تک براہ راست انگریزوں
ذیادہ، اسی کو عراق کہتے ہیں اس ملک کی وسعت ... ۵۰۰ مربع میل ہے اس کے شمال میں پامیر کی سطح
نچ اور ترکی کردستان اور جنوب میں خلیج فارس واقع ہے، مغرب میں صحرائے عرب اور شام اور شرق میں ایران۔
عراق کی موجودہ تعلیمی حالت کا جائزہ لینے کے لئے اور لازمی تعلیم کے امکانات پر غور کرنے کے لئے اس کی پچھلی
تاریخ کا حوالہ دینا اور اس کی موجودہ سیاسی، سماجی اور اقتصادی زندگی کا تجزیہ کرنا ضروری ہے، اس ملک کے ساتھ
کا شاندار ماضی وابستہ ہے، خلافت بنو عباس اور تاتاریوں کے عہد میں بغداد علم و فن، صنعت و حرمت اور
ریب و تمدن کا مرکز تھا، سو پھویں صدی مسیحی میں اس ملک میں ترکوں کا اثر و اقتدار بڑھتا رہا، یہاں کی
شرعی زندگی میں اس کے نقوش آج بھی نمایاں ہیں، پہلی عالم گیر جنگ کے بعد سے یہاں بڑا قومی
نفاذیت نے براہ راست یا بالواسطہ اپنے قدم مضبوطی سے جمائے، کہنے کو تو عراق ۱۹۱۴ء سے آزاد
لیا ہے لیکن اس کے تیس کے ذخائر اور بصرہ کی بندرگاہ اور اس کا ہوائی اڈہ آج بھی انگریزوں کے ذیادہ
ایران سے انگریزوں کے انخلا کے بعد بعض سیاسی حلقوں کا یہ خیال تھا کہ عراق بھی عثمانی کے طوق و
اسل توڑنے میں کامیاب ہو جائے گا، موجودہ سیاسی بحران اور فوجی حکومت کا قیام، اندرونی بے چینی اور

سماجی انشاد کی نشان دہی ضرور کرتا ہے لیکن فی الحال اس سے کوئی نتیجہ مرتب ہوتا نظر نہیں آتا۔ کسی ملک کے تعلیمی نظام کو اس کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی زندگی سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ عراق اس وقت تعمیر و ترقی کے دور ہے پر ہے۔ ایک طرف انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کی کوششیں جاری ہیں اور دوسری طرف ملک کی سماجی اور تعلیمی زندگی کی تعمیر و استحکام کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے، عراق کا دستور نیم جمہوری ہے، بادشاہ کے اختیارات محدود ہیں، وزارت پارلیمان کو جواب دہ ہوتی ہے، موجودہ حکومت نے تعلیم پھیلانے کی بہت کوشش کی لیکن اس ماسعی کے باوجود ابھی اکثریت جاہل ہے، جمہوری نظام کی کامیابی کے لئے عوام کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے، ورنہ ملک کی عنان اقتدار کا ایک مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں چلا جانا یقینی ہوتا ہے اور جمہور حکومت اور اس کے نظم و نسق میں کوئی حصہ نہیں لے سکیں گے۔

عراق کی اقتصادی زندگی کا تمام تر انحصار زراعت پر ہے، اس ملک میں رہنے والوں کی زندگی، ان کے عادات و اطوار اور ان کی قومی زندگی میں ان کے اثرات نمایاں ہیں، اگرچہ ان دنوں تباکو، صابن سازی سوت اور جوڑوں کے کارخانے قائم ہو رہے ہیں، ان کارخانوں کی صنعتی ترقی اور جو مصنوعات ان میں تیار ہوتی ہیں، اس سے ملکی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، البتہ مٹی کے تیل کے کارخانے ضرور تیز رفتاری سے ترقی کر رہے ہیں تیل کی سالانہ پیداوار سے جو حق شاہی ملتا ہے اس سے ملک کی فوری اور اہم ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں، مگر پھر بھی ملک خالصتاً زراعتی ہے، اس لئے اس کے تعلیمی اور سماجی مسائل کو سمجھنے کے لئے اس کی اس خصوصیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جب تک اس زرعی ماحول کو پیش نظر نہ رکھا جائے گا اس کے سماجی حالات کا انداز لگانا مشکل ہوگا، اس کی آبادی کا بیشتر حصہ مسلمان ہے، لیکن دوسرے مذاہب کے پیروں بھی یہاں کثیر تعداد میں موجود ہیں، ان میں سے ۲۴ فی صدی مسلمان ہیں ۳۳ فی صدی یہودی ۳ فی صدی نصرانی اور باقی مختلف عقائد و خیالات کے حامل، بلا سر علمائے فرنگ کو بیانات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ عراق میں مختلف القباؤں و گروہ موجود ہیں جن کے نفریات اور طریق فکر و استدلال میں انتہائی مغایرت ہے، لیکن اس کے باوجود عراق میں ایک مشترکہ تعلیمی نظام اور سماجی ہم آہنگی موجود ہے، یہ سب اسلامی اخوت اور سادات کے کوششوں سے۔

دکٹر کلارک ممبر یونیکو لکھتا ہے۔

”باوجود شدید مذہبی اختلاف کے پہلے نظام تعلیم کا قیام، عراق کی مذہبی رواداری کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، متعاقب آبادی کی فطری خوش اخلاقی، تواضع اور انکسار محبت اور خلوص کشادہ دلی اور ہمان نوازی سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ان کے ماحول اور کردار کے یہ نمایاں نقوش ایک ماہر تعلیم کے لئے سب سے زیادہ مفید مطلب ہوتے ہیں، ان سماجی خصوصیات کے علاوہ جو لوگ ادنیٰ تعلیمی اقدار کے حامل ہیں ان میں غیر معمولی ذہنی جیتی ترقی پاد ہی ہے اور وہ تیزی سے منزل کی طرف قدم گذاذ ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ سیاسی بصیرت رکھنے والے عراق کے مستقبل کے متعلق بہت بلند رائے رکھتے ہیں“

فی الحقیقت ذہنی اور سماجی لحاظ سے موجودہ عراق کو اپنی پچھلی ثقافت، کلچر اور علمی دولت کی ایک نہیں بیسیوں خصوصیات ورثے میں ملی ہیں، عباسیوں کے زیر عہد میں مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور علمی ترقی کے مرکز بننے کی سعادت عراق کے حصے میں آئی تھی اور صدیوں کے زوال کے باوجود ابھی ان میں ماضی کے جھلکات ہوئے نقوش کی صلوہ گری موجود ہے، لیکن اس ثقافتی اور علمی ورثے کے باوجود آج عراق کی بیشتر آبادی جاہل ہے، وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتی، امام ابو حنیفہ، امام غزالی اور سعدی جیسے مقتد علماء کی تربیت گاہ کج خود محتاج تعلیم و تربیت ہے، اس کے صاف و شفاف چشمے، اس کے دریا، اس کی نہریں، مرغزاروں کی آبیاری سے تامل معلوم ہوتی ہیں اور فطرت کے اس درمی ختام کے باوجود عراق کا معیار زندگی بہت پست ہے، اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کی کمی ہے، آبادی کے بیشتر حصہ کے لئے خوراک تعلیم اور ذہنی بیداری کی ضرورت ہے، زرخیز زمین کی کثرت ہے مگر کاشت کے طریقے وہی پرانے ہیں، اس ملک کی ترقی کا انحصار بے کار زمین کو باکار بنانے اور زرعی سائنس کو زیر استعمال لانے میں ہے، اگر جدید ترقی یافتہ طریقوں کو بروئے کار لانے میں عجلت سے کام نہ لیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملک کی رفتار ترقی دھیمی ہو جائے گی۔

عراق کے تعلیمی منصوبے | ابتدائی تعلیم۔ عراق میں ابتدائی تعلیم کی اشاعت کا آغاز اتنا پرانا نہیں ہے جتنا صدیوں کا زوال اور روایاتی طریق زندگی، بالعموم قوموں میں اضمحلال تعطل اور جمود پیدا کر دیتا ہے، عراق کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا، مدرسہ نظامیہ بغداد کا ماحول اور اس کی علمی ریں

کچھ اور تھیں، اس دور میں تعلیم سماجی اور معاشی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے، مکتبوں میں وہی فرسودہ نظام تعلیم جاری ہے، ان مکتبوں میں بچے نام نہاد موبوبوں کی زیر نگرانی حروف تہجی سیکھتے ہیں اور پھر کلام پاک کی مختلف آیات کو رٹتے رہتے ہیں اور ایک سری آواز میں چھوٹے چھوٹے جملوں کو بار بار دہراتے رہتے ہیں تعلیم و تدریس کی یہ نشانیاں اس ملک میں اب بھی پائی جاتی ہیں، یہاں جدید تعلیمی طریقوں سے کام نہیں لیا جاتا، بچوں کی نفسیاتی تحلیل اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا نو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عثمانی عہد میں ابتدائی تعلیم کی طرف تھوڑی بہت توجہ کی گئی، اور ابتدائی تعلیم کا ایک مرکزی نظام انھیں کی سیات میں قائم ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں ابتدائی مدارس میں تعلیم پانے والے بچوں کی تعداد ۵۰۰ تھی، پہلی عالم گیر جنگ انگریزوں کا اقتدار بحال اور عراق دولت عثمانیہ سے بکھر کر برطانیہ کے زیر نگیں آگیا، انگریزوں کی اس عسکر کا کامیابی سے جدید و قدیم کی فکر مٹی، پرانی اندنی تہذیب کے میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں نئی تعلیمی اور سماجی سرگرمی شروع ہو گئی، ترکی زبان کی بجائے عربی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا، یہ ایک خوش گوار تبدیلی تھی، اس کے ایک فائدہ یہ ہوا کہ بچے اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق زبان کو جلد سیکھنے میں کامیاب ہونے لگے، عربوں نے واو کو ترکی زبان میں وہ حرارت جلد حاصل نہیں ہو سکتی تھی، اپنی زبان میں کہی ہوئی باتیں براہِ دل و دماغ پراثر کرتی ہیں اور صرف اسی پرکتفا نہیں کیا گیا ابتدائی مدارس کی تعلیم کی طرف بھی توجہ کی گئی، اس طرح ۱۹۱۵ء میں ۱۵۰۰۰ بچے پبلک ابتدائی مدرسوں میں پڑھنے جانے لگے، انگریزوں، ایشیاء تعلیم کو فروغ دینے یا انھیں متدن بنانے کے لئے نہیں آیا تھا، ہوس ملک گیری اور اپنے سیاسی اور اقتصادی استحکام کے لئے آیا تھا، جس طرح ہمارے یہاں وہ اسلامی تہذیب و تمدن اور ملی ثقافت کی تباہی کا موجب عراق بھی اس دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکا، یہی وجہ ہے کہ جو تعلیمی نظام اس ملک میں رائج ہوا، اس مقصد تعلیم کی اشاعت نہیں تھا، انھیں تو محض خانہ پری کرنی تھی وہ کر دی گئی، ۱۹۲۵ء میں پہلی عراقی پارلیمنٹ انعقاد ہوا، اور دراصل یہیں سے عراق میں ابتدائی تعلیم کو پھیلنے کا موقع ملا، ۱۹۳۵ء میں پبلک ابتدائی مدارس کی تعداد ۳۵۰۰۰ تھی اور ان میں پڑھنے والے طلبہ کی تعداد ۷۵۰۰۰ کے لگ بھگ تھی حتیٰ کہ عراق کی تعلیمی حالت بہت کافی سدھر چکی تھی وقت کے رجحان اور قومی ضروریات کے پیش نظر تہ

مدارس کی تعداد ایک ہزار تھی اور ان مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کی تعداد ... ۱۷۵۰۰۰ ہے۔ یہ ترقی فی الواقع قابل قدر ہے، اس سے عراق کے ملی شعور اور ترقی پسند علم کے جوش کا پتہ چلتا ہے۔

تعلیمی قانون مجریہ ۱۹۲۹ء کی رو سے عراق میں ابتدائی تعلیم کو لازمی اور مفت بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ کہ مدرسوں میں داخل ہونے والے طلبہ کی عمر کم سے کم چھ سال ہوگی، یہ لازمی اور مفت تعلیم ان اضلاع میں جبری کی جائے گی جنہیں وزارت معارف منتخب کرے گی، لیکن اس تحریک کے اجرا کا دار و مدار تعلیمی لوازمات کی فراہمی پر منحصر ہوگا، اس قانون کی رو سے جو والدین اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے میں ہذا مت کریں ان پر ۲ دینار جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔ مسئلہ میں عراقی نظام تعلیم کسی حد تک منظم اور مضبوط ہو چکا تھا، اس کی ترتیب و تنظیم طریق تدریس، نصاب اور مدارس کا نظم و نسق غیر منظم نہیں تھا، یہ نظام تعلیم براہ راست وزیر معارف کے زیر اہتمام ہوتا ہے اور نصاب تعلیم آمدنی اور خرچ کا وہ خود ہی نگران ہوتا ہے، ابتدائی تعلیم کی نگرانی کے لئے ایک ناظم اعلیٰ ہوتا ہے اور ہر صوبے میں علیحدہ علیحدہ صوبائی ناظمین ہوتے ہیں اور یہ صوبائی ناظم دراصل وزارت معارف کے نمائندہ ہوتے ہیں، مقامی حکومتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، یہ براہ راست مرکزی حکومت کے تابع ہوتے ہیں اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عراق کا نظام تعلیم مرکزی ہے اور ایسا مرکزی جس میں علاقائی اور صوبائی حکومتوں کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ وزارت معارف کا صدر دفتر بغداد میں ہے۔

لازمی تعلیم کی موجودہ حالت | عراق میں لازمی اور مفت تعلیم کا قانون ۱۹۲۹ء میں منظور عام پر آیا، لیکن لازمی اور مفت تعلیم کا اب تک کوئی اہتمام نہیں ہو سکا اس میں اس ملک کی پس ماندگی اور اقتصاد کی مشکلات کو بھی دخل ہے، اس وقت ابتدائی مدارس میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد کا تخمینہ ... ۵۵۰۰۰ ہے لیکن ان میں سے صرف ... ۱۷۵۰۰ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، تعلیمی قانون مجریہ ۱۹۲۹ء کے فوراً بعد ہی لازمی اور مفت تعلیم کے منصوبے کو کامیاب بنانے کی کوشش کی گئی، مگر یہ منصوبہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکامیاب رہا، اس ناکامی کے کچھ وجوہ ہیں، اول یہ کہ والدین کی کثیر تعداد غفلت اور نادار ہے، چھ سات سال کے بچے خاندان کے

استحکام میں بڑوں کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں، اس تھوڑے سے فائدے کے پیش نظر بچوں کو اسکول بھیجنے بجائے کھیتوں اور گلوں میں کام کرنا زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ بیشتر خاندان نیم بدویانہ حالت میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، سوم یہ کہ ان علاقوں میں اساتذہ نادرہائش کا کوئی معقول اتمام نہیں ہے، اس لئے بالعموم اساتذہ یہاں رہنا پسند نہیں کرتے، ان عاجی اور اقتصادی اسباب سے قطع نظر مقامی عدالتیں بھی کسی قانون شکن کے خلاف اقدام کرنے سے لڑیں ان رہیں، مقامی زمینداروں نے اس تحریک کو اپنے مفاد کے منافی سمجھا چناں چہ انہوں نے اس کی مخالفت ہی نہیں بلکہ بعض مقامات پر مقابلہ بھی کیا۔

ان ناکامیوں کے باوجود روشن دماغ اور بالغ خطر عراتی اپنی اس کشت ویراں سے بالکل مایوس نہیں ہوئے، انہیں معلوم ہے کہ مٹی زرخیز ہے صرف سازگارا آب و ہوا کی ضرورت ہے، تعلیمی ترقی کی راہ میں جو مشکلات پیدا ہو رہی ہیں یہ وقتی ہیں، اگرچہ لازمی اور مفت تعلیم کے پھیلانے میں ملک کے موجودہ سیاسی مالی اور اقتصادی عوامل بھی مانع ہیں، ایک منظم تعلیمی نظام کے لئے وقت، روپیہ اور موزوں حالات کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، صرف قوانین کے نفاذ سے قوموں کی حالت میں تغیر پیدا نہیں ہوتا، تغیر قانون پر عمل کرنے سے ہو سکتا ہے، اور عمل احساس کے بغیر ناممکن ہوتا ہے، بعض عوامی ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ ایک قلیل عرصے میں لازمی ابتدائی تعلیم کے نفاذ میں کامیابی ہو جائے گی، محال کہ اس احساس کے حاملین کی تعداد بہت مختصر ہے، توقع کی جاتی ہے کہ قومی معقیات اور ملکی ضروریات، ان کے لئے ایک سازگار ماحول پیدا کر سکیں گی، کبیروں کی تعلیم کی توسیع و اشاعت ہی ملک کی فلاح و بہبود کی ضامن ہو سکتی ہے، اگر تعلیم کی اشاعت میں سب سے پہلی سہی عالم رہا تو کسی معقول نتیجے کی امید نہیں کی جاسکتی، عراق دوسرے کم ترقی یافتہ ممالک کی طرح جذبات و احساسات سے سرشار زندگی کی شاہ راہ پر گامزن منزل کی طرف راہروہ رہا ہے، مالی اور اقتصادی اعتبار سے بے مایہی، لیکن انکار و خیالات میں جو انقلاب آ رہا ہے، اسے ایک نئے نظام کے قیام کا پیش خیمہ تصور کیا جاسکتا ہے اس وقت قدیم اور جدید کی فکر اور زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے، عسراق مغربی و مشرقی وجہانات فکر کے اس دور سے پرکھ رہا ہے، ملک کی عام فلاح کس میں ہے؟ اور کس قسم کا تغیر

اس ملک میں بسنے والوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے، یہ وہ سوالات ہیں جو اس کی فضاؤں میں گونج رہے ہیں خیالات کے اس بہتے ہم سے دھارے کو دیکھ کر ایک عراقی ماہر تعلیم نے کہا ہے تعلیمی جدوجہد کے آغاز کے لئے موجودہ دور سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

لیکن تعلیمی جدوجہد کا جائزہ لینے سے پہلے اس کی تعلیمی ضروریات کا تجزیہ ضروری ہے موجودہ تعلیمی حالت کیسی ہے اور موجودہ نظام ان ضروریات کو پورا کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے، ان کامیابیوں اور ناکامیوں کو معلوم کرنے کے بعد ہی ملک کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی حالات کے پیش نظر لازمی اور مفت تعلیم کا صحیح مقام متعین کیا جاسکتا ہے، ہمارے ملک کی تعلیمی حالت عراق سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے، اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اخبار اور برقیہ تعلیمی خبریوں کے شعلعلق اٹھے سیدھے بیانات سے اس درد کا مداوی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ اس تعلیمی ضرورت کو شدت سے محسوس کرنے کے باوجود ہمارے ارباب حل و عقد نے بھی کوئی مناسب قدم نہیں اٹھایا، عراق کی تعلیمی حالت کا جائزہ لینے سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ دونوں ممالک کے بنیادی مسائل کسی حد تک ایک ہیں، اختلاف ہے تو ماحول اور طریق بود و ماند کا۔

تعلیمی ضروریات عراقی بچوں کو تعلیم کی ضرورت ہے اور ایسی تعلیم کی جو انہیں ان کی اپنی زبان، تاریخ، جغرافیہ اور حساب وغیرہ سے روشناس کرا سکے، لیکن صرف حروف شناسی اور لکھنا پڑھنا ہی مفید نہیں ہوتا، اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں میں ايمان خاطر پیدا ہو سکے اور ان کے کردار کی صحیح تربیت شخصیتوں کی تشکیل کے لئے اچھی تعلیم گاہوں کی ضرورت ہوتی ہے، عراق بچوں اس ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے حسب مقتدرہ بہت کچھ کر رہا ہے، عراق کا موجودہ تعلیمی ضروریات یہ ہیں۔

(۱) شخصیتوں کی تربیت اور یہ احساس و شعور پیدا کرنا کہ تعلیم کا مقصد محض سرکاری ملازمتوں کا حصول نہیں ہے بلکہ زندگی کی صحیح قدروں کو بوسے کا رلاتا ہے۔

(۲) جانوروں کے رکھ رکھاؤ کا تجربہ جو لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اور کھیتوں میں کام کرتے ہیں، ان کے لئے جانوروں کے رکھ رکھاؤ کا علم اور اس پر عمل کرنے کا سلیقہ ضروری ہے۔

(۳) صنعتی اداروں میں کام کرنے کے لئے ٹیکنیکی عبادت۔

(۴) قومی استحکام کے لئے اچھے شہریوں کی تربیت۔

ان میں سے بعض خصوصیات تو اعلیٰ تعلیم کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہیں لیکن ابتدائی مدارس میں ذہنی اور نیبیدی طور پر طلبہ کو وقت کے تقاضوں سے روشناس کرنا ہو گا، ان نیبیدی تعلیمی ضروریات کے علاوہ عراق کی تمدنی معاشرتی، سماجی اور اقتصادی زندگی کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کے لئے کچھ ضروریات اور بھی ہیں، ان سے آنکھیں ہوند کر ملک ترقی نہیں کر سکتا، ان میں سے پہلی ضرورت محاذوں میں تعلیم کی حقیقی اور عملی توسیع و اشاعت ہے، اور ایک ایسے ملک میں جس کے مستقبل کا انحصار اس کی ذریعہ ترقی پر ہے، دیہاتی تعلیم کو معقولیت اور حقیقت سے قریب تر لانے میں ہی اس کے استحکام و بقا کا راز مضمر ہے۔ مسئلہ میں مندرکیشن رپورٹ شائع ہوئی، اس میں زراعت کی سقیم حالت کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے، اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ عراق اپنے فطری وسائل کو اب تک کام میں نہیں لاسکا، زراعت بحیثیت سائنس ایک جدید چیز ہے۔ یہاں اس سائنس سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، زراعت کے طریقے پرانے اور فرسودہ ہیں جو لوگ محاذوں میں رہتے ہیں اور ان کا سرمایہ حیات ہی زراعت ہے، ہزاروں بس پرانے ذریعہ طریقوں پر قانع ہیں، اگر ان پرانے اور دور از کار طریقوں کی جگہ ذریعہ مشینوں سے کام لیا جائے تو ملک کی اقتصادی حالت بھی بہتر ہو جائے، لوگوں کا معیار زندگی بھی بلند ہو جائے اور دوسری سماجی اور اخلاقی بیماریاں بھی دور ہو جائیں، لیکن ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں کچھ اتنا فرق نہیں ہے، محاذوں میں تعلیم کی توسیع و اشاعت کے پہلو بہ پہلو قبائلی علاقوں میں بھی تعلیم کی اتنی ہی ضرورت ہے، جس ملک کی ۱۸ صوبائی آبادی نیم بدویانہ زندگی بسر کرتی ہے، ان کی تعلیمی ضروریات کو پورا کئے بغیر اس کے تعلیمی اتق کو دوست نہیں دی جاسکتی، مندرکیشن نے اپنی رپورٹ میں ان کی تعلیم و اصلاح کے متعلق بہت سے طریقے اور انہیں مستقل ذریعہ زندگی قریب لانے کے وسائل بیان کئے ہیں، دراصل ان کی تعلیم و اصلاح کے لئے ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جو تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاح کا بھی جذبہ رکھتے ہوں۔ رفتہ رفتہ مدرسوں کا قیام عمل میں آئے، یہی مدارس سماجی رجحانات اور تعلیم بالغاں کے مراکز کا بھی کام دیں گے، جہاں سے علم کی روشنی

نہیں کرتا ایک اور غیر متحد گوشوں کو بھی منور کر دے گی۔

تعلیمی اور سماجی ضروریات کی تشریح کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عراق
تعلیمی نظام کی کامیابی کے موجودہ نظام تعلیم کو اپنے مقاصد کے حصول میں کس حد تک کامیابی ہوئی
 اس کے لئے عراق کے شہری اور دیہاتی اسکولوں کے نظام تعلیم اور طریق تدریس کا جائزہ لینا ہو گا۔
 شہری ابتدائی اسکول:-

برصغیر کے صدر مقام میں کثیر تعداد میں اسکول موجود ہیں، ہر اسکول میں ۳۰۰ سے لے کر ۵۰۰ بچے
 تعلیم حاصل کرتے ہیں، لڑکے اور لڑکیوں کے مدارس علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں، مذہبی اور سماجی لحاظ سے مخلوط تعلیم
 بھی نہیں سمجھی جاتی، جماعتوں میں ۳۰ سے لے کر ۶۰ طلبہ ہوتے ہیں، سب سے کم تعداد تھپٹی جماعت میں
 ہوتی ہے، عراق کے ان اسکولوں میں اب تک اچھی عمارتوں اور اچھے فرنیچر کی کمی ہے، روشنی کا نظام
 ہی معقول نہیں ہوتا، اور اس کے گرد و پیش کا ماحول صاف ستھرا اور معیاری نہیں ہوتا، بعض اوقات یہ بھی
 دیکھنے میں آیا ہے کہ بچوں کی ابتدائی جماعتوں میں ستر ستر بچے ہوتے ہیں اور ایک ڈیک پر دو بچے
 بیٹھتے ہیں، ان ڈیسکوں کی ساخت بھی جدید تعلیمی معیار کے مطابق نہیں ہوتی۔

ابتدائی مدارس میں جماعتوں کے چھ مدارج ہوتے ہیں، بچے ایک درجے سے دوسرے درجے میں
 ترقی پاتے رہتے ہیں، ان مدارس کے اہتمام کی ذمہ دادر مگر کی حکومت ہوتی ہے، کیوں کہ عراق میں اب تک
 تعلیمی تقسیم کا فقدان ہے، سال کے آخر میں امتحان ہوتا ہے اور اگر بچہ مقررہ معیار پر پورا اترتا ہے تو اسے
 اگلے درجے میں ترقی مل جاتی ہے، جو بچے امتحان میں ناکامیاب ہو جاتے ہیں انہیں مزید ایک سال اسی
 درجے میں دہنا پڑتا ہے، یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ان مدارس کے اساتذہ بہت زیادہ محنت کرتے ہیں۔
 انہوں نے جماعت کے درمیان میں مدرس کھڑا ہو کر تقریبی انداز میں یا سوال و جواب کی صورت میں بچوں
 مدرس دیتے ہیں، اس طریق تدریس میں ایک خامی یہ ہے کہ اس میں بچوں کو بولنے کا کم موقع ملتا ہے
 اور جب بچوں کو سوچنے کا موقع نہ دیا جائے گا تو وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کبھی کامیاب
 نہیں ہو سکیں گے، اگر عراقی اسکولوں کی اس خامی کا ہم اپنے مدارس کی تدریسی خامیوں سے مقابلہ کریں تو یہ

واضح ہو جائے گا کہ اگر اس سلسلے میں عراق پس ماندہ ہے تو کم کچھ زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہیں، مقررے سوالات و جوابات بچوں کو زندہ دل اور روشن دماغ نہیں بنا سکتے، انہیں تو ہر کام میں جھد لینا چاہئے بچوں میں اپنے مسائل کو آپ حل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا مدرسین کا اہم فرض ہے، صنعتی دست یا آرٹ کی تعلیم کا کوئی اہتمام نہیں، البتہ جسمانی تربیت کے سلسلے میں جو نصاب مقرر ہے وہ اپنی اسے میں دو جہد سے زیادہ قریب ہے۔

دیہاتی اسکول

دیہاتوں میں مدرسوں کی عمارتیں اور زیادہ خراب و مستہ حالت میں ہوتی ہیں، بالعموم ان مدرسے میں تین کمرے ہوتے ہیں اور ہر کمرے میں ۲۰ سے لے کر ۴۰ طلبہ بیٹھے ہیں اور جہاں تک روشنی اور تغلق ہے ان مدرسوں کی حالت شہری مدرسوں سے بھی گئی گزری ہے، شمالی صوبوں میں کچھ مدرسے پتہ بنائے گئے ہیں لیکن زیادہ تر کچی اینٹوں کی عمارتیں دیکھنے میں آتی ہیں اور جنوبی علاقے میں تو بالکل چھوٹے چھوٹے جھونپڑے ہوتے ہیں جن میں بچے تعلیم و تربیت کے لئے جمع ہوتے ہیں، شہری دیہاتی اسکولوں کا نصاب تعلیم ایک ہی ہوتا ہے مگر اس میں خود حرج کی طرح کا استعمال بالکل معدوم۔ بچے بالعموم ڈیسکوں پر بیٹھے بیٹھے اپنا پورا وقت صرف کر دیتے ہیں بعض دیہاتی مدرسوں میں بچے اپنی مکمل نہیں کر سکتے، پڑھنے والوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ وزارت معارف اس علاقے میں کو اسکول نہیں کھول سکتی، ان اسکولوں میں مدرسے کا کوئی اپنا باغ نہیں ہوتا، نہ خوش نما پھولوں کی بڑھتی ہیں اور نہ دل خوش کن رہتیں۔

لازمی تعلیم کی عدم موجودگی اور مدرسوں میں دیر سے داخلے کی وجہ سے بچوں کی عمریں بہت تازہ ہوتا ہے، ایک ہی جماعت میں مختلف عمر کے بچے تعلیم پاتے ہیں، اور اس میں شہری اور دیہاتی اسکول دونوں برابر کے شریک ہیں، مدرسین یہ کوشش ضرور کرتے رہتے ہیں کہ بڑے چھوٹے سبھی تعلیم ہو سکیں، وجہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے سبھی منسی خوشی ایک خانہ دان کی صورت میں کام کرتے ہیں، دوسری نمایاں خصوصیت ان مدارس کی یہ ہے کہ عراق میں سماجی امتیازات کا نام و نشان نہ

اس طرح عراق کی بہت سی تعلیمی اور سماجی ضروریات بقدر استطاعت پوری ہو رہی ہیں، ان میں ضروریات ایسی بھی ہیں جن پر ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی گئی، لیکن عراق کا یہ کچھ کم شان دار کارنامہ میں ہے کہ خس و خاشاک سے شروع کر کے اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق ایک نظام تعلیم کے قیام میں کامیاب ہو گیا، حسب ذیل خاکے سے اس کی تعلیمی ضروریات اور ان کی تکمیل کا صحیح تصور مل جاتا ہے۔

عراق میں پبلک اور نجی مدارس

مدیرین کی تعداد		طلبہ کی تعداد		مدرسوں کی تعداد				
سرکاری	نجی	سرکاری	نجی	سرکاری	نجی			
۸۵	۴	۸۸	۱۹۱	۲۴	۱۹			
۲۵	۱۳	۲۴	۱۹	۲۴	۱۹			
۳۱	۹	۲۴	۱۹	۲۴	۱۹			
۵۴۴	۳۳ - ۲	۴۰۸۳	۱۳۸۴۲	۲۵۲۲۲	۴۲۲۲۰	۴۳	۴۱۳	۱۹
۴۰۸	۳۵۲۵	۴۱۴۱	۱۳۳۸۴	۲۴۴۸۲	۴۲۱۱۲	۴۴	۴۳۵	۱۹
۵۹۱	۳۴۵۲	۴۲۹۹	۱۲۸۷۳	۲۴۲۲۳	۴۳۲۲۱	۴۴	۴۴۱	۱۹
۵۳۲	۳۹۴۹	۴۰۰۸	۱۰۹۹۴	۲۵۴۲۸	۴۱۴۹۴	۴۴	۴۸۸	۱۹
۴۰۴	۴۳۲۲	۴۲۲۲	۱۲۲۵۴	۲۲۲۴۱	۴۴۲۹۴	۸۰	۸۴۱	۱۹
۴۰۴	۴۲۹۱	۴۰۵۹	۱۲۸۲۸	۲۲۰۱۴	۴۴۹۴۰	۸۱	۹۰۷	۱۹
۴۵۰	۴۴۴۹	۴۹۴۴	۱۳۴۹۳	۲۸۰۴۸	۹۰۲۱۹	۸۳	۹۲۲	۱۹

۹۵۷	۲۹۷۰	۷۷۱۸	۱۲۱۳۶	۳۰۶۲۵	۹۸۵۲۰	۹۰	۴۴۷	۱۹۲۶۱۷۷
۶۷۹	۵۲۱۷	۷۸۰۸	۱۵۳۱۸	۳۶۲۵۰	۱۰۶۹۰۲	۹۰	۱۰۱۶	۱۹۲۷۰۲۸
۶۷۶	۵۷۷۲	۸۰۶۲	۱۶۹۹۸	۳۵۱۲۵	۱۱۲۶۶۹	۱۰۶	۱۰۲۲	۱۹۲۸۰۲۹

۱۹۲۹ء کے اختتام تک ابتدائی اسکولوں میں طلبہ کی تعداد ... ۷۵۱۷۷ تھی اور ابتدائی جماعتوں میں پڑھنے والے بچوں کا تخمینہ کم سے کم ۷۵۰۰۰ ہے، جب باقی ... ۷۵۷۵ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے تو لازمی ابتدائی تعلیم کے امکانات قوی ہو سکتے ہیں، ان اعداد و شمار سے یہ نہیں معلوم ہو سکے گا کہ ابتدائی مدرسوں میں پڑھنے والے بہت سے ایسے طلبہ بھی ہوتے ہیں جو اپنی تعلیم کی تکمیل سے پہلے ہی مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو محض دو یا تین سال کی تعلیم کے بعد اپنے مدرسوں سے دستبردار ہوتے ہیں، ۱۹۲۶ء میں عراق کے ایک ماہر تعلیم نے حکومت اور عوام کی توجہ اس قومی حادثے کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔

» اپنی تعلیمی تک دو دو میں ابھی عراق اس منزل پر نہیں پہنچا کہ یہاں لازمی تعلیم کا قانون علی صحت اختیار کر سکے، اس قانون میں کوئی ایسی دفعہ نہیں ہے جو والدین کو مخصوص عمر کے بچوں کو اسکول بھیجنا کے لئے مجبور کر سکے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے بچے ابتدائی مدارس میں داخل ہی نہیں ہوتے اور جو داخل ہوتے ہیں ان میں سے بہت چھوٹی سی تعداد اپنی تعلیم مکمل کرتی ہے، زیادہ تر بچے درجہ اول سے لے کر درجہ ششم تک تعلیم حاصل کرتے ہیں، اس سے وقت و محنت اور روپیہ دونوں برباد ہوتے ہیں، ایک دوسرے عراقی ماہر تعلیم نے طلبہ کے جو اعداد و شمار پیش کئے ہیں وہ زیادہ واضح اور صحیح ہیں، ۱۹۲۶ء میں ... ۲۲۰۰ طلبہ ابتدائی مدرسوں میں داخل ہوئے، ان میں سے ۱۶۰۰ دوسری جماعت اور ... ۴۰۰ تیسری جماعت تک پہنچ سکے، تعدادیوں ہی گھٹتی رہی، یہاں تک کہ چھٹی جماعت صرف ... ۱۰۰ کے داخل ہوئے، ۱۹۲۷ء میں ان ... ۱۰۰ کے داخل ہوئے، اس سے کم ابتدائی تعلیم پوری تعداد میں اس کمی کی سب سے بڑی وجہ تعلیم کا نصابی اور غیر عملی ہونا ہے، کتابی تعلیم طلبہ کے لئے ان کی آمد زندگی میں اتنی مفید نہیں ہوتی اور اس تعلیم پر طلبہ کی آئندہ زندگی کا انحصار ہوتا ہے، اگر انھیں کچھ ایسی چیز

ہمارے حاصل نہ ہو سکی کہ حصول تعلیم کے بعد وہ اپنی روزی بھئی لگا سکیں تو تعلیم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ نہایت اخلاق کو بھی پست کر دیتی ہے، اس میں شک نہیں کہ عراق میں طلبہ کی تعداد اور مدرسوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے لیکن بچوں کی غیر مکمل تعلیم اس نظام کی ترقی میں مانع آتی ہے، اس ملک کی خوش قسمتی ہے کہ اب عوام بھی تعلیم کی ضرورت کو زیادہ سے زیادہ محسوس کر رہے ہیں، بغداد اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بہت سے ابتدائی مدرسوں کی عمارتیں چوبیس گھنٹے میں دو مرتبہ زیر استعمال آتی ہیں، اس سے تعلیم کی بڑھتی ہوئی مانگ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، صوبائی ناظمین کی رپورٹ سے بھی اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ عمارت اور جگہ کی قلت کی وجہ سے بہت سے طلبہ داخلے سے محروم رہ جاتے ہیں، جہاں تک بنیائی تعلیم کا تعلق ہے حالات کم و بیش وہی ہیں جو ۱۹۳۶ء میں منرولکیشن نے بیان کئے تھے مثلاً قبیلہ سمر کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار ہے لیکن ان کے یہاں کوئی مدرسہ موجود نہیں ہے۔

نصاب تعلیم اور طریق تدریس کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابتدائی مدرسوں کا نصاب طلبہ کی استعداد سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے تعلیم کا انحصار زیادہ تر کتابوں پر ہوتا ہے، یا مگر کالے کی صورت میں سوال جواباً تدریس ہوتی ہے، حسب ذیل دیگر کم سے اس کا ایک واضح تصور سامنے آسکتا ہے۔

ہفتہ دار اوقات

مضامین

درجہ اول	درجہ دوم	درجہ سوم	درجہ چہارم	درجہ پنجم	درجہ ششم
۴	۲	۳	۳	۲	۲
۱۱	۱۲	۱۰	۱۰	۶	۶
-	-	-	-	۶	۶
۶	۶	۶	۶	۵	۵
۶	۶	۶	۶	۶	۶
-	-	-	-	۱	۱
۳	۳	۴	۴	۴	۴
۴	۳	۳	۲	۲	۲

درب اور قرآن کریم

عربی

انگریزی

ساب

خارجی اسباق اور حقائق صحت

جزائریہ اور تاریخ

اخلاقیات اور شہریت

ڈرائنگ اور دست کاری

موسیقی

یہ پروگرام ظاہر سمجھت ہی عمدہ اور اپنی ترتیب و تعلیم میں ناضل اندازہ قدر کا حامل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن فی الواقع بچوں کے لئے مفید نہیں ہے، اگر اس کی تفصیلات کا پورا جائزہ لیا جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس بچوں کے لئے تعلیم بالعلل کا کوئی اہتمام نہیں اور ان کی روزمرہ کی ضروریات سے بھی آنکھیں بند کر دی گئی ہیں۔ پڑھنے کا طریقہ رٹنا اور کچھ دینا ہے بچوں کو خود سیکھنے اور مطالعہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ان میں خود اعتمادی اور عورت نفس کیسے پیدا ہو سکتی ہے بعض مدرسوں میں انگریزی کی تدریس میں ڈرامہ کا استعمال استعمال کیا جاتا ہے لیکن دوسرے معنایں کی تدریس میں جدید تدریسی طریقوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی جاتی، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ یہ مدارس خامیوں کا مجموعہ ہیں، ابتدائی مدرسوں میں کچھ اچھائیاں بھی ہیں، مدرسین میں بھی جوش و ولولہ اور کام کرنے کا جذبہ ہے، لیکن پھر بھی یہ مدرسے ابھی اس مقام پر نہیں پہنچے کہ کسی غریب یا ترقی یافتہ ملک کے مدرسوں سے آنکھیں ملا سکیں، ابتدائی تعلیم کی ترقی میں وزارت معارف نے جو سبک زیادہ نمایاں کام کیا ہے وہ کم سے کم وقت میں تربیت یافتہ اساتذہ کی فراہمی ہے۔ تربیتی اداروں سے جو مدرسین تربیت حاصل کر کے باہر نکلتے ہیں ان کی سالانہ تعداد ۷۵ ہوتی ہے، اس تعداد میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، مگر ان مدرسین کی تعلیمی پس منظر کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کم سے کم آدھے ایسے ہیں جنہیں عمدہ ثانوی تعلیم بھی میسر نہیں آ سکی ہے جو اپنی ثانوی تعلیم کی تکمیل کے بعد تربیتی اداروں میں داخل ہوتے ہیں، وہ ایک سال تک کسی ثانوی اسکول سے منسلک تربیتی ادارے میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، محاذوں کے اساتذہ کی تعلیم کے لئے علیحدہ کالج ہوتے ہیں:

گذارش احوال واقعی

منظور احسن عباسی

میں کالا کلونا بھی تھا اور دُبلا تپلا بھی، اس ظاہری بے وجاہتی کے علاوہ مجھے اپنی کہتری کا احساس بھی تھا، کیونکہ میں نے بہت اعلیٰ تعلیم نہ پائی تھی اور نہ مجھے چھوڑیہ روشن ہوا تھا کہ میں عام فرار سے بے بہرہ نہیں ہوں میری عمر ابھی ۲۰ سال کی تھی کہ ایک ہائی اسکول میں بطور ہیڈ ماسٹر مقرر ہوا۔ میری پہلی ملازمت تھی اور یہی آخری بھی کیوں کہ یہ اسکول جو متحدہ پنجاب کے معیاری ہائی اسکولوں میں سے ایک تھا۔ بالآخر کالج بن گیا، مجھے اُس کالج میں معلم فارسی کے طور پر منتخب کیا گیا، اور وہیں سے مدت ملازمت ختم کرنے کے بعد نیشنل پریٹنٹرز ہو گیا تھا۔

مجھے ندامت اور مایوسی کا نہایت کلیف دہ احساس رہے پہلے اُس وقت ہوا جب میں نے اپنی ملازمت کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنے بعض شاگردوں کو باہم زیر سرگوشی کرتے ہوئے سنا۔

— ”یو جولا کا سامولوی آیا ہے یہ ماسٹر..... کا مقابلہ کیا کر سکتا ہے“

— دوسرے نے کہا۔ ”وہ تو پہلے ہی کہتے تھے کہ میرے بعد فارسی ختم سمجھو“

— تیسرا بولا۔ ”اُس کو تو کچھ بھی نہیں آتا، میں تو کبھی اس کو سلام نہیں کرتا، اور نہ اس کے لئے

کھڑا ہوتا ہوں۔“

یہ تیسرا ایک طویل القامت نوجوان مسلمان تھا، میں اُس کے ان الفاظ سے نہایت محزون ہوا ہوں کہ اُس نے پہلی ملاقات میں گرم چوڑا بنہ تپاک سے کام لیا تھا اور میرے ساتھ غیر معمولی دل چسپی کا

اظہار بھی کیا تھا، لیکن اب وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا؟ میں اس کا سبب سمجھنے سے قاصر تھا، لیکن مجھے اس اندیشہ سے ایک مخفی اذیت محسوس ہو رہی تھی کہ میں شاید ایک لائق استاد نہیں ہوں، ورنہ لڑکے مجھے ایسا نہ کہتے، آخر وہ میرے دشمن تو نہیں ہیں؟ میں اُس معیارِ قابلیت کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر تھا جو پہلے پیش رو اساتذہ نے ان کے سامنے پیش کیا۔ بہر حال ان حالات کا ذمہ دار لڑکوں کی بجائے خود اپنے تئیں سمجھتا رہا، یہاں تک کہ اس روز تمام رات میں اپنے نقائص کی جستجو میں ہی لگا رہا۔

اگلے روز میں نے اس تیسرے لڑکے کو جسے اُس کے ساتھیوں کی طرح یہ معلوم نہ تھا کہ میں نے ان کی گفتگو سن لی ہے، جماعت کے کمرے میں تنہا بیٹھا ہوا دیکھا اور اچانک اندر چلا گیا اور اُس کو بلا کرنے میں میں نے پہل کی پھر خیریت پوچھی، اُس نے غیر متوقع نیاز مندی سے جواب دیا، اور میں چلا آیا مجھے خوب یاد ہے کہ تیسرے روز جب جماعت کے کمرے میں داخل ہوا تو میں نے دانستہ اُس طرف غور نہ کیا تھا، لیکن میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ بہترین میرے التفات کا منتظر تھا، میں نے دیکھا کہ جو میری نظر اُس پر پڑی وہ غیر شعوری طور پر کھڑا ہو گیا۔ اور جبکہ کمرہ سلام بجالایا، میں نے عام استادوں کی طرح جواب دیا، اُس دن کے سالہا سال بعد بھی جب وہ ہائی اسکول کا لچ بنا اور میں اُس میں بطور پروفیسر و تیار ہوا وہ فوجانہ مجھ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے طلباء کی ٹولی میں شامل رہا، اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اس وقت بھی جب وہ اپنے شہر کا مینسپل کشر، آنریری مجسٹریٹ، ایک بڑی جائداد کا مالک اور قوم کا لیڈر بن چکا کسی موقع پر بھی اُس نے مجھے سلام میں سبقت کا موقع ہی نہ دیا۔

ہر چند کہ میرا یہ طرز عمل جس کی تدفینیت کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا۔ اُس لڑکے کی ناک و نوش کے لئے ایک نقد مراجعت ثابت ہوا، لیکن اس قسم کے اخلاقی مظاہرہ دل کو خاص اغراض کے ادا کار بنانا جیسا میں نے کیا تھا ہر حال میں درست نہیں ہے، بلکہ صحیح دستور العمل یہ ہے کہ مدرسہ تعلیم پر دیباہی اور دانش مندی کو اپنی فطرتِ ثانیہ بنالے تب ہی کامیاب ہو سکتا ہے، ورنہ ایسی بات خواہ کتنی ہی فائدہ مند ناچ کی حامل ہوں ریا کادی میں شامل ہیں۔

میرا شاہد بجالوہر پر پڑانے اور گھاگ معلین میں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ میری تمام عمر درس و تدریس

شغل میں بسر ہوئی، میں ایک غیر تربیت یافتہ استاد کی حیثیت سے ملازمت میں آیا اور بالآخر فنی تربیت پانے والے اساتذہ کی جماعت کا معلم بھی رہا۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ اس سلسلہ میں جو نتائج میں نے اخذ کئے ہیں وہ یقینی یا واقع بھی ہوں۔

میں نے فن تعلیم و تربیت کی بابت جو کچھ سیکھا یا جو کچھ سکھایا اس کی انادی حیثیت میرے نزدیک ہمیشہ مبہم رہی، البتہ میرے تمام تجارب کا کتبِ نصاب صرف ضبط و نظم کے باب میں "اعلیٰ اخلاق" اور تعلیمِ مذہب کے لئے اعلیٰ قابلیت کا ہونا ضروری ہے، اگر کسی استاد میں یہ دونوں باتیں ہوں تو شاید ان ذرائع کو عام میں لانے کی بہت کم ضرورت پڑے جنہیں علمِ تعلیم کی فنی تربیت کا ہوں میں سکھایا جاتا ہے، اور جن کا عقدہ ایک مدرس میں انہیں دو خصوصیات کی تربیت ہے، علمِ تعلیم کے ادارے اس لحاظ سے بھی بغیر ہیں کہ ان کی بدولت بعض فنی دشواریوں کو حل کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے لیکن اس سے ہون انکار کر سکتا ہے کہ مدرس کی ذاتی صلاحیت کو تعلیم کی اصل غرض و غایت کے حصول میں جس قدر دخل ہے لسی اور چیز کو نہیں ہے، میں نے باادقات غیر مستند الفطرت اساتذہ کو علمِ تعلیم کا مستند ہونے کے باوجود بھی غیر تربیت یافتہ مدرسین سے کسی پہلو سے متنازع نہیں پایا۔

نئی تربیت کے تمام شعبے مدرسین کی غمش کلامی، زد و کوب، طلباء کے ذہن پر غیر ضروری دباؤ ڈالنے یا ایسی حرکات کے ارتکاب سے جو ان کی غیرت نفس کے خلاف ہوں سخت بے ذرا ہیں، لیکن خود میرے اسکول کے تربیت یافتہ عملہ میں ایسے متعدد بزرگ تھے جو ادنیٰ جماعت کے طلباء کے سامنے بھی گندی گالیاں بکھینچنے اور لالچوں اور لالٹوں سے پٹینے کے عادی تھے، کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ صورت حال اسکول کے عام ضبط کے نقائص کا نتیجہ ہو، لیکن یہ مجھے خود اس بات کا ایک دوسرا ثبوت ہے کہ مہیا یا سطر صاحبِ تربیت ہونا بے کار تھا۔

میں نے خود اگرچہ بدخلق کا تاثر شدید ظاہر نہ کیا، تاہم کبھی کبھی طلباء کو سخت سست کہا ہے سزائیں دی ہیں، جرم مانے کئے ہیں اور بیٹھا بھی ہے، مگر مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اس قسم کی حرکتوں سے بھرہ امتحانی جذبہ کی تسکین کے اور کوئی ناکوہ کبھی نہیں ہوا، میں نے اکثر اپنے تشددانہ اقدامات کا محاسبہ کیا

لیکن مجھے ایک نظیر بھی ایسی نہ ملے جس میں طلباء سے زیادہ میں قصور وارانہ ثابت ہوا ہوں۔

ایک لڑکے نے میرے استفسار معنے پر غالب کے شعر

موت کا ایک دن مسّین ہے • نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

کا وہ مطلب بتایا جو مصاب اُردو کی شرح میں درج تھا، یعنی موت کے دُور سے نیند نہیں آتی، مجھے اس جواب پر سخت غصّہ آیا، کیوں کہ میں نے ایک روز پہلے ہی بڑے اہماک سے اس نظم کو پڑھایا تھا، لیکن جب غور کیا تو روشن ہوا کہ میں نے درحقیقت پڑھانے کے وقت تشریح مطالب پر اتنا زور نہ دیا تھا جتنا کہ اس کی اہمیت پر کہ یہ شعر ضروری ہے، امتحان میں آئے گا، لوگ غلط مطلب بتاتے ہیں، تم سے پوچھوں گا، غلط بتایا تو سزا پاؤ گے وغیرہ۔ اس موقع پر بھی میرے مزاج کی برہمی کا سبب طالب علم کا غلط جواب نہ تھا۔ بلکہ درحقیقت اس غلط جواب کا وہ پہلو تھا جس کا تعلق براہ راست میرے جذبہ خود پسندی کی تحقیر و توہین سے ہے اس بات کا افسوس نہ تھا کہ اُس نے غلط جواب دیا بلکہ اس بات پر عتاب تھا کہ اُس نے میری تہدید کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا۔ میں نے اکثر بد اخلاق اساتذہ کے عتاب و خطاب میں یہی جذبہ کارفرما دیکھا ہے، اس مرض میں مدارسِ تختانیہ کے مدرسین سے لے کر کالج کے اعلیٰ معلمین تک مبتلا پائے جاتے ہیں، تشخصِ جرمِ ان کی رپورٹوں کو دیکھئے اُن میں بیشتر یہی لکھا ہوا ملے گا کہ ان طلبہ نے دوبارہ مضمون نہیں لکھا، یا گھر کا کام پورا نہیں کیا، یا میرے کہنے کے باوجود جماعت سے غیر حاضر رہا ہے۔ یا فلالِ حکم نہیں مانا ہے وغیرہ لیکن اساتذہ نے اس بات پر غور کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی کہ ان طلباء کی معذوری کے واقعی اسباب کیا تھے، مجھے بسا اوقات اُن طلباء پر سخت غصّہ آتا تھا جو انگریزی کے مضامین تو مقررہ عنوانات پر لکھ کر لے آتے تھے مگر فارسی ترجمہ کی کاپی لانی بھی بھول جاتے تھے لیکن اس غصّہ کے حقیقی اسباب میں علاوہ خود پسندی کے ایک غیر شعوری ثنائیہ لڑک و حسد بھی تھا، حالانکہ ان پست جذبات کو درسِ تدریس کے باعث غلِ عالیہ سے کوئی نسبت نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مدرس کو بعض اوقات ایسے طلبہ سے سابقہ پڑتا ہے جن میں فطری بلاوت و ذنانت کے باعث یا کثیف ماحول اور بنیادی سوء تربیت کی وجہ سے رشد و ہدایت اور استفادگی ممکن

منفرد یا مضمحل ہو جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے عناصر خود درس لکھا ہوں گے صحت مند اجسام میں جو اشیاء مرض کا اثر رکھتے ہیں، لیکن ان کا علاج بھی تلخ اور جراثیم کش دوائیوں سے نہیں بلکہ دل پسند اخلاق اور جہاد خصوصی کے ذریعہ سے ہی کیا جاسکتا ہے، ایک طالب علم خواہ کتنا ہی ذیال کا رکھوں نہ ہو اس کا رابطہ استاد کی نسبت جماعت کے دوسرے طلبہ کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے، جو اس سال لڑکے عمام انسانی نفرت کے ذریعہ پیش نظر معافی کی جانب راغب اور دوسرے نتائج سے بے تعلق رہتے ہیں اس لئے کبھی ”یورڈ استاد“ کو ”گھر چلے“ پر ترجیح دینا پسند نہیں کرتے کسی ایک طالب علم پر اگر استاد جبر و تشدد یا تادیب و تعزیر کے طریقے استعمال کرتا ہے تو گویا چند دوسرے طلباء کو اس کا ہم درد بنادیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کش مکش خواہ وہ تادیبی سلسلہ میں ہو جب استاد اور شاگرد کے درمیان پیدا ہو جاتی ہے تو بالآخر متعلقہ ادارے کے تمام انتظامی عناصر غلہ ہو کر علموں میں پھیل کر ناقابل حل مشکلات کا باعث بن جاتی ہے، لہذا ایسے مولدوں میں اساتذہ کو نہایت احتیاط اور پیش بینی سے کام لینا چاہئے، ایسی خطاؤں یا حین کا اثر دوسرے طلباء پر پڑا پڑتا ہو سزا دینا میرے خیال میں اکثر کامیاب ثابت ہوتا ہے، ایسی صورتوں میں استاد کے خلاف متحدہ محاذ بنانے میں بھی طلباء ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ مجھے کچھ عرصہ ڈل کی جماعتوں کو پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ چھوٹی جماعت کے لڑکوں میں چغلی اور شکایت کی عادت ہوتی ہے، میں نے اس عادت کی اصلاح کے لئے یہ نظم خود یہ لاجواب ترکیب سوچی کہ ان لڑکوں سے یا تو پرس کو ناہی چھوڑ دیا جن کے خلاف شکایت کی جاتی، لیکن یہ طریقہ کلام بالآخر نہایت غلط ثابت ہوا۔ کیوں کہ اس ڈھیل سے بعض لڑکوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا، بعض کو مایوسی ہوئی، اور کچھ ایسے بھی تھے جو مجھ سے متنفر ہو گئے۔ اور چند ایسی صورتیں بھی پیش آئیں جن میں خود مجھے اپنے طریق کار کی مخالفت کرنی پڑی، برعکس اس کے جب کبھی میں نے شکایتوں کی تصدیق کے بعد مناسب سزاجوہر کی تو اس کا بہت اچھا اثر پڑا، لڑکوں کو خود اپنے ہم جرمیوں کی شہادت پر اپنی غلط کاریوں کا احساس ہوا، اور محنت کی رائے عامہ ہمیشہ میرے طریق کار کے حق میں رہی جس سے تعلیمی مقاصد میں طلباء کا

خاص تعاون حاصل ہوتا رہا اور نہایت ہی عجیب بات یہ ہوئی کہ جنیل ٹوری کی قبیح عادت کا سد باب بھی اسی طرح ہوا کیوں کہ کچھ عرصہ بعد جنیل اور شکایت کے عادی طلباء کے ساتھ دوسروں نے پہلے تو خود ہی باہمی کچھ تصفیہ کر لیا اور پھر محتاط ہوتے چلے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے دوسرے انتظامی شعبوں کے حکام کی طرح تعلیمی اداروں کے اساتذہ کی زندگی بھی عجیب و غریب تجارب سے بھرپور ہوتی ہے۔ ان کو مختلف ذہنیات اور لیا اوقات متضاد لمبائے سے بیک وقت جوچارہنا پڑتا ہے، ظاہر ہے کہ دلایا کی ذہنی اور فطری استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ ملکات باطنی کی فعلی و انفعالی قوتیں بھی ظروف و احوال کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، لہذا بعض مخصوص حالات کی پیش آمد سے جو نتیجے اخذ کئے جاتے ہیں وہ ہر حال میں صحیح نہیں قرار دئے جاسکتے، اس لئے جب تک کسی خیال کی مسلسل اور متواتر تحریروں سے تصدیق و توثیق نہ ہو سکے وہ خیال خیداں معتبر نہیں ہے۔

میری ابتدائی تعلیم کسی کنڈرگارڈن اسکول میں نہیں ہوئی تھی، مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے قاعدہ بنیادنی کس اور قرآن حکیم کب اور کیوں کر ختم کیا، غالباً یہ سب کچھ گھر میں ہوا، لیکن ملازمت کے وقت بھی مجھے ”الحمد“ کے ساتھ الف لام زوآں کے سیم زبر ختم ”والہمیش“ ”الحمد“ یاد تھی اتفاق سے ملازمت کے پہلے ہی سال میں مجھے ہیڈ ماسٹر صاحب نے ابتدائی جماعتوں کے امتحان کا انچارج بنادیا، میں نے پہلی جماعت کے ایک لڑکے سے ہتھے کرنے کو کہا اُس نے جواب دیا الف زید بے آت جیم زو الف جا۔ آت جا۔ یہ جواب میرے اپنے نقطہ نظر سے صریحاً غلط معلوم ہوا، لیکن میں نے جلد ہی دانش مندی سے یہ اندازہ لگالیا کہ اس مدرسہ کا طریق تعلیم کچھ ایسا ہی ہے، ایک پرانے تربیت یافتہ مدرس سے اس باب میں گفتگو ہوئی، انہوں نے کہا بھلا الف بے زو اب کہنا کیوں صحیح ہے جب کہ زو صرف الف پر ہے، میں نے کہا اگر زو صرف الف پر ہے اور بے الگ تھلک آ تو اب کو آ بے کیوں نہیں کہتے؟ اگرچہ میرا جواب چندال معقول نہ تھا لیکن مدرس صاحب موعوب ہو کر خاموش ہو گئے، یہ امر بعد میں منکشف ہوا کہ سررشتہ تعلیم نے بعد یہ طریق تعلیم کی بنا پر ہتھے کے پڑ

لیئے کو بند کر کے جدید طریقے کو جاری کیا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ اب مدارس میں کیا طریق رائج ہے لیکن ف ذر بے آٹ مجھے اب بھی غلط ہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حرکت نہ صرف ایک حرف کو آواز میں ملتی ہے بلکہ اُسے حرف مابعد سے مربوط بھی کر دیتی ہے، اس لئے الف بے ذر آٹ کے معنی یہ ہیں کہ ف کو بے کے ساتھ بواسطہ حرکت ذر ملایا گیا ہے، اور اس طرح "ا" اور "ب" جو دو مختلف حروف تھے ایک مخلوط آواز آٹ میں منتقل ہو گئے، گویا ذر سے نہ صرف الف متاثر ہے بلکہ بے بھی بالواسطہ ناثر ہے اور الف بے ذر آٹ کہنا ہی صحیح ہے لیکن جہاں ایچے کا وجود ہی دیکھو اور بوٹو کے جدید طریقہ کے ماتحت سرے سے مٹا دیا گیا ہو وہاں یہ بحث بے معنی ہے۔

مسجد کے مکاتب میں یا کسی میاں جی کے زیر تعلیم جماعت میں الف بے کی تقطیع دو اقسام میں حائی جاتی تھی، پہلے پچھے الف سے ی تک حروف ابجد کو زبانی یا کسی قدر پہچان کے ساتھ رٹ لیتے تھے، پھر الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ ت کے اوپر دو نقطے وغیرہ آخر تک رٹوایا جاتا تھا لیکن اس طرح رٹوانے کی بجائے مختلف طریقوں سے حروف ابجد کو ذہن نشین کرنے کی تہمت تھی ترکیبیں یاد ہو رہی ہیں چنانچہ بچوں کی آسانی اور دل چسپی کے لئے مٹی کے مختلف نمونوں، کارڈوں اور تصویروں کا کام لیا جاتا تھا، اور بعض صورتوں میں حروف کے نام سے قطع نظر صرف آوازوں پر اکتفا کیا گیا ہے ان کہیں یہ بھی ہوا ہے کہ حروف ابجد کی تعلیم کو ہی ضروری نہیں سمجھا گیا، درحقیقت یہ سب تجارب تھے سررشتہ تعلیم نے اس باب میں مخلصانہ کوششوں سے بھی کام لیا ہے، میں نے خود بھی انہیں طریقوں استعمال کرنا اپنے زیر تربیت اساتذہ کو سکھایا اور اساتذہ کو سیکھنے میں نہایت جاں نشانی کرتے ہوئے دیکھا، لیکن بیشتر ان طریقوں کے استعمال کو صرف افسران سررشتہ تعلیم کے معائنوں کے لئے محفوظ ناجاتا تھا، مدارس کی داخلی زندگی میں اس کا سراغ بہت کم ملتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ پرانی روش کے بنوں اور موجودہ عہد کے معیاری اسکولوں کے اجد خواں طلباء کی سطح استعداد میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا مجھے ایک بار سخت تعجب ہوا جب ایک معمولی لفظ کے مجھے میری فورتھ ایگلاس کا کوئی طالب علم نہر سکھا، علم کی زندگی میں یہ واقعہ ایسا ہی حیران کن ہے جیسا مسلمانوں کا کلمہ طیبہ سے ناواقف ہونا، پچھلے نو

ایک دین کے قریب جن میں اکثر گریجویٹ تھے بس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ باہمی طور پر وقت گزرنے کے لئے کلمہ طیبہ سے واقفیت کا امتحان کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اتنے اشخاص میں صرف دو ایک ہی ایسے تھے جنہوں نے لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کا ٹھیک تلفظ کیا، ورنہ کسی نے مُحَمَّد کہا تو رسول اللہ غلط کہہ دیا کسی نے رسول اللہ کہا تو مُحَمَّد غلط کہہ دیا، اس کا سبب یہ تھا کہ ہمارے موجودہ معاشرہ میں کلمہ طیبہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی طرح چونکہ دُترتی کاروبار میں بھیجے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لئے کام چلا جا رہا ہے اور غالباً اسی لئے جدید تعلیم کے اصلاحی رجحانات میں بھی کلمہ طیبہ کو نہیں دی جاتی یعنی اگر کسی عبارت کو فرسٹر صحیح پڑھنا آتا ہے لیکن بھیجے نہیں آتی تو فی الواقع اصل مقصد کو نقصان نہیں پہنچتا، لیکن سوال یہ ہے کہ ”پڑھنا“ سیکھنے کے لئے طریق ہیما کے ترک و اختیار میں سے کون سا بہتر ہے منطقی دلائل یقیناً طریق جدید کی حمایت کرتے ہیں، لیکن مشاہدہ اس کے برعکس ہے، اُتنا کی قابلیت، فصاحت اور توجہ صرف ہم ہی تین طریقے تعلیم کے تمام طریقوں میں مقدم ہیں، الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ رٹانے والے اساتذہ اگر فصاحت اور توجہ سے اسی طریق تعلیم کو چیلے رہیں تو اس سے بھی وہی نتیجہ برآمد ہوگا اور ہوتا رہا ہے جو کنڈرگارٹن کے ذریعہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، بلکہ میرا تجربہ یہ ہے کہ پرانے طریقے میں حروف کی شکل اور ساخت کو بچوں کے ذہن پر مرتسم کرنے کی زیادہ صلاحیت موجود ہے۔ جس وقت بچہ حیم کے پیٹ میں ایک نقطہ کہتا ہے تو اس کے ذہن پر ج کی شکل کا پورا پورا نقش کھینچ جاتا ہے، برخلاف اس کے جسم کا تصور دلانے کے لئے خاکوں اور تصاویر سے کام لینے کی زحمت کا نتیجہ با اوقات یہ ہے کہ مثلاً حرف حیم کی مرکزی حیثیت خاکوں اور تصاویر کی طرف منعطف ہو جاتی ہے، لڑکے یہ تو جان جاتے ہیں کہ ج سے جہاز بن جاتا ہے، لیکن جہاز بذات خود کیا چیز ہے اور حیم سے کیوں کر بنتا ہے، اس کا سمجھنا ایک طرف استاد کو ناقابل عبور مشکلات میں ڈالتا ہے، اور دوسری طرف طلباء کے ذہنی انتشار کا باعث بن جاتے ہیں، برخلاف اس کے پرانے طریق تعلیم میں حیم کی شکل لڑکوں کے پیش نظر ہے، اس کا پیٹ بھی سامنے ہے اور اس کے بیچ میں نقطہ بھی نظر آتا ہے، اس کے جہاں حیم کی پیٹ دار شکل ذہن میں آتی ہے، وہاں نقطہ کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے اور یہ بھی معلوم

ہوتا ہے کہ نقطہ کا ایک یا دو یا تین ہونا کیا معنی رکھتا ہے، پھر یہ بھی کہ حرف کی مرکزی حیثیت ذہن سے جدا نہیں ہونے پاتی، لڑکے کی زبان ان الفاظ کے دہرانے سے زیادہ ٹوٹتی ہے، تلفظ صحیح ہوتا جاتا ہے اور اس کا ذہن تصویر سے زیادہ حرف جیم پر ہی مرکوز رہتا ہے، شاید یہی سبب ہے کہ بعض دقیانوسی خیال کے لوگ نئے طریق تعلیم کے زیادہ مداح نہیں ہیں۔

لکھنے اور خوش خطی کے باب میں بھی جدید کوششیں زیادہ کامیاب نہیں ہوئیں، کسی معیاری مدرسہ میں پڑھنے والے طالب علموں کا خط اچھا نہیں ہوتا، میں نے اکثر دیکھا ہے کہ اساتذہ کی پیرو کوششوں کے باوجود چار خطی، "سرسقوں کی نقل سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، بچے بھی کوشش کرتے ہیں کہ جو گوشہ لفظ جس لکیر سے شروع ہوا ہے وہیں سے وہ بھی شروع کریں، لیکن کبھی کامیابی نہیں ہوتی، بلکہ سادہ کاغذ پر ساداتا چار لکیروں سے اچھا لکھ لیتے ہیں، اس کا سبب بھی یقیناً ذہنی انتشار ہے کہ بچے الفاظ کی نوک پلک کو ٹھیک رکھنے کے لئے اپنا ذہن مختلف نقاط خطوط پر مرکوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ کام بچوں کے فطری تلون کے باعث سخت مشکل ہے بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ خود باوجود خوش خط ہونے کے جب چار خطوط کی پابندی کرنا چاہتا ہوں تو یہ خط ہو جاتا ہوں، نہیں معلوم سررشتہ تعلیم نے چار خطی سرشق کے استعمال کی اجازت کیوں دی؟

اس کی بجائے میرے مسلسل تجربوں سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ

صرف ایک لکیر پر بچوں کو اس طرح لکھنے کی ہدایت کی جائے کہ ہر لفظ
نیچے کی جانب سے لکیر کے ساتھ ملتا رہے، البتہ صرف میم ایک حرف
ایسا ہے کہ وہ لکیر کو کاٹ دیتا ہے، میم کے علاوہ تمام الفاظ اس طرح لکھے
جائیں جیسا کہ ان سطور میں ایک نمونہ دیا گیا ہے۔

یہ طریقہ اگرچہ خوش نویسی کے متداول اصول سے کسی قدر مختلف ہے لیکن صفائی و فصاحت اور خوش نمائی کے لحاظ سے نہایت ہی کامیاب ثابت ہوا ہے، کسی جامعیت میں اگر صرف ایک ہفتہ بھی اس طریق کی پابندی کی جائے تو مجموعی طور پر خط کی اصلاح ہو جاتی ہے، پیسہ تجربوں سے میرے

سررشتہ تعلیم کے افسران اس جدید و آسان طریق نوشت سے اس درجہ متاثر ہوئے تھے کہ اس عمل درآمد کے لئے گشتی احکامات تمام مدارس میں نافذ کر دیئے گئے اور غالباً اس علاقہ میں اب تک نافذ ہیں، میں نے کالج کے بدخط طلباء کو بھی یہی ہدایت کی اور اگرچہ ان کی اصلاح نہایت مشکل تھی لیکن تحریر کی خوش نمائی میں جلد نمایاں فرق نظر آنے لگا، اس طریق میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ الفاظ کو گچ گچ کرنے اور اردو ادب پر نیچے لکھنے کی جو مکروہ عادت ہے وہ چھوٹ جاتی ہے۔ اور تحریر بدخط ہونے کے باوجود خوش نما معلوم ہوتی ہے۔

امید ہے کہ مدارس امتحانیہ کے اساتذہ اس تجربہ کو کام میں لا کر محکمہ کو اس کے نتائج سے مطلع فرمائیں گے۔

ہمارے مدارس اساتذہ علم ہندسہ کی تدریس محمد مظفر الدین

اسکول کے مقررین میں سے ریاضی کے عام مقاصد کے زیادہ علم ہندسہ سے حاصل ہوتے ہیں مدارس میں اس کی تعلیم کی غرض وفایت بچوں کی دماغی اور ذہنی تربیت ان کی قوت استدلال کی نشوونما میں سوچ بچار کی صلاحیت زندگی کسائل کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور انہیں حل کرنے کی استعداد پیدا کرنا ہے۔ لیکن جس طریقہ سے یہ ہمارے مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے اس سے بڑھانے کی غرض وفات پوری نہیں ہو رہی، چنانچہ اس کی تعلیم میں اہم نقائص جو اسکولوں میں دیکھنے میں آئے ہیں حسب ذیل ہیں (۱) طبقہ نڈل میں اس کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے۔

(۲) ابتدائی تصورات صحیح اور سچے طور پر نہیں دئے جاتے مختلف مفروضات اشیائے کثرت تصورات دینے کی بجائے شروع میں ہی لڑکوں کو اصطلاحات کی تعریفیں لکھا کر ڈالی جاتی ہیں، جن سے ان کے ذہن میں اشکال کا صحیح اندازہ اور تصور نہیں ہوتا۔

(۳) اصطلاحات کا مطلب طلبہ پر واضح نہیں کیا جا رہا مثلاً متساوی الساقین، متساوی کے معنی لڑکوں کو نہیں بتائے جاتے اور اغلب ہے کہ بہت سے مدرسین بھی اس سے نا آشنا ہوں، اسی طرح متوازی الاضلاع، منہس، مسموع، مٹمن وغیرہ کے مفہوم سے لڑکے نا آشنا ہوتے ہیں اور ان کی تعریفیں جلد ہی بھول جاتے ہیں۔

(۴) مسائل کے حل کو عمل کی وجہ بتائے بغیر طوطے کی طرح رٹا دیا جاتا ہے اور اس کا کوئی درجہ اگر طالب علم کو

بھول جائے تو وہ اسے سوچ نہیں سکتا اور اس کا پورا سوال غلط ہو جاتا ہے۔

(۵) جو کچھ لوگوں کو پڑھایا جاتا ہے اس کو مشقیہ سوالات حل کر کے ذہن نشین نہیں کیا جاتا اور دستمال میں ہی لایا جاتا ہے جس کی وجہ سے لڑکے اسے بے فائدہ خشک اور مشکل خیال کرنے لگتے ہیں۔ اور جلد بھول جاتے ہیں۔

(۶) لڑکوں کو مسئلہ کے ساتھ ساتھ مشقی سوالات نہیں کرائے جاتے ہیں، انہیں یا تو نوں جماعت تک لکھا ہی نہیں جاتا یا اسے اخیر سال کے لئے ملتوی رکھا جاتا ہے، اور پھر بھی تھوڑے سے پیچیدہ پیچیدہ نمونے حل کر کے یاد کرائے جاتے ہیں، جن سے چندال فائدہ نہیں ہوتا، اور طلبہ آسان سے آسان مشقی سوالات بھی حل نہیں کر سکتے۔

(۷) اساتذہ انصاف جماعت میں ختم نہیں کیا جاتا، صرف چند ایسے مشہور قواعد پڑھادیے جاتے ہیں جن کے متعلق استاد کا خیال ہوتا ہے کہ امتحان میں پوچھے جائیں گے۔

(۸) تحریری کام کی درستی نہیں کی جاتی، اگر کی جاتی ہے تو بھی گاہے گاہے محض دستخط کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، باقاعدگی اور احتیاط سے کامیوں کو درست نہیں کیا جاتا، اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اساتذہ نقصان ہوتا ہے۔

(۹) اشکال کی صحت کا مناسب خیال نہیں کیا جاتا، غلط اشکال کو طلبہ سے دوبارہ نہیں کھجایا جاتا، اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا کہ لڑکے نے کون سے غلطو لشوخ، کون سے نقطہ دار یا باریک اور کون سے موٹے کھینچے ہیں۔

(۱۰) عملی کام کی طرف تھوڑی توجہ دی جاتی ہے۔

(۱۱) باوجود اس بات کے کہ لڑکے ہندسہ سال بھر پڑھتے رہتے ہیں، ان میں سے بہت سے طلبہ یہ نہیں بتا سکتے کہ مسئلہ میں دیا ہوا کیسا ہے اور ثابت کیا کرنا ہے یا بتانا کیا ہے، اگر لڑکوں کو مسئلہ کا موضوع اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور پڑھاتے وقت یہ باتیں ان سے پوچھی جائیں تو وہ یہ بتا سکیں گے اور اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

تحلیلی طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا، مدرسوں میں عام طور پر لڑکوں کو ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ثبوت یاد کر دئے جاتے ہیں، اس طرح ان کو بہت سی باتیں یاد رکھنی پڑتی ہیں اور وہ صرف حافظہ سے ہی کام لیتے ہیں اور سوچ، بچاؤ نہیں کر سکتے، یہ ترکیبی طریقہ ہے جس کی وجہ سے طلبہ ہر عمل کی غرض نہیں سمجھتے، ان کو ہر مسئلہ کا عمل یاد رکھنا پڑتا ہے جس کا دماغ پر بہت برا اثر پڑتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا ایک بات بھی بھول جائے تو اس کا سارا عمل غلط ہو جاتا ہے اور وہ سوچ کر اسے خود معلوم نہیں کر سکتا، ذہنی تربیت بھی نہیں ہوتی اور دماغ پر رٹائی کا خواجوا بوجھ پڑتا ہے۔

۱) تجرباتی طریقہ (LABORATORY METHOD) استعمال نہیں کیا جاتا، اگر یہ استعمال کیا جائے تو طلبہ نفس باتیں مثلاً ۸ کی قیمت عملی طور پر استعمال کر سکیں گے، کئی فارمولے انہیں ایسے یاد ہو جائیں گے کہ وہ انہیں عمر بھر نہیں بھولیں گے، ان کے تصورات مکمل ہو سکیں گے۔
۲) جماعت میں تختہ سیاہ پر انشکال کھینچنے کے لئے اساتذہ کے پاس یا تو سامان ہوتا ہی نہیں یا وہ اسے استعمال میں نہیں لاتے۔

ذکورہ بالا تفاعل حسب ذیل طریقہ اختیار کرنے سے رفع ہو سکتے ہیں۔

۱) مڈل کی جماعتوں میں علم ہندسہ کی طرف مناسب توجہ دی جائے گی ریاضی کے فیروں کے تناسب سے پیر میڈلے جائیں، ریاضی کے اس کے فیروں میں سے ہر مڈل اسکول کے امتحان میں ہوتے ہیں، اس لئے اس کے پیر میڈلے میں سے اس کو دینے چاہئیں۔

۲) شروع میں لڑکوں کو اصطلاحات، مثلاً خط مستقیم نقطہ، سطح وغیرہ کی تعریفیں نہ بتائی جائیں بلکہ کچھ مختلف مثالیں لے کر ان کا تصور ان کو دلایا جائے، کہیں کہ اس منزل پر تعریفیں مشکل ہوتی ہیں اور ان کو یاد کرانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ بچوں کے ذہن میں نہیں آتیں، سطح کا تصور اینٹوں کی سطحوں سے دلایا جاسکتا ہے، ایک اینٹ کے ساتھ اور اینٹیں رکھنے سے واضح کیا جاسکتا ہے کہ سطح کو چاروں طرف گھمایا بڑھایا جاسکتا ہے، اسی سے خط مستقیم اور نقطے کا تصور بھی ان کے کناؤں اور کونوں سے علی الترتیب دلایا جاسکتا ہے۔

(۴) اصطلاحات پڑھاتے وقت لڑکوں کو ان کے معانی بھی بتائے سمجھائے اور یاد کرائے جائیں۔ مثلاً
متساوی الساقین تکون پڑھاتے وقت بتایا جائے کہ متساوی معنی برابر اور ساقین ساق کا تشبیہ ہے ساق
کے معنی پنڈلی ہے لہذا متساوی الساقین تکون وہ تکون ہے جس کی دو پنڈلیاں یعنی دو ضلعے برابر ہوتے
ہیں، اسی طرح متوازی الاضلاع مجسم، مدسل، مسطح، مثلث وغیرہ کے معانی بھی بتائے جائیں۔

(۷) مشیقہ کرنا نہایت ضروری ہے، انسانی ہندس میں مشقی سوالات کو حل کرنے سے ہی ریاضی پڑھنے کا مقصد حاصل ہوتا ہے، ان کو حل کرتے وقت سوچ بچار کرنا ہوتا ہے، اس لئے مشقی سوالات کو آخری پایا آخری جماعت میں کرانے کے لئے ملتوی نہ کیا جائے بلکہ شروع سے ہی ہر مسئلہ کے ساتھ ساتھ اس کے متعلقہ سوالات کرائے جائیں، اس طرح کرنے سے مسئلہ بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے اور مضمون بھی طلبہ کو دل چسپ معلوم ہونے لگتا ہے، اس کے ساتھ ان کے دلوں میں دل چسپی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ایک ریاضی دان نے کہا ہے کہ ”جیومیٹری میں طالب علم کی قابلیت اور ترقی کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ مشقی سوالات جو اس کے لئے نئے ہوں کس حد تک حل کر سکتا،“

(۸) تحریری کام کی اصلاح ویسی ہی ضروری ہے جیسے انگریزی یا اردو میں انشاء پر دازی کی اصلاح اہم ہوتی ہے، اگر کسی وجہ سے ہر سوال کو درست کرنے کے لئے وقت نہ ہو تو ۵ سوالات میں سے کم از کم ۲ کی قواعد کا پابندی ہفتہ میں ایک دو دفعہ تو کر دی جائے، اور زیر غلیباں طلبہ کے دلوں میں راسخ ہو جائیں گی، اور انہیں غلط عادت پڑ جائے گی، جسے پھر اتنا نئی عادت ڈالنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، نیز ان کو جواب صحیح طور پر لکھنا آجائے گا۔

(۶) بچوں کو سوال غور سے پڑھنے کو کہا جائے اور پھر ہر مسئلہ کرتے وقت ان سے پوچھا جائے کہ انھیں کیا ثابت کرنا ہے اور دیا ہوا کیا ہے، اگر یہ باتیں اچھی طرح ذہن نشین کی جائیں تو یہ مسئلہ کا عکس بھی ملدیکے بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے اور ان کی ذہنی تربیت بھی ہوتی ہے۔

۷، تشکیلات میں عملی کام کرنا ضروری ہے۔ . . . اس کی مشق خاص طور پر احتیاط سے کرائی جائے، اثباتی ہندسہ پڑھانے کا اصل مدعا یہ ہے کہ لڑکے

بت شدہ اصول کو استعمال میں لاسکیں، امتحان میں اگرچہ ان کا ثبوت طلب نہیں کیا جاتا، لیکن انہیں مانتے وقت استاد کو ثبوت بھی اخذ کرنا یا بتانا چاہئے، اس سے بناوٹ اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے (الف) اشکال صاف اور صحیح ہونی چاہئیں، دیئے ہوئے خطوط یا شکل کو شروع بنوایا جائے بناوٹ خطوط (CONSTRUCTION LINES) کو نقطہ دار یا باریک دکھوایا جائے اور مطلوبہ شکل کو موٹے خطوط میں اہر کیا جائے تاکہ ان میں تمیز ہو سکے۔

(ب) اگرچہ اثباتی ہندسہ میں بالکل ٹھیک سیانہ کے مطابق اشکال نہ بنوائی جائیں تو بھی عموماً ثبوت دینے میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، لیکن پھر بھی بہتر ہے کہ لڑکے یہ آلات کی مدد سے صحیح بنائیں اور بہت غلط قسم کی ہوئیں تو یہ بات طلبہ کے لئے مفید نہیں ہوگی۔

(۸) تحلیل طریقہ (ANALYTICAL METHOD) اختیار کیا جائے کیوں تحلیل سے ہی پتہ چلتا ہے کہ ہندسہ کے حقائق کس طرح معلوم کئے گئے ہیں، مسئلہ کو پڑھانے سے پہلے ان کی تحلیل (۱) کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے کون کون سا عمل ضروری ہے، کون کون سا کرنا چاہئے اور کیوں، اس سے حل صاف ہو جاتا ہے اور اس کے اجزایا درجے واضح ہو جاتے ہیں اور شکل مسئلہ کو آسان مسئلہ میں تبدیل کر لیا جاتا ہے، اگر کوئی لڑکا کسی وقت کوئی عمل بھول بھی جائے تو اس کی مدد سے وہ اسے خود سوچ سکے گا، تحلیل سے مسائل بہتر طریق پر ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور نہ کئے ہوئے سوالات بھی لڑکا کر سکتا ہے، اس سے لڑکوں کے دماغ و حافظہ پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ ان کو خود سوچنا آتا ہے جس سے ان کی عقل تیز اور ریاضی کی تعلیم صحیح ہوتی ہے۔

کتابوں میں ترکیبی طریقہ (SYNTHETIC METHOD) دیا ہوتا ہے اور اس کی مدد سے مسائل حل شدہ ہوتے ہیں۔ اس سے دماغ و حافظہ پر بہت بوجھ پڑتا ہے، اور ساری باتوں کو یاد رکھنا پڑتا ہے جو رٹنے کے مترادف ہے، اس سے ریاضی کی تعلیم کا مقصد قوت ہو جاتا ہے، ہمارے اسکولوں میں بھی اس ترکیبی طریقہ سے اثباتی ہندسہ پڑھایا جاتا ہے، جو لڑکوں میں ریاضی کا حقیقی ذوق پیدا ہونے میں مانع ہے، تحلیل کے بعد ترکیبی طریقہ سے ثبوت لکھایا جائے جو لڑکے خود لکھ سکیں گے، اس کو معرض عمل میں

لانے کے لئے طلبہ کو حسب ذیل حقائق سے بھی آگاہ کیا جائے اور یہ گاہے گاہے ان سے پوچھے بھی جائیں۔
 (ا) خطوط اور زاویوں کو برابر ثابت کرنا ہر دو عام طور پر دو ٹکوں جن میں وہ دیئے ہوئے ہوں منطبق ثابت کی جاتی ہیں، اگر وہ خطوط یا زاویے دو ٹکوں میں مقابل کے ہوں تو وہ ٹکوں کی جاتی ہیں، اور اگر نہ ہوں تو کوئی خط وغیرہ کھینچ کر ان کو بنایا جاتا ہے، جن میں وہ مقابل کے ضلعے یا زاویے ہوتے ہیں۔
 طلبہ کو بتایا جائے کہ وہ اس بات کو مد نظر رکھیں کہ ٹکوں میں چار حالتوں میں برابر ہوا کرتی ہیں۔
 (۱) جب دو ضلعے اور درمیانی زاویے برابر ہوں۔

(ب) تینوں ضلعے ترتیب وار برابر ہوں۔

(ج) دو زاویے اور ایک ضلع برابر ہوں۔

(د) ٹکوں میں زاویہ قائمہ ہو تو ایک ضلع اور دوسرا برابر ہوں۔

(ب) خطوط کے متوازی ہونے کے لئے ان کے متبادلہ یا متناظرہ زاویے برابر ہوں، یا دونوں اندرونی زاویوں کا مجموعہ قائمہ ہوں کے برابر ہوں۔

(ج) کسی زاویہ کو قائم ثابت کرنا ہوتا ہے اس کے متعلقہ سیلینڈری زاویہ کے برابر ثابت کیا جائے۔

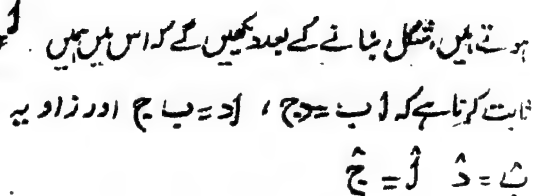
(د) ٹکوں کے تینوں زاویوں کا مجموعہ دو قائمہ کے برابر ثابت کرنے کے لئے ذکر کردہ حاکم اس میں تینوں زاویے بنائے جاتے ہیں۔

(و) خطوط کو متناسب ثابت کرنا ہر دو ٹکوں کو متناسب ثابت کیا جاتا ہے۔

(و) دائرہ میں وتروں کو برابر ثابت کرنے کے لئے مرکز سے ان کے فاصلہ کو یا قوسوں کو برابر ثابت کیا جاتا ہے یا قوسوں کو برابر ثابت کرنے کے لئے مرکز پر پینے والے زاویوں کو برابر ثابت کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح مزید حقائق اکٹھے کئے جاسکتے ہیں۔

پھر تحلیل میں مشق یا مسئلہ کراتے وقت طلبہ سے پوچھا جائے کہ بات ثابت کرنے کے لئے ہیں کیا کرنا چاہئے، نامعلوم کو معلوم اصول یا بات کے ساتھ تعلق دینا، مسائل کو بغیر امداد استاد امداد کی غور و تحلیل کرنا، کو سکھایا جائے، مثلاً (۱) ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ متوازی اضلاع میں مقابل کے ضلعے اور زاویے برابر



بظاہر کوئی تکنون نہیں ہے۔ لیکن اگر θ ج کو ملا دیا جائے تو ایسی دو تکنونیں بن جاتی ہیں، یہ اگر منطقی کر دی جائیں تو ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دو زاویے اور ایک ضلع برابر والا مسئلہ لگ سکے گا اور مطلوبہ ضلع اور زاویے پر پڑ ثابت ہو جائیں گے۔

ننانے کے لئے ج کو ایک طرف اس تک اور دوسری طرف ب ج کو ص تک اس طرح اٹھایا گیا کہ ص
= لآب اور ج ص = ل ج ہو۔ ل ص اور ل ص ملانے سے Δ لب ص Δ ل ج ص ہر دو
متساوی الساقین ہوں گی اور ان کے بیرونی خارجیہ زاوئے لب ج اور ل ج ب اپنے بالمقابل اندرونی
زاویوں کے مجموعوں کے برابر ہوں گے، اس صورت میں ل ش ب ل ص ج ان کے یعنی دیئے ہوئے زاویوں
کے نصف ہوں گے، اس تحلیل کے بعد ترکیبی طریقہ استعمال کیا جائے گا اور وہ حسب ذیل ہوگا۔

دیئے ہوئے خط درما کے برابر ایک خط میں ص لیا، اس کے کونوں میں اودھیں پودے ہوئے زاویے بنائے

اور ان زاویوں کی تعریف کی، ان کے خطوط تعریف کو بڑھایا جس نقطہ (ک) پر وہ ملے وہاں سے دو خطوط (ا) اور (ب) ج میں اور ص کے بیرونی بازوؤں کے متوازی کھینچے حتیٰ کہ وہ ص کو نقاط ب اور ج پر ملیں تو ب ج مطلوبہ تکون ہے۔

(۹) تقرباتی طریقہ بھی طلبہ کی دل چسپی کا باعث ہوا کرتا ہے، شروع شروع میں اسے استعمال کیا جائے مثلاً تکونیں منطبق ثابت کرنے کے لئے طلبہ خود اپنے ہاتھ سے ایک تکون کاٹ کر دوسری تکون پر لگا کر اسی طرح محیطہ اور قطر کی نسبت π علی طور پر ان کی پیمائش کر کے نکالیں۔

اسی طرح دائرہ کا رقبہ، مستطیل، سلنڈر اور مخروط (CONE) کی سطح کا رقبہ، رقبہ چار دیواری، حجم وغیرہ علی طور پر تجرباتی طریقہ سے معلوم کرائے جائیں تو دل چسپی اور پختگی کا موجب ہوں گے۔

(۱۰) جیومیٹری کے مسئلے ایسے طریقہ سے پڑھائے جائیں کہ پہلا پڑھا ہوا مسئلہ نیا مسئلہ ثابت کرنے میں ثابت ہو۔ مثلاً۔ وہ زاویہ جو دائرہ کا قوس اس کے مرکز پر بنائے اس زاویہ سے دو چند ہوتا ہے جو قوس باقی محیط کے کسی نقطہ پر بنے اس کی مدد سے بڑی آسانی سے حسب ذیل مسائل حل اور ذہن نشین کیے جاسکتے



(۱) نصف دائرہ کا ہر زاویہ قائمہ ہوتا ہے۔



(ب) اس قلعہ دائرہ کا زاویہ جو نصف دائرہ سے بڑا ہو زاویہ قائمہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔



(ج) اس قلعہ دائرہ کا زاویہ جو نصف دائرہ سے چھوٹا ہو زاویہ قائمہ سے بڑا ہوتا ہو۔



(د) ایک ہی قلعہ دائرہ میں مختلف زاوے ہوں وہ سب آپس میں برابر ہوتے ہیں۔



(ه) ایک مستقیم محیطہ چوکور کے متقابل کے زاویے سیلیمنٹری ہوتے ہیں۔

(۱۱) مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی خاص نقطہ ہوا کرتا ہے وہ طلبہ کو اچھی طرح بتا کر انہیں خوب دل نشیں کر دیا جائے اور کہا جائے کہ مسئلہ مذکور کو ثابت کرنے کے لئے وہ اس نقطہ کو خاص طور پر اپنے ذہن میں رکھیں۔

ایمیل یا روسو کی تعلیم

تقریر مرزا رزقی

مسئلہ نمبر ۱۸

ایک استاد کو کیا جاننا چاہئے | یہ سب طریقے اس لئے دشوار نظر آتے ہیں کہ یہ سب ہمارے لئے بالکل نئے اور جدید ہیں لیکن حقیقتاً یہ مشکل نہ ہونے چاہئیں، مجھے یہ فرض

لے لینے کا حق حاصل ہے کہ جو کام آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کو انجام دینے کے لئے آپ کے پاس مطلوبہ علم موجود ہے، اور یہ کہ آپ انسانی خیالات کی نشوونما کے نام لٹریچر یا دور سے واقف ہیں اور نئی نوع انسان اور آدمی کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور یہ کہ آپ قبل از وقت یہ جانتے ہیں کہ جو مختلف اشیاء لیاؤنگر آپ اپنے شاگرد کے سامنے لے جاتے ہیں ان کا اس پر کیا اثر ہوگا، آپ کے پاس اوزار بھی ہیں اور ان کے استعمال کا فن بھی کیا اب بھی آپ اپنی تجارت کے ماہر کامل نہیں ہیں؟

بچپن کی سنک اور خام خیالی کے متعلق آپ بڑے غلط تصورات میں بچے کی خام خیالی وغیرہ دودھ کرنے کی مثالیں | مبتلا ہیں؛ بچوں کی خام خیالی جلی نہیں ہوتی بلکہ ناقص تربیت کا

نتیجہ ہوتی ہے؛ بچے غلام ہوتے ہیں یا آقا اور میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ان کو دودھوں میں سے ایک بھی دھونا پکا آپ کے شاگرد میں وہی خام خیالی ہوگی جو آپ نے اس کو سمجائی ہوگی لیکن کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ اس کو کیسے دھونا یا جاسکتا ہے؛ آپ کی ذاتی مستقل مزاجی اور عمدہ روش کے ذریعے دستیاب بھی ممکن ہے ہیت

ہفتوں کے لئے میں نے ایک بچے کی ذمہ داری لے لی تھی، اس کو یہ عادت تھی کہ وہ نہ صرف اپنی ہی کرنی کرتا تھا بلکہ دوسرے بچوں کو بھی اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے پر مجبور کرتا تھا، لہذا وہ متشکی بن گیا تھا، اس نے مجھے پہلے ہی دن آدمی رات کو جبکہ میں بے خیر سو رہا تھا، استمنا اٹھانا چاہا، وہ بستر کے باہر کودا اور ڈریسنگ گاون پہن کر میرے پاس اکھڑا ہوا اور مجھے جگا دیا، میں اٹھا اور خاموشی سے موم بتی جلادی، اس یہی اس کی خواہش تھی، پوچھ گچھ کے بعد اس کو بند لگئی، اپنے پہلے ہی تجربے سے مطمئن ہو کر وہ اپنے بستر پر واپس جا لیٹا، دو دن بعد پھر اس نے اسی کامیابی کے ساتھ اس تجربے کو دہرایا لیکن مجھ میں اس کو بے صبری کی کوئی علامت نہ معلوم ہوئی، جب لیٹے وقت اس نے مجھے بوسہ دیا تو میں نے نہایت شرافت کے ساتھ اس سے کہا ”میرے پیارے ننھے یہاں تک تو سب کچھ ٹھیک ہے، لیکن اب دوبارہ اس کی سعی نہ کرنا“ اس جملے سے اُس کا تجسس بڑھ گیا اور دوسرے ہی دن ٹھیک اُسی وقت وہ پھر اٹھا اور مجھے یہ آڑمانے کے لئے جگایا کہ میں اس کی نافرمانی کی جرأت رکھتا ہوں یا نہیں، میں نے اُس سے پوچھا ”کیا چاہتے ہو“ تو اُس نے جواب دیا ”تند نہیں آتی ہے“ میں نے کہا ”یہ تو پھر تمہارے لئے بہت ہی بُرا ہے“ اور خاموش لیٹا رہا، اس طرز گفتگو سے وہ حیران و پریشان ہونے لگا، اور اٹھ کر ٹوٹا موٹا حقیقات اور فواد کے پاس پہونچا کہ خود موم بتی روشن کرنے کی کوشش کرے، میں نے جب اس کو حقیق اپنی انجلیوں پر مارتے اور رگڑتے ہوئے دیکھا تو مجھے ہنسی آگئی آخر کار یقین کرنے کے بعد کہ حقیق پر قابو حاصل نہیں کر سکتا ہے، اس کو میرے پاس لایا تو میں نے یہ کہہ کر کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی اس کی طرف سے پیٹھ موڑ لی، پھر کیا تھا، کمرے کے اندر ہی اس نے گانا چلانا شروع کیا اور وحشی جانوروں کی طرح کرسیوں سے ٹکراتے بھاگتے دوڑنا شروع کر دیا، لیکن بہر حال اس بات کا خیال رکھا کہ خود کوئی چوٹ نہ کھائے، اگر مجھے جو نکانے کے لئے بللا کر چلانا رہا، ان تمام باتوں کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا، لیکن میں نے یہ انداز لگایا کہ بُرا بھلا سننے اور میری خفگی کے لئے تو وہ ضرور دنیا رہتا، لیکن اس بے اعتنائی اور لاپرواہی کا اس کو خیال بھی نہ تھا۔

میرے صبر کو اپنی ضد و دھڑ کے ذریعہ مغلوب کرنے کی ہر حال وہ ٹھان ہی چکا تھا، اور اس نے اپنا

وغل اس کامیابی کے ساتھ جادہ رکھا کہ بالآخر مجھے بھی غصہ آ ہی گیا، یہ میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا۔
 باطنی غصہ کے اظہار سے سارا کپڑا عطر خاک میں مل جائے گا، لہذا میں نے بالکل مخالفت کی
 لی، میں خاموشی سے اٹھا، دیاسلانی کے کمر کے پاس گیا، وہ نہ ملا تو میں نے اس بچے سے مانگا جس نے
 کامیابی کی خوشی میں فوراً ہی مجھے دے دیا، میں نے دیاسلانی سگما کر موم بتی روشن کی اور اپنے کم عمر
 سے کا ہاتھ پکڑ کر برابر کے ڈریسنگ روم میں لے گیا جس کی کھڑکیاں وغیرہ مضبوطی کے ساتھ بند تھیں
 جس کی کسی چیز کو وہ توڑ بھی نہ سکتا تھا۔ اس کمرہ کے اندر اندھیرے میں اس کو چھوڑ کر میں نے باہر
 بغفل کر دیا، اور خاموشی کے ساتھ اپنے بستر پر آن کر لیٹ گیا، کیا شدید غل چھایا ہے معاذ اللہ! مجھے اسی کی
 فتح ہوئی تھی، اس لئے میں نے اس کا کوئی خیال بھی نہ کیا، بالآخر شدید غل بند ہو گیا، اور میں نے اس کے
 ٹھنے کی آواز سنی تو مجھے اطمینان ہو گیا، علی الصبح ہی میں اس کمرہ میں گیا تو کہا دیکھتا ہوں کہ ٹھنسا سا باغی
 نے پر لٹایا ہوا اس مکان کے بعد کی اشد ضروری ادب گہری تلن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

مسائل یہاں ختم نہ ہوا۔ اس کی ماں کو پتہ چلا کہ بچہ تقریباً دات بھر اپنے بستر کے باہر پڑا ہوا ہے۔
 اس سے سارا بنایا یا کام بکڑ گیا، اس کا بچہ مردے کی مانند بن گیا اور انتقام کا بہتر موقع پا کر اس نے
 ادب بن جانے کا بہانہ کر دیا، ادب خیال نہ کیا کہ اس بہانے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا، اس
 لہذا میں نے ڈاکٹر کو بلوایا، ماں کی بدقسمتی سے ڈاکٹر بھی غلطی طور پر پڑا ہی مسخرہ تھا، اس نے ماں کی سرنگی
 لفٹاٹنے کے لئے اس کی دہشت میں مزید اضافہ کرنے کی بڑی کوشش کی، بہر حال اس نے میرے
 ان میں یہ کہہ دیا کہ آپ مجھ پر کچھ دوا لکھیں میں اس بچے کے بیمار پڑنے کے شوق کا کم از کم کچھ عرصہ تک
 لے لئے علاج کر دینے کا پورا وعدہ کرتا ہوں۔ فی الواقع اس ظالم نے بچے کو بستر پر پڑا رہنے اور غذا کی
 عتیا کرنے کی ہدایت دے کر عطا کے سپرد کر دیا، یہہ دیکھ کر کہ بچے کی ماں کو بجز میرے شخص کو
 دے رہا تھا مجھے بے حد افسوس ہوا، لیکن مجھ سے ہی وہ متنفر تھی، اس لئے کہ میں اسے دھوکا نہ دیتا۔

ماں نے کافی برا بھلا کہنے کے بعد مجھے بتایا کہ اس کا بچہ ناز و نعم کا پورا درود و تمام خاندان کا تنہا دہی
 ایک وارث تھا، اور یہ کہ بہر قیمت اس بچے کی جان محفوظ رکھنی بڑی ضروری تھی اور یہ کہ کسی معاملہ میں مجھ

وہ اس بچے کی مخالفت پسند نہ کر سکتی تھی، اس معاملہ میں مجھے بھی اس حد تک اس سے اتفاق تھا کہ مخالفت کے جو معنی وہ دیتی تھی اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ہر بات میں بچے ہی کی اطاعت کی ہوگی میں نے دیکھا کہ مجھے ماں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرنا ہو گا جیسا کہ بچے کے ساتھ کیا گیا، پس میں نہایت سہمہری کے ساتھ اسے جواب دیا، مگر صاحبہ میں اس سے ناواقف ہوں کہ کسی جاگیر کے دار کو کیوں کہ تعلیم دی جاتی ہے، اور سیکے زیادہ یہ کہ میں اس فن کا مطالعہ کرنا بھی نہیں چاہتا، پس آپ یہ فیصلہ قطعی خیال فرمائیں، چند دن میری اور ضرورت تھی اور باپ نے بھی معاملات ہم دار کر دیئے، ماں نے اتنا سبق کو حیدر واپس آنے کے لئے لکھا اور بچے نے یہ دیکھ کر کہ میرے آداب میں خلل ڈالے اور سیارہ تک پہنچانے سے اُسے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا، بالآخر تندرست ہو جانے اور آرام سے سونا کا فیصلہ کر لیا۔

اس پہلی کی جن جن خود سریوں اور ہٹ دھرمیوں کی یہ تھا سا حاکم اپنے بد بخت اتنا سبق سے پہلے کر اتنا دہناتا تھا، آپ ان کی تعداد کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے ہیں، اس لئے کہ اس بچے کی تعلیم اس ماں کے زیر نگرانی تھی اور وہ اپنے فرزند ارجمند اور وارث صلیبی کی کسی خواہش کی عدم تکمیل کسی حال نہ کر سکتی تھی، جب کبھی وہ باہر جانا چاہتے اسے بھی لے جاتے اور اس کے ہمراہ جانے کے لئے اتنا سبق کو تیار رہنا لازمی تھا، اور اس کے لئے بچہ ہمیشہ ایسے وقت کا منتظر رہنا تھا جبکہ اسے معلوم ہو جاتا تھا کہ اتنا سبق کسی خاص کام میں بے حاد صرف ہے، میرے رات کے سکون کا اتمام دل میں لینے کے بعد مجھ پر اس نے یہی داؤ چلانا چاہا، میں نے اسے بخوشی منظور کر لیا، اور اتنا سبق کو پوری وضاحت کر کے کرا خوش کرنے میں مجھے کس قدر لطف حاصل ہوتا تھا، پھر باوجود اس کے ان تو اہات کے علاج سوال پیدا ہوا تو میں نے ایک بالکل مختلف طریقہ اختیار کر لیا۔

اولاً اسے یہ بتادینا ضروری تھا کہ وہ غلطی پر لگا، پس یہ کوئی مشکل بات نہ تھی، یہ جانتے ہوئے بچہ محض موجودات ہی کی فکر میں رہتا ہے، میں نے دور اندیشی سے باساقی فائدہ اٹھایا، میں اس کے لئے چند نہایت مرغوب شامی مشاغل جیسا کہ دیئے، پس ایک روز میں جبکہ وہ ان میں

میں اس کے پاس گیا اور چہل قدمی کی خواہش ظاہر کی، اس نے انکار کیا میں نے اصرار بھی کیا
 پر کبھی وہ متوجہ نہ ہوا تو میں خاموش ہو گیا، اس خاموشی کو اس نے دل ہی دل میں یاد رکھا۔
 دوسرے دن میری باری آگئی حسب توقع جب وہ اپنے مشاغل سے تھک گیا تو میں نے دانستہ
 دل ہو جانے کا بہانہ کیا جو معاملہ کے تصفیہ کے لئے کافی تھا پس وہ میرے پاس آیا اور میرا کام بند
 عجب سے چہل قدمی کے لئے چلنے کو کہنے لگا، میں نے انکار کیا تو وہ مُصر ہوا۔ بالآخر اس سے کہہ دیا
 اب تک جیسا تم کہتے تھے ویسا ہی میں کہتا تھا۔ اب تم نے خود بتا دیا کہ میں کیا راستہ اختیار
 کروں اب اس وقت تو میں ہرگز باہر نہیں جاؤں گا۔ اس بچے نے جواب دیا۔ اُچھا تو میں غم دہی
 جاتا ہوں۔ میں نے کہا۔ تمہاری خوشی۔ اور پھر میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جب بچے نے دیکھا کہ میں نے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے ذرا جلدی
 ساتھ اپنے کپڑے پہنے اور تیار ہو کر پھر میرے پاس آیا اور جھک کر ایک سلام کیا، میں نے بھی
 اس کا یہی جواب دیا، پھر اس نے مجھے مرعوب کرنے کے لئے مجوزہ معمول کی دانتان سنائی۔ اگر آپ
 نئے تو خیال کرتے کہ شاید وہ دنیا کے دوسرے کنارے کے سفر کے لئے جا رہا ہے، میں نے
 ایت ہی خاموشی اور متانت کے ساتھ اسے خاموشی کہہ دیا میرے اس فعل سے وہ اور بھی زیادہ حیران ہو گیا
 بہن پھر بھی اس نے دل کو سنبھالے رکھا اور جب باہر جانے لگا تو ایک خدمت گار سے ساتھ چلنے کے لئے
 با۔ خدمت گار پہلے ہی سکھا پڑھا دیا گیا تھا اس نے جواب دیا کہ اُسے فرصت نہ تھی اس لئے کہ وہ میرے
 ام میں مشغول تھا اور نیز یہ کہ اس پر پہلے میرے حکم کی تعمیل فرض تھی، تھوڑی دیر کے لئے اچانک وہ بچہ
 بکھلا گیا۔ بھلا اسے یہ کیسے خیال گذر سکتا تھا کہ اسے تنہا باہر جانے دیا جائے گا خصوصاً جب کہ بدعہ
 باطل وہ اپنے آپ کو دنیا کی ایک اہم ترین ہستی خیال کرتا تھا اور اس تصور میں رہتا تھا کہ زمین اور آسمان کی
 چرپیزا سی کی بھی خواہی کے لئے پیدا کی گئی تھی؟ بہر حال اس وقت اس نے اپنی کمزوری کو محسوس کرنا
 شروع کر دیا، وہ یہ جان چکا تھا کہ اب وہ اجنبی لوگوں میں اپنے آپ کو تنہا پائے گا۔ اس نے پیش آنے والے
 خطرات کو پہلے ہی دیکھ لیا تھا، لیکن محض ہٹ دھرمی اور خود سری ہی نے اسے ثابت قدم رکھا، بہت سی

آہستہ آہستہ یہ جبر و ذیضہ سے نیچے اترتا اور بالآخر سرک پر پہنچ گیا اور اپنے دل کو یہ اطمینان دلاتا رہا کہ بہت اگرمے ضرر پہنچ ہی جائے گا تو اس کی ذمہ داری تکلیف مجھ پر ہی رہے گی۔

یہ جو کچھ ہوا بالکل میری توقع کے مطابق ہی ہوا، ہر چیز کا میں پہلے ہی بندوبست کر چکا تھا، اور چونکہ اس میں ایک قسم کے مظاہرہ عام کا سوال تھا، اس لئے میں نے اس کے باپ کی اجازت بھی حاصل کر لی تھی، وہ بچہ شکیل چند ہی قدم گیا ہو گا کہ ادھر ادھر سے پھبتیوں کی آوازیں اس کے کان میں آنے لگیں کوئی بولا بھیا یہ ننھا سا بھلا انس کیسا حسین ہے، اکیلا کہاں جاتا رہا ہے، کہیں کھویا نہ جائے ہیں۔ اپنے گھر بلاتا ہوں۔ دوسرا بولا خبردار دیکھو ایسا مت کرنا تم کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ چھوٹا سا ایک شریک بچہ ہے جسے گھر والوں ہمک نے نکال دیا ہے اس لئے کہ وہ کسی کام کا ہی نہیں ہے، پس! شریک بچے کو بھائی نہیں ہوگا نہ روکنا چاہئے اُس کا جہاں جی چاہے چلا جانے دو۔ پہلے نے جواب دیا۔ خیر خدا مہربان اس بچے کی حفاظت فرمائے، اگر اسے کوئی تکلیف پہنچی تو مجھے بے حد رنج ہوگا۔ اگر بچہ غلطی ہی دور اور آگے بڑھا ہو گا کہ اسے ہم عمر چند شریک بچوں کی ٹولی مل گئی، ان بچوں نے اسے چڑایا اور اس کا مذاق اڑایا۔ الغرض یہ جوں جوں آگے بڑھتا تھا اسے اتنی ہی زیادہ مشکلات درپون ہو جاتا تھا، بے یار و مددگار تنہا ہونے کی وجہ سے وہ ہر کس و ناکس کے رحم و کرم کا محتاج ہو رہا تھا اور اسے زیادہ تعجب تو اس واقعہ پر ہوا کہ اس کے شانے کی گڑ اور زرین فیتے تک کا بھی کچھ احترام نہ کیا۔

بہر حال اس کی نگرانی میں نے اپنے ایک ایسے دوست کے سپرد کر دی تھی جسے وہ نہ جانتا تھا، پوشیدہ طور پر سایہ کے مانند اس بچے کے پیچھے پیچھے ہی نگاہاں اور مقررہ وقت گزرنے کے بعد اس نے گفتگو شروع کر دی پورشیونیک (POURCOUVANCE) کے ڈرامہ میں سرگیا (SBRIGANI) کے لئے ایک نہایت ہوشیار اداکار کی ضرورت ہوتی ہے، میرے دوست نے اس موقع پر اس پاؤٹ کو اس ساتھ ادا کیا کہ بچے کو ڈرائے اور بزدل بنائے بغیر اس قدر غور و فکر کر دیا کہ وہ بچہ اپنی اہم کی طاقت ہو کر آدمے گھٹنے کے اندر ہی اندر میرے دوست کے ساتھ اس قدر شرمندہ اور لاچار ہو کر گھروٹ آیا

ہوئے بھی ڈرتا تھا۔

بچہ کی اس ہزیمت اور شکست کی تکمیل کے لئے میں جبکہ وہ مکان میں داخل ہو رہا تھا اس کا باپ کہیں نے کے لئے ذہین سے اترتا ہوا مل گیا بچے کو یہ بتانا لازم تھا کہ وہ کہاں گیا تھا اور میں اس کے ساتھ وجود نہ تھا۔ اس موقع پر اگر زمین پھٹ جاتی تو بے چارہ بچہ اس میں بخوشی سما جاتا، بہر حال اس کے لئے زیادہ ملامت کی ضرورت محسوس نہ کی بلکہ میری توقع کے خلاف بچے سے نہایت سخت لب و لہجہ سنانے لگا۔ تم جب چاہو اکیلے باہر جا سکتے ہو لیکن ایک باغی اور سرکش کو میں اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔ اگر تم اس طرح جاؤ تو یہ ذہن نشین کر کے جانا کہ پھر واپس نہ آؤ گے۔“

خود میں نے بلا کوئی الزام لگائے یا اس کا مذاق اڑائے ذرا متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اس کا بال کیا، اور اس خوف کے تحت کہ کہیں وہ ہماری اس ایک کم کو بھانپ نہ جائے میں نے اس روز ٹہلنے سے بھی انکار کر دیا۔ دوسرے روز میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ میرے ہمراہ یہ بچہ ان لوگوں کے لئے سے نہایت ناخوشہ شان کے ساتھ گزرا، جنہوں نے ایک روز قبل اکیلا پا کر اس کا اس قدر مذاق اچھا، اب آپ کو یقین کر لینا چاہئے کہ اس کے بعد سے مجھے ساتھ لئے بغیر باہر جانے کی پھر کبھی اس نے نہ دی۔

اس طرز عمل اور اسی کے مانند دیگر ذرائع کے استعمال سے چند ہی دن کے اندر جین میں کہ مجھے کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، اس بچے کو لایعنی سیفول سے پریشان کئے بغیر میں اپنی مرضی کے مطابق اسے کام کرنے اور پیر و نصائح بغیر نامناسب کاموں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گیا، پس جب میں اسے کہتا تھا تو وہ خوش ہوتا تھا اور جب خاموش ہو جاتا تھا تو وہ ڈنڈے لگاتا تھا، کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ مجھے نہ دال میں کالا ہے، اور اس سے سبق حاصل کر کے وہ سنبھل جاتا تھا، اب آئیے ہم اپنے اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ سچ سچ بتا دے کوئی قباح نہیں ہے، کیوں کہ یہ خوب تھا ہے کہ ایسا معاملہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لئے اگر وہ جھوٹ بولنے کی کوشش کرے گا فوراً پکڑا جائے گا۔

طرف پھر رجوع ہوں۔

اس قسم کی درزش سے جسم خود قدرت ہی کی نگرانی میں ماقہور ہو جاتا ہے اور ذہن کو نقصان پہنچاتا اور کفار اس درزش سے محض اسی قسم کی عقل پر داخت ہوتی ہے جس کا نو عمر بچہ اہل ہوتا ہے، یعنی وہ عقل اور سمجھ جو ہر عمر والے کے لئے بے حاضری ہوتی ہے، یہ عقل ہم کو ہماری قوت کا استعمال ہماری ذات ہمارے اس پاس کے دیگر اجسام کے تعلقات میں تمیز اور ان قدرتی اوزاروں کا استعمال سکھاتی ہے جو ہمارے قابو میں ہوں اور ہمارے حواس سے مطابقت رکھتے ہوں، کیا اس بچے سے زیادہ حماقت انجیری کسکیا سے بھی ہو سکتی ہے جس نے اپنی ماں کے سائے میں مکان کے اندر پرورش پائی ہو اور جو وزن اور انداز سے انجان ہونے کی وجہ سے ایک بلند درخت کو اکھاڑنے یا ایک چٹان کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہو، پہلی جب میں جنوبی کی آبادی کے باہر نکلا تو میں نے ایک سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش اور میں نے سالیو اپہاڑ (MONT SULLIOE) پر جو مجھ سے دو میل کے فاصلہ پر تھا پتھر پھینکے، ساد کا ڈار داؤں کے لئے میں ایک مذاق بن گیا، اور مجھے ایک اچھا خاصہ بے وقوف خیال کر لیا گیا، قدرتی فلسفے کے سبق میں یہیں لیور (LEVER) کا استعمال اٹھارہ سال کی عمر میں سکھایا جاتا ہے، حالاں کہ دیہات کا بارہ سال کا بچہ اس کا استعمال کالج کے ہوشیار ترین میکائیک سے زیادہ بہتر جانتا ہے، کھیل کے میدان جو بچے ایک دوسرے سے سبق حاصل کرتے ہیں وہ ان سبقوں سے صد بار درجہ قابل قدر ہوتے ہیں جو ان کے کھیلوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔

ذرا بلی کی طرف خود فرمایئے جب وہ کسی کمرے میں گھستی ہے تو کون سا کونا پھر کمرے کی طرف کو جانچتی ہے، الغرض دم بھر کے لئے نکلی نہیں بیٹھتی اور جب تک جا بچ پڑتا ہے کہ الٹا کر کے الٹینا نہ کر لے ہرچہ ہو کئی دہمتی ہے پس جب بچہ چلنا پھرنا شروع کرتا ہے اور بقول شخصے اپنی ماحولی دنیا کے کھیلوں میں داخل ہوتا ہے تو اس کی بھی حالت ہوتی ہے فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آنکھیں تو دونوں استعمال کرتی ہیں لیکن بچہ اپنا ہاتھ بھی استعمال کرتا ہے اور بلی قدرت کی عطا کردہ اپنی تیز ناک - وہ یہی ذاتی فطرت ہے جو صحیح باعلا تریس کے باعث بچے کو ذہن یا غبی، ہوشیار یا سست اور عقل مند یا بے وقوف بنادیتی

کیوں کہ انسان کا ابتدائی طبعی میلان ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کا اپنے ماحول سے مقابلہ کرے اور جانچے اور ہر چیز جس کا اس سے تعلق ہو جب اس کے سامنے آئے تو اس کے معقول خواص معلوم کرے، اس لئے حفاظت خود اختیاری کے لحاظ سے اس کا پہلا مطالعہ ایک قسم کی عملی طبیعیات کا ہوتا ہے، اس سے محروم کر کے اس سے قبل کہ وہ دنیا میں اپنی مناسب جگہ حاصل کر سکے، بچے کو ذہنی ملامتوں میں مشغول کر دیا جاتا ہے، ہم دیگر اشیاء کے ساتھ اپنے ذاتی تعلقات سے اسی زمانے میں واقف ہو سکتے ہیں جب کہ بچے کے نازک اور لچک دار اعضا ان اجسام کے ساتھ موافقت کر سکتے ہیں جن کے ساتھ کام کرنے کے لئے وہ بیٹے ہیں اور جس وقت کہ اس کے حواس ذکی اور ہنوز تدبذب سے پاک ہوتے ہیں۔ کیوں کہ انسانی ذہن میں ہر شے حواس ہی کے ذریعہ داخل ہوتی ہے، اس لئے پہلا ادراک آدمی کو اس کے حواس کے تجربات ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہی ذہنی ادراک کی بنیاد ہوتا ہے، قدرتی فلسفے کے ابتدائی استاد ہمارے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں ہی ہوتے ہیں، ان کی بجائے کتابیں پڑھنے سے ہمیں کسی قسم کی عقل نہیں آتی ہے، کتابیں ذاتی عقل بخشنے کی بجائے ہیں دوسروں کی عقل کا استعمال یعنی یہ علم کم اور تقلید زیادہ سکھاتی ہیں۔

کسی مہنر کی مشق کرنے کے قبل آپ کو پہلے اوزار حاصل کرنے چاہئیں، اور اگر آپ ان اوزاروں سے اچھی طرح کام لینا چاہتے ہیں تو وہ کافی مضبوط اور پائدار ساخت کے ہونے چاہئیں کسی سلا پر غور و فکر کرنا سیکھنے کے لئے ہیں اپنے اعضا یعنی حواس اور جسمانی آلوں کو جو ذہن کے اوزار ہیں استعمال کرنا چاہئے اور ان اوزاروں سے بہترین کام لینے کے لئے وہ جسم جو ہمیں یہ اوزار عطا کرتا ہے بہت مضبوط اور صحت ور ہونا چاہئے، یہ خیال کرنا کہ اصلی عقل جسم سے علیحدہ پرورش پاتی ہے نہ صرف بالکل غلط ہی ہے بلکہ حقیقتاً اور زشتی اجسام ہی ذہنی عمل کو آسان اور صحیح بناتے ہیں۔

سرکاری جریدہ کے اعلانات

شعبہ — اسکول

زید / ۲۸۳ • مرزا ذالحسین بی لے بی ٹی - پی - ای - ایس (دوم) ڈی - آئی - ایس سننگمری - ۲۶ جنوری ۱۹۵۶ء شاہ لال دین سیٹھی کی جگہ بحیثیت ڈی - آئی - ایس ساکھوٹ تبدیل ہوئے۔

• قاضی محمد نجیب اللہ ایم - لے - پی - ای - ایس (دوم) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول گوجرانوالہ - قاضی کوبر بخش پی ای، ایس (دوم) کی جگہ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز حلقہ ملتان مقرر ہوئے۔

• ایم ندیا احمد قریشی پی ای، ایس (دوم) ڈی - آئی، ایس مظفر گڑھ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء سے چودھری علی محمد پی ای، ایس کی جگہ ڈی - آئی، ایس ملتان مقرر ہوئے۔

• ملک عبد الحمید کچھو گورنمنٹ کالج لاہور - محمد بشیر حسین فیاض پی ای، ایس کی جگہ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ نارمل اسکول لکھنؤ مقرر ہوئے۔

• م - محمد مختار ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول خوشاب - قاضی محمد نجیب اللہ پی ای، ایس کی جگہ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول گوجرانوالہ مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)

• م - مستنصر باللہ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ملتان پی ای، ایس (دوم) کی ایکٹو آسانی پر ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ملتان مقرر ہوئے (۱۰ دسمبر ۱۹۵۶ء سے)

• م - محمد صادق ایم - لے - بی - ٹی مسلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول پسرور - ایس عبدالرؤف کی جگہ ارمین آواز - ایس ساکھوٹ مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)

• م حفصہ عالم - ڈپ - ان - ایجوکیشن (لندن) معلم انگریزی گورنٹ نارمل اسکول حنیوٹ
مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)

• م - عبدالغنی قائم مقام - اے - ڈی - آئی - ایس برائے تربیت جسمانی (لاکھ پور) ام خیر محمد کی
جگہ قائم مقام اے - ڈی - آئی - ایس برائے تربیت جسمانی ڈیرہ غازی خان مقرر ہوئے -

• م - بی بی اللہ خان قائم مقام معلم برائے تربیت جسمانی گورنٹ ہائی اسکول منٹ گمری -

• م - عبدالغنی شیدا کی جگہ قائم مقام اے - ڈی - آئی - ایس برائے تربیت جسمانی لاکھ پور مقرر ہوئے

• م - نور الدین بی لے معلم انگریزی گورنٹ ہائی اسکول بھیرہ - م - عبدالحمید کی جگہ قائم مقام
اے - ڈی - آئی - ایس - شاہ پور مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)

• م - فیروز الدین ایک عیسائی امیدوار - محمد رمضان کی جگہ (جن کا انتقال ہو گیا ہے)
معلم انگریزی گورنٹ ہائی اسکول خانیوال مقرر ہوئے -

• م - سجاد حسین جعفری ایک امیدوار - م - کرم داد کی جگہ ۵ نومبر ۱۹۵۲ء سے معلم انگریزی
گورنٹ ہائی اسکول کہوڑ مقرر ہوئے -

ای / ۲۹ ۳۱ - م - محمد حنیف بی - اے - بی - بی - ایک امیدوار - محمد اکرام کی جگہ (جو تبدیل ہو گئے ہیں) معلم
۶ جنوری ۱۹۵۳ء انگریزی گورنٹ ہائی اسکول لفروال (یا لکوٹ) بشاہرہ (۱۳۰ - ۲۵۰) مقرر ہوئے -

(تاریخ حاضری سے)

ای / ۲۹ ۳۱ - م - محمد بشیر بی - ایس - اسی (زراعت) ایک امیدوار ایک خالی آسامی پر معلم زراعت گورنٹ
۶ جنوری ۱۹۵۳ء نارمل اسکول کمالیہ بشاہرہ (۱۳۰ - ۲۵۰) ایک سال کے لئے فارسی مقرر ہوئے -

• م - حبیب اللہ ایس - وی (زراعت میں تربیت یافتہ) معلم گورنٹ نارمل اسکول کمالیہ

احمد یار پبل کی جگہ گورنٹ ہائی اسکول کمالیہ میں درناکیو لڑچھر مقرر ہوئے -

• م - احمد یار پبل درناکیو لڑچھر گورنٹ ہائی اسکول کمالیہ - م - غلام محمد کی جگہ معلم گورنٹ
ہائی اسکول جڑاوالہ -

ای/۱۴۸۵ م۔ محوینار احمد ایک امیدوارم بشیر الدین بی بی اے بی، ٹی کی جگہ رحن کاتبادلہ بنسٹر ٹاڈل
۵ جنوری ۱۳۸۵ ہائی اسکول میں ہو گیا ہے معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول قصورہ ۵ جنوری ۱۳۸۵ یا
تاریخ حاضری سے۔

ای/۱۴۵۴ م۔ محمد شیدایت، ایس، سی بی اے۔ بی، ٹی۔ ایک امیدوار رحن کے تفریدی کے احکام
۸ جنوری ۱۳۸۵ گورنمنٹ ہائی اسکول ظفر وال کے لئے صادر ہو چکے تھے، چودھری رشید احمد ایم اے۔ بی، ٹی کی
جگہ سائنس ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول جھٹ مقرر ہوئے۔

م۔ محمد مصطفیٰ ارخان۔ بی، ایس، سی۔ بی، ٹی۔ ایک امیدوارم محمد افضل کی جگہ رحن کاتبادلہ
گورنمنٹ ہائی اسکول شیخ پورہ کے لئے ہو گیا ہے۔ قائم مقام سائنس ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول
ظفر وال مقرر ہوئے۔

شعبہ ————— کالج

ای/۱۴۷۷ م۔ نور محمد ایم، ایس، سی (ادل) عارضی لکچرر طبیعیات ڈی مانت مونس کالج سرگودھا۔ ایک
مقررہ ۱۳۸۵ خالی آسامی پر اسی کالج میں قائم مقام لکچرر طبیعیات مقرر ہوئے۔

ای/۱۳۳۲ م۔ اکرام الحق ایم، ایس، سی، لکچرر طبیعیات گورنمنٹ کالج راولپنڈی (آزمائشی) بمبشاہرہ
(۲۲۵ - ۱۵ - ۲۵) ۹ اپریل ۱۳۸۵ سے اپنے عہدے پر منتقل ہوئے۔

زیڈ/۷۹۳ م۔ احسن الہی بی، اے عارضی اسٹنٹ ماسٹر سینئر اسکول۔ لارنس کالج۔ گھوڑاگل۔ ایک
۵ جنوری ۱۳۸۵ خالی آسامی پر بلوڑ آزمائشی ایک سال کے لئے اسٹنٹ ماسٹر سینئر اسکول۔ لارنس کالج گھوڑاگل
(راولپنڈی) مقرر ہوئے۔



پنجاب ایجو کیشنل جرنل

اور

آموزش (اردو)

۱ - پاکستان بھر میں یہ دوهی تعلیمی رسالے ہیں - جنکو سرکاری سرپرستی اور امداد حاصل ہے -

۲ - پاکستان بھر میں یہی دو تعلیمی رسالے ہیں - جو مرکزی اور صوبائی درسگاہوں اور تعلیمی حلقوں میں مقبول ہیں -

۳ - ان رسالوں کے متعلق ادارتی خطوط اور چھپنے والے مضامین ایڈیٹر (پرنسپل) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کو بھیجے جائیں - ان رسالوں میں چھپے ہوئے مضامین، کیلئے معاوضہ دیا جاتا ہے -

۴ - یہ رسالے ہر مہینے کے دوسرے ہفتہ میں چھپتے ہیں اور ان کا چندہ آٹھ روپیہ (انگریزی) اور چھ روپیہ (اردو) ہے - جو کہ منیجر کو بھیجنا چاہئے -

۵ - ان رسالوں میں اشتہار دینے سے آپکی اشیاء مقبول ہونگی - تجارتی معاملات کیلئے خ کتابت منیجر سے کریں -

پنجاب ایجو کیشنل جرنل
آموزش

منیجر

۲ کچہری روڈ - لاہور (پاکستان)



امروز

[مارچ ۱۹۳]

لاہور

[شماره ۱۲]

اس شماره میں

- سائنس کانفرنس : ادارہ
- نوجوانوں کی روحانی تربیت : فضل احمد
- عراق میں لازمی تعلیم (قسط نمبر ۲) : محمد عبدالعزیز
- تعلیمی تراشے : عبدالغفور چودھری
- ہمارے مدارس میں تدریس الجبرا : محمد مظفر الدین
- ہومرلین اور اسکی تعلیمی خدمات : انتصار مہدی
- ایٹلی یا روسو کی تعلیم (سلسل ۱۸) : توقیر مرزا رزق
- تعلیمی دنیا پر ایک نظر : ادارہ
- سرکاری جریدہ کے اعلانات : ادارہ

عبدال

معاونین :

ایم

مدیر : بشیر ہاشمی

تعلیمی ماہ نامہ

آموزش

سالانہ چہندہ

مارچ ۱۹۵۲ء

پاکستان کے لئے ۴ روپے

جلد ۵

غیر مالک کے لئے ۸ روپے

شمارہ ۱۲

قیمت فی پرچہ دس آنے

پبلشرز

یونیورسٹی بک ایجینسی لاہور

ایچ ڈی خالد پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں طبع کرا کے یونیورسٹی بک اینڈ پبلیشنگ ہاؤس کیمپری
شائع کیا

انس کان فرس

۱۴ فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں پاکستان کی پانچویں سائنس کان فرس کا اجلاس شروع ہوا۔
 ن فرس مسلسل چھ دن تک جاری رہی، غیر منقسم ہندوستان میں سائنس کے میدان میں پچھلے پچاس
 سالوں میں جو ترقی ہوئی اور سائنس کی ترویج کے لئے جو ادارے قائم ہوئے وہ سب سب ہندوستان میں
 گئے، اپنی جغرافیائی ساخت کی وجہ سے پاکستان کو اس میں سے کچھ حصہ نہ مل سکا، سائنسنگ
 بنوں اور کتب خانوں کا بھی یہی حال رہا، اس لئے اس ملک میں سائنس کی تعمیر نو کے لئے
 انس دانوں کو سینکڑوں دسواڑیوں کا مقابلہ کرنا پڑا، لیکن اپنی اس بے ناگی کے باوجود انھوں نے
 کوششوں کو جاری رکھا اور سائنس کو فروغ دینے کے لئے دسمبر ۱۹۵۳ء ہی میں ایک ایسی کمیٹی
 بنیاد ڈالی گئی۔

اس کان فرس میں ملکی اور غیر ملکی سندوبین کی تعداد کم و بیش تین سو تھی جن میں برطانیہ امر
 امریکا کی پرنسپل اور دوسرے ممالک کے نمائندے بھی شامل تھے۔ ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء کو
 ماب اسٹینل ابراہیم چندری گر صاحب گورنر پنجاب نے اس کان فرس کا افتتاح کیا اپنی افتتاحی
 تقریر میں آپ نے فرمایا۔ اسلام سائنس کی ترقی میں کبھی مانع نہیں آیا، بلکہ اس نے تو جملہ شاخ حیات
 میں تفصیل علم پر سب زیادہ زور دیا، ادب و یسلم سائنس دانوں کا کام ہے کہ سائنس کی ترقی میں نمایاں
 حصہ لے کر دنیا کے سامنے اپنی ذہنی بلندی کا ثبوت پیش کریں..... سائنس دانوں نے ایک طرف
 علم کو بہت زیادہ وسیع کر دیا ہے اور دوسری طرف انسانوں کو ہلاک کرنے کے لئے خطرناک ایجادیں

انتہیادنیارکئے ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو انسانی تباہ کاری کے لئے استعمال نہیں کریں گے، بلکہ عام انسانی فلاح و بہبود ہی ان کی زندگی کا مقصد ہو گا۔“

اس اجلاس کا سب سے زیادہ نمایاں اور لائق تائید کا نامہ پاکستان سائنس اکادمی کا قیام ہے۔ عزتآباد خواجہ ناظم الدین صاحب و وزیر اعظم پاکستان نے اس اکادمی کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا۔

اس اکادمی کا قیام ملک کی فلاح و بہبود اور اس کی ترقی کی بہت بڑی ضمانت ہے۔ آج اس کانفرنس میں مختلف ممالک کے سائنس دان موجود ہیں، ان کی شرکت سے مجھے اور بھی زیادہ مسرت ہوتی ہے کہ علم و تحقیق آگہی کی تلاش جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہوتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ قیام پاکستان سے ماقبل و مابعد بھی ہمیں دشوار گزار سرحدوں سے گذرنا پڑا، ہمارا ان پریشانیوں کا ایک سبب اچھے سائنس دانوں اور ماہرین فن کی کمی بھی ہے۔ ہمیں ہر کام کو از سر نو شروع کرنا ہے اور نئے جوش و دلولہ اور عزم و ہمت کے ساتھ پاکستان کی ترقی و ترقیر کے غیر محدود امکانات کو دیکھ کر ہمیں یہ بجا طور پر محسوس ہوتا ہے کہ جو کام ہم نے شروع کیا ہے اس کے سامنے ایک شاندار مستقبل ہے اور مجھے انتہائی خوشی ہے کہ پاکستان کو ایک ترقی یافتہ مملکت بنانے میں ہمارے سائنس دان بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔“

تحصیل، تحقیق، علم کا حوالہ دیتے ہوئے خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ”اسلامی نظریہ حیات کی سب سے بڑی خدمت زندگی کے مادی اور روحانی پہلو کو ہم دارا و متوازن رکھنا ہے، ہمارے یہاں سائنس اور مذہب میں ایسے متباہن، متنازع اور بے جوڑ رجحانات کا اندیشہ نہیں ہو سکتا جس نے مغرب میں ناخوش گوارہ صورت حال پیدا کر دی۔ آج ہر سائنس دان، فلسفی، اور سیاست دان کی زبان سے ہم یہی سنتے ہیں کہ سائنس اور دوسرے علوم میں تو انسان نے کمال حاصل کر لیا ہے، لیکن اس مادی ترقی کی نسبت ابھی ہم میں اتنی اخلاقی بلندی نہیں پیدا ہو سکی، لوگ اس حقیقت کو بیان تو کرتے ہیں، مگر اب تک کسی نے اس مرض کا کوئی علاج تجویز نہیں کیا، یورپ میں مذہب اور سائنس میں جو جنگ جاری رہی اسے میں انسانی زندگی کا بہت بڑا سانحہ سمجھتا ہوں، اس ناک و دو میں، باوجود اپنی مساعی

اور جہد کے مذہب کو رفتہ رفتہ میدان سے ہٹ جانا پڑا، چون کہ ایسے ادارے انسانی زندگی کے مؤثر عوامل کا درجہ رکھتے ہیں، میری دعا ہے کہ آپ کی اکادمی اس اسلامی پس منظر کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لئے سرگرم عمل رہے۔

ان انتہائی مجلسوں کے بعد کان فرنس مختلف شعبوں میں تقسیم ہو گئی، کان فرنس کے احاطہ کار اور ہر شعبے کے کام کی نوعیت کا جائزہ لینے کے لئے اس کے مختلف شعبوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا ضروری ہے، ان شعبوں کی تفصیل یہ ہے۔

- (۱) شعبہ کیمیا (۲) شعبہ حیاتیات (۳) شعبہ لمبیات (۴) شعبہ زراعت
(۵) شعبہ ارضیات و جغرافیہ (۶) انجینئرنگ کا شعبہ (۷) شعبہ طب (۸) شعبہ تعلیمات

دوسرے دن سائنس کان فرنس کے مختلف شعبوں کے اجلاس علیحدہ علیحدہ منعقد ہوئے اور ہر شعبے میں مختلف سائنٹفک موضوعات پر مقالے پڑھے گئے۔ ان مقالات کی روشنی میں جو مذاکرے ہوئے وہ بھی دل چسپی سے خالی نہیں تھے۔

اس کان فرنس کا شعبہ تعلیمات، عمرانیات اور نفسیات پر دینسٹر بشیر ہاشمی صاحب پرنسپل سنٹرل بینک کالج لاہور کی زیر صدارت اور ان کی نگرانی میں مسرور کارہا، اپنے خطبہ صدارت میں موجودہ سیاسی اور سماجی رجحانات کا محل سا خاکہ پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”صحیح جمہوری نظام کا قیام نہنگامی نہیں، ارتقائی ہوتا ہے، لوگوں کی زندگی میں اس کا اثر رفتہ رفتہ ہوتا ہے اور کسی قوم کی اخلاقی تعمیر کے لئے طویل مدت درکار ہوتی ہے، عبوری دور میں لوگ بالعموم ایمان داری کا دعویٰ ضرور کرتے ہیں لیکن عملاً ایمان داری سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، زبان پر ملک ملت کی خدمت کے بلند بانگ دعوے ہوتے ہیں، لیکن مقصد ذاتی منفعت ہوتا ہے.....

ہر صورت جمہوری تقاضے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں جمہوری تدریس واضح اور ضعیف ہو جاتی ہیں، میں اس موضوع پر مزید بحث نہیں کرنا چاہتا، میرا مقصد تو محض یہ ہے کہ یہ دنیا جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں، پچھلے وقتوں سے کہیں زیادہ نہنگامہ پرورد ہے۔

سائے خواہ ہمارا نظام کار جمہوری ہو یا غیر جمہوری، نظریاتی اختلافات کا ہونا ناگزیر ہے، ان اختلافات کو کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں لیکن بحیثیت معلم، ہم تو زندگی کے اس شعبے کا جائزہ دیں گے کہ تعلق تعلیم سے ہے، مجھے یقین ہے کہ تعلیم ایک ایسا اختیار ہے جو کسی جمہوری نظام کو رقیق احسن چلانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

عالم گیر امن کے قیام کے سلسلے میں پاکستان جو کام انجام دے سکتا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے سلسلہ کلام جاری رکھا اور کہا: ”دنیا کے موجودہ حالات کے مطالعہ سے ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے اس وقت بین الاقوامی افق پر جنگ یا امن کے بادل سج رہے ہیں، ہر ملک میں دفاع اور اسلحہ بشیر رقوم خرچ کی جا رہی ہے۔ لیکن ہر ملک جنگ سے خائف ہے، اگر تیسری عالم گیر جنگ شروع ہو تو یہ اقدام فی الواقع انسانی تباہی کا موجب ہوگا، بحیثیت پاکستانی اور ادارہ اقوام متحدہ کے رکن کی نیت سے ہمیں بھی ان مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا، میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے میں ہمواری کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔“

”قیام پاکستان کے لئے جو جذبہ کام کرتا رہا، وہ دراصل اسلامی نظریہ حیات ہے اور اسے میں جملہ لریات میں سب سے بہتر سمجھتا ہوں، مسلمان مالک کے معیار زندگی کو دیکھ کر مجھے اپنے دعوے کے کھوکھلے پن کا حس ہوتا ہے، جہل تعلیمی پستی، بیماری، افلاس یہی تو ان قوموں کے نصیب میں ہے، جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں جس میں عدل و انصاف، احترام آدمیت، آزادی گفتگو اور آزادی کار کا معیار رسول برحق نے قائم کیا تھا، آج وہ آتنا پست ہے کہ ہم خود دوسروں کے سامنے جمل اور شرمندہ ہیں، لیکن پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے، بانی پاکستان کا یہ دعویٰ تھا کہ اس خطہ زمین میں لوگ اسلامی شعائر اور اسلامی نظریات کے مطابق زندگی بسر کریں گے، اس برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کے قیام کے لئے جو جدوجہد کی اس کا مقصد ہی تھا کہ ہم دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیں کہ اسلامی نظریہ حیات سب سے اعلیٰ واقع ہے، قیام پاکستان کے دیکھا اسلامی نظریات کی قوت سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے؟“

مسلمانوں کی سیاسی سماجی اور اخلاقی زندگی پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”مذہب اور اسلامیات

تدریس کا مقصد اگر محض معلومات ہم پہنچانا ہی ہے تو اس سے ہمیں کسی اچھے نتیجے کی توقع نہیں کرنی چاہئے، اور مغرب کے معاشی اور سیاسی نظام کی تقلید بھی ہمیں منزل کے قریب نہیں لاسکتی، اس کے حصول کے لئے تو

(۱) ہمیں ملن نبوی کا مطالعہ کرنا ہو گا اور یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ رسول پاکؐ ارشاداتِ الہیہ کو کس طرح اپنے صحابہؓ پہنچاتے تھے، کس طرح وہ ان الہامی حقائق کو اپنے پیروؤں کی روزمرہ زندگی سے ہم آہنگ کرتے تھے اور کس طرح انہوں نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد ڈالی جس کا ایک ایک فرد ہر شعبہ زندگی میں قیادت کا بائیں ہاتھ تھا، خواہ وہ مذہبی ہو یا فوجی، سیاسی ہو یا معاشی۔

(۲) ہمیں پاکستان میں سماجی علوم (سوشل سائنس) کا ایک ایسا ادارہ قائم کرنا ہو گا، جہاں سماجی تعلیم، روابط، اجتماعی قوت محرکہ، ثقافتی روابط، قیادت، انفرادی تعلقات وغیرہ کے مطالعہ کا اہتمام جدید ترین مغربی تکنیک کی روشنی میں کیا جاسکے۔

ہم انشاء اللہ اس پودے خلیجے کو آموزش کی اگلی اشاعت میں شائع کریں گے۔

نوجوانوں کی روحانی تربیت

فصل احمد

دوسری عالم گیر جنگ کے دوران میں جب مہتمم صدر روز ویلٹ نے اپنے جنگی مقاصد کی وضاحت کی تو سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا تھا کہ وہ دنیا میں ایسے دور کا آغاز چاہتے ہیں جس میں فوج ان احتیاج اور خوف سے آزاد ہو کہ زندگی بسر کر سکے، اتحادیوں نے جنگ توجیت لی، لیکن کیا آج دنیا ان دونوں قابضوں کے پنجے سے آزاد ہے، احتیاج سے آزادی کا حال تو اقوام متحدہ کے اقتصادی کمیشن کی رپورٹ میں آئے دن بیان کرتی رہتی ہیں جن کے مطابق عالم بشریت کو بیسویں صدی کی تبدیلی اور فزنی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے، باقی رہی خوف سے آزادی تو اس بارے میں چپ ہی بھلی ہے، پہلے تو صرف چھوٹی چھوٹی اور پسماندہ قومیں ہی بیم زندگی میں مبتلا رہا کرتی تھیں دوسری عالم گیر جنگ کے بعد سے بڑی سے بڑی قوموں کے لئے بھی چین کی نیند حرام ہو چکی ہے، ضلوع متحدہ امریکہ اس صدی کی پہلی چند قرون تک جس طرح عالمی معاملات سے عموماً الگ تھلک رہا ہے اس کا حال سب کو معلوم ہے، پہلی عالمی جنگ کے آخری مرحلہ پر یہ ملک بے شکل اس بات پر آمادہ ہوا تھا کہ جنگ میں دخل دے اور جب جنگ ختم ہو گئی اور جمعیت اقوام کی داغ بیل پڑنے لگی تو امریکی قوم نے صدر ولسن کی خواہشات کے خلاف پھر سے اپنی روایتی علیحدگی کی طرف رجوع ضروری سمجھا، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس قوم کو اپنے قومی اندوا پر ناز تھا، مشرق اور مغرب دونوں طرف سے وسیع آؤ گہرے سمندر اسے پرانی جھگڑا اور دنیا سے الگ کئے ہوئے تھے، اور خواہ مخواہ پرانے جھگڑوں میں

بچہ بنا گیا تو قی تو انائی کو بیکار گونا گونا تھا، دوسری عالمی جنگ نے اس امر کی ازاد کا ہمیشہ کے لئے ناکہ کر دیا ہے، گویا جو جنگ خوف کا خاتمہ کرنے کے لئے لڑی گئی تھی اس نے اس نعرہ کے بلند کرنے والوں کو بھی مستقل طور پر خوف کا شکار بنا دیا ہے، جب امریکہ جیسے پُرعظمت اور الگ تھلگ ملک کا یہ حال ہو تو باقی اقوام کی حالت کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں، آج دنیا جس خوف و ہراس کے دور میں گزر رہی ہے اس کو دیکھ کر اس سرائیلی پیغمبر حضرت جریرہ کے تاریخی الفاظ یاد آنے لگتے ہیں، جب آپ نے فرمایا تھا، ”ہم امن کی امید رکھتے تھے، مگر فوس کہ زخموں کے اچھا ہونے کی مہلت بھی نہ ملی، ہماری سب امیدیں خاک میں مل گئیں۔“

موجودہ دنیا کی سیاسی تصویر کا یہ رخ بہت سبق آموز ہے، ماضی اور تکنیک کی حیرت انگیز ترقیوں نے بیسویں صدی کے مہذب انسان کو اس فوس میں مبتلا کر دیا تھا جس نے زندگی کے تمام اقدار بھید پائے اور وہ بہت جلد معراج انسانیت پر پہنچنا ہی چاہتا ہے، اسے اپنے مادی اسباب کی جادو آفریں پر پورا بھروسہ تھا، کیونکہ ان ابواب کی بدولت ان کا قدم آگے ہی آگے پڑھتا تھا مگر اس صدی کی دو جنگوں نے اس طلسم فوس کا سارا بھرم گھول کر دکھ دیا ہے، آج انسان کے ہاتھ میں تن آسانی کے سارے مادی ذرائع موجود ہیں، مگر اسے روحانی چین نصیب نہیں۔ وہ ہر چند اپنی سائنسی ترقیوں کی مدد سے انسانی دکھوں کا دوا کرنا چاہتا ہے، مگر دنیا کی اجتماعی زندگی کی گتھیاں کچھ سلجھنے کے روز بروز زیادہ سے زیادہ الجھتی جاتی ہیں اور مادی ترقیاں روحانی سکون کے بارے میں بالکل بے بس نظر آتی ہیں، اس نقص سے نہ صرف دنیا کو سائنسی تکنیک کے علاوہ کسی اور چیز کا سہارا تلاش کرنے پر مجبور کیا ہے، اٹھک تانی صدیوں میں اجتماعی عبادت لازمی قرار دی جا چکی ہے اور امریکی ماہرین تعلیم بھی ذہنوں کی روحانی تربیت پر زور دینے لگے ہیں، یہ احساس اب زور پکڑ رہا ہے کہ ہر چند یہ جیٹا مشعل ہے کہ موجودہ دور کشمکش کے ملین سے کس قسم کا نظام عالم جنم لے گا، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ اس نئے نظام کے خدو خال میں بن کرنے میں ایمان و یقین کی قوت کو بہت دخل ہو گا۔ کیوں کہ جب تک انسانی تعلقات کا سرخ اخلاقی اور روحانی اقدار کی روشنی میں مقرر نہ کیا جائے

اس وقت تک ان کی پائیداری پر بھروسہ نہیں۔

آج عالمی صورت حال کی سبک نمایاں خصوصیت عدم یقین اور پریشان خیالی ہے جس کے صبر آزما ابتلا اس امید میں کٹ گئے تھے کہ چین کی گھڑی زیادہ دور نہیں، جنگ ختم ہوتے ہی ہر جگہ سے آوازیں اٹھنے لگیں کہ زمانہ جنگ کی پابندیوں اور کفایت شعاریوں کا ایک قلم خاتمہ ہو جانا چاہئے، ہر کس و ناکس مادی آسائشوں کا اضافہ چاہتا تھا، اور نہایت بے تابی سے یہ سوال پوچھتا تھا کہ پرانی زمانہ کے راستے میں اب کوئی چیز حائل ہے؟ جب یہ پتہ چلا کہ جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی اگلی جنگ کی تیاری شروع ہو چکی ہے تو قدرتی طور پر اکثر لوگ خوف، عدم یقین، تشویش اور پریشان خیالی کا شکار ہونے لگے، اور اب حالت یہ ہے کہ لاکھوں انسان مسلمہ معیاروں اور قدروں کو بے معنی سمجھنے لگے ہیں انہیں سب سے زیادہ پریشان کرنے والی بات یہ ہے کہ ایسی مادی ترقیوں سے آخر کیا حاصل ہو انسان کے قابو میں نہ رہ سکیں؟ اگر یہ ہادی تن آسانی کو بڑھانے کی بجائے اٹاہیں خونزدہ کرنے لگیں تو آخر ان سے کیا فائدہ، ایسے لوگوں کو یہ سبق سکھانے کی ضرورت ہے کہ اگر کوئی شخص ساری دنیا کو قابو میں کر لے اور خود اپنی روح کو کھودے تو ایسی کامیابی سے کیا حاصل؟

موجودہ پڑا تشویش دو بتا ریح کے ان پرقتہ زمانوں میں سے ہے، جب انسانوں کو اپنے مقصدات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہو کر پڑتی ہے، آج ہر صاحب فہم آدمی کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنا چاہئے کہ وہ کس نصب العین اور کن اقدار کی خاطر جیتا ہے، وہ کون سی روحانی اور اخلاقی اقدار میں جنہیں وہ فتنہ کی دستبرد سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، اور اگر ضرورت پڑے تو ان کے بچاؤ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا چاہتا ہے، جو شخص کوئی ایسا نصب العین یا کوئی ایسی اقدار نہیں رکھتا وہ ایک ایسے جرم کا مرتکب ہے، جسے نوع انسان کبھی معاف نہیں کرے گی کیوں کہ وہ آئندہ نسلوں کو ایسے مستقبل میں دھکیلنے والا ہو گا جس کے غدو خال کے متعلق کسی کو کچھ خبر نہیں۔

آج نوع انسان کو ہر چیز سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے، تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنی

نت کے پھل کھا سکے اور اپنے پسندیدہ معتقدات پر آزادی سے عمل کر سکے، یہ امن اور سلامتی کس طرح
 صل ہو، سائنس اور علوم و فنون کی ہوشربا کامرانیوں اس میدان میں ہار مان چکی ہیں، بلکہ ان کی
 نئی کامیابی ایک نئی تباہی کا پیغام لانے والی ثابت ہوئی ہے، اس ہجوم یاس میں امید کی کرن
 ہاں سے آئے، اس سوال کے جواب میں یوں تو دنیا کے کئی حصوں سے آوازیں اُٹھ رہی ہیں
 بلکہ اگر پاکستانی اساتذہ چاہیں تو غالباً اس کا بہترین جواب دے سکتے ہیں، شاید یہ فقرہ بعض
 لوں میں چھوٹا منہ بڑی بات، کا خیال پیدا کر دے، لیکن سچ یہ ہے کہ ایسا خیال خود فراموشی کے سوا
 کچھ نہیں کیوں کہ گو دوسرے لوگ فن اور تکنیک میں بدرجہا آگے ہوں۔ ایمان دقیقین میں ہمیں
 ہی سے پیچھے نہ ہونا چاہیے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس خاص میدان میں ہمیں لمبوں کو راستہ دکھانا چاہیے۔
 اس نکتے کو کچھ اور صاف ہو جانا چاہیے، تاکہ اس گمان کا شائبہ نہ رہے کہ محض خوش فہمی سے
 ام لیا جا رہا ہے، پاکستان کا قیام عہد حاضر کی تاریخ میں ایک نہایت معنی خیز واقعہ ہے بلکہ
 طری پہلو سے یہ کہنا صحیح ہے کہ تاریخ میں یہ اپنی نظیر آپ ہے، یہ درست ہے کہ اس سے
 پہلے بہت سی مسلمان حکومتیں دنیا میں مدتوں قائم رہیں، اور آج بھی دنیا کا نقشہ ان کے وجود
 سے خالی نہیں، لیکن تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے جب ایک ملت نے اپنے لئے ایک وطن کا مطالبہ
 رف اس بنا پر کیا کہ وہاں اسلامی اقدار زندگی کو رواج دیا جائے، حصول آزادی کے بعد
 نب ہماری تعلیمی زندگی کا نقشہ تیار کیا جانے لگا تو یہ بات کھلے کھلے لفظوں میں کہہ دی گئی تھی
 کہ اس تعمیر کی ساری بنیاد اسلامی اقدار پر اٹھائی جائے گی، آج دنیا میں دو متضاد فلسفہ ہائے حیات
 مارے کرۂ ارض پر چھا جانے کے لئے دست بگریباں ہیں، ان میں سے ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ
 وہ خلاصہ انسانیت ہے اور اگر وہ مٹ گیا تو انسانیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ماتم کرنا ہو گا، ہمیں ان
 دونوں فلسفوں میں سے کسی کے ساتھ خاص عناد نہیں، یہ بھی درست ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں
 بعض پہلو ایسے ہیں جو اسلامی اقدار زندگی سے بہت قریب ہیں، آج یہ دونوں حریف اقوام عالم کو
 مکار مکار اپنی طرف بلارہے ہیں اور ہر ایک یہ یقین دلارہا ہے کہ نہایت صرف اسکی جھنڈا تلے ہے۔

اس صورت حال میں پاکستان کو کون سی راہ اختیار کرنی چاہئے؟ بہت سے فہیدہ پاکستانی ایسے نہیں گئے جو دونوں فریقوں میں سے ایک نہ ایک کی طرف داری کو پسند کریں گے، لیکن کیا یہ راہ اس نصب العین کی طرف لے جانے والی ہو گی جس کے نام پر ہم نے الگ وطن حاصل کیا ہے؟ آگاہ کہ اس سوال کا جواب صریح نفی میں ہے، پاکستان سچی اسلامی اقدار کو پھر سے زندہ کر کے قائم کیا گیا ہے اور سچی اسلامی اقدار ہی سرگشتہ انسانیت کے دکھوں کا صحیح حل پیش کر سکتی ہیں پاکستان کو دنیا کی تقدیر پلٹنے میں ایک نمایاں حصہ لینا ہے اور یہ بات اسی صورت میں ہوگی جب ہم اپنے ہاں سچی اسلامی اقدار کو رواج دے سکیں، ان اقدار کے مروج ہونے کی عملی مثال کیا ہو؟ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ مغلّہ اور عالمہ کا ڈنڈہ یہ سارا کوششہ جنگی بجائے میں کہ دکھائے گا تاہم معاشری علوم میں سوچو بوجھ رکھنے والے لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ کوششہ تقاضا اور عالمہ کے بافتوں نہیں بلکہ ہمارے مدرسوں کی بہت سے پورا ہو گا، سچی اسلامی اقدار اس قدر اس زندگی بنے گی جب ہمارے مدرسوں اور کالجوں سے نکلنے والے نوجوان یہ زندہ فقیہ اور آئین جاذبہ ساتھ لے کر نکلیں گے کہ انسانیت کی نجات نہ اشتراکیت میں ہے نہ مغربی جمہوریت میں۔ انفرادی۔ اجتماعی۔ قومی اور بین الاقوامی زندگیوں میں سلامتی کا راستہ صرف دینِ فطرت کا ہے کیا ہوا راستہ ہے، وہ راستہ جو مادی اور روحانی افرادوں سے یکساں دامن بچاتا ہو اور دو بین بین اعتدال کی ایسی سیدھی راہ تجویز کرتا ہے جس پر چلنے والوں کے لئے امن و سلامتی کی تمام مقدر ہو چکی ہیں۔

اس مقصد کو پورا کرنے کی ایک اہم شرط ہماری معاشری زندگی کی اصلاح ہے، مدرسوں میں لاکھ چچ پکار کی جائے کہ اسلام اخوت اور مساوات کا سبق دیتا ہے، مگر جب تک گرد و پیش کی معاشری زندگی میں غیر اسلامی اقدار کی حکمرانی ہے، اس وقت تک مدرسوں کی تعلیم نوجوانوں کے ذہن میں پیدل پیدل کرنے کی بجائے اور کیا کر سکتی ہے؟ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہزاروں مجمع میں فرمایا تھا کہ میں نے تمہارے سارے بھوٹے گھنٹہ پاؤں تلے روند ڈالے ہیں۔ لیکن

آج ہماری معاشری زندگی کے ستونوں میں سے کتنے ہیں جو ان جمودے ٹیگمنٹوں پر اترتے نہیں تھکتے، ذات پات اور دولت کے غیر اسلامی معیاروں کو کس حد تک خیر باد کہا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر ہم دنیا کو ہدایت کی راہ دکھانا چاہتے ہیں تو خالی باتوں سے کام نہیں چلے گا، بلکہ ہمیں عملی نمونہ دکھانا ہوگا، قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات تو ہر زمانے میں جوں کی توں موجود ہی ہیں، اگر غلط رہا ہے۔ تو ان تعلیمات کے عملی نمونے کا، پس ہیں سبکے پہلے اپنی معاشری زندگی کو تمام غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنا ہوگا، یہ کام بے شک متغفہ اور عامہ کے کرنے کا ہے، یہ بھی درست ہے کہ یہ کام خپلا آسان نہیں، صدیوں سے ہماری معاشری زندگی پر عجیب اور مہندی آریائی اثرات کے غلاف پر غلاف چڑھتے چلے آئے ہیں، جہالت اور توہم پرستی نے ان غیر اسلامی غلافوں کو حقیقت اسلام کا دھبہ بنے رکھا ہے، ان کشیف اور سیاہ پردوں کو چیر کر حقیقت کے نورانی چہرے کو نمایاں کرنا ہوگا، جب یہ ہوگا تو آئندہ پود کی سچی اسلامی تربیت کا راستہ بہت کچھ صاف ہو جائے گا۔

ہماری تعمیر نو کے متعلق دو اوزاریں زیادہ نمایاں طور پر سنائی دیتی ہیں، ایک طرف وہ لوگ ہیں جو نہایت خلوص سے اس بات پر متوسل کرتے ہیں کہ ہمارا لباس، ہماری وضع قطع اور ہمارے رہنے سہنے کے طریقے غیر اسلامی ہیں، جب تک ہم ان چیزوں کو جوڑے نہیں اکھاڑ پھینکتے اس وقت تک اسلامی اقدار کا احیاء ناممکن ہے، قومی استحکام اور ملکی عظمت کی اور کوئی راہ نہیں دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو دورِ حاضر کی مادی ترقیوں سے بے حد متاثر ہیں، ان کی دیناندازی سے یہ رائے ہے کہ ہمارے لئے ترقی اور استحکام کی واحد راہ یہ ہے کہ جدید علوم کے ساتھ ساتھ جدید تہذیب کی ساری تکنیک کو بھی اپنائیں، یہ دونوں فرق ایک بنیادی حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں وہ یہ کہ علمی عظمت و استحکام کی بنیادیں ہمیشہ دلوں میں استوار کی جاتی ہیں مادی اسباب پر نہیں اگر مذہب کے ظاہری لوازمات ہی سر بلندی کے ضامن ہوتے تو عالم اسلام پر کبھی ذلت طاری نہ ہونے پائی کیوں کہ ان ظاہری لوازمات کے بارے میں ہم صدیوں تک سرفراز رہے، اسی طرح اگر عہد حاضر کی سائنسی اور میکانیکی ترقیاں ہی سب کچھ ہوتیں تو ہمارے دوبارہ زندہ ہونے کے

امکانات کبھی پیدا ہی نہ ہوتے، پس اہلی چیز وہ بے تاب روح ہے جو نہ صرف اپنے حامل کی کیا
 یلٹ دیا کرتی ہے، بلکہ جس کی ضیا پاشی گرد و پیش میں بھی دند و دنگ اجالا کر دیا کرتی ہے یہ عانی
 غفلت صرف ایمان و یقین سے ہی پیدا ہو ا کرتی ہے، یہاں یہ نکتہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ قرآن
 میں تمام باتیں ایمان والوں کے لئے ہیں، کسی مخصوص ظاہریت یا فنی مہادت کے لئے نہیں۔
 پچھلے دنوں کراچی کی احتفال علمائے اسلام میں ایک مقرر نے کہا تھا ایک وقت وہ بھی تعجب
 مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا، اس کے باوجود وہ جہاں گئے جہاں
 نے ان کے قدم چومے، آج حالت یہ ہے کہ ہماری تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے، دنیا ہما کوئی گوشہ
 نہیں جو ہم سے خالی ہو، مادی اسباب اور قدرتی وسائل کی ہمارے ہاں ریل پیل ہے، پھر بھی گردشِ ادا
 نے ہمیں چاروں طرف سے ترغیبیں لے رکھا ہے اور ہم ہر جگہ اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں
 صورتِ حال کی یہ تصویر لفظیہ لفظیہ صحیح ہے، لیکن آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ آج سب کچھ ہوتے ہوئے
 ہمارے ہاتھ پاؤں جواب کیوں دے چکے ہیں؟ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ ہماری رو میں
 مردہ ہیں، روحوں کو زندہ رکھنے والی روحانی اور اخلاقی اقدار ہوا کرتی ہیں، جب یہ بلند اقدار قوموں کے
 خون کو کھولانے سے قاصر رہ جاتی ہیں اور وہ ان کی خاطر کسی کی قربانی کو پسند نہیں کرتیں، جب ان کی
 ساری کوششیں حیوانوں کی طرح صرف پیٹ کے دھندوں تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں تو پھر نیکیت
 اور ذلت کا طاری ہو جانا بالکل قدرتی ہے، قرونِ اولیٰ میں مسلمان ہر خند تھوڑے تھے اور ان کے پاس
 خدائے کی بڑی قلت تھی، مگر ان کا سب کچھ ایک نہایت بلند نصب العین پر تھجا رہا ہوئے کے لئے بے تاب
 تھا، انہیں اس قربانی میں کسی زیادہ لذت محسوس ہوتی تھی، آج معاملہ اس کے الٹ ہے، ہم زبان
 خواہ کچھ بھی دھوئی کریں، عللاً ہماری ساری بھاگ دوڑ عموماً محدود ذاتی مفاد کی حدود سے کٹے نہیں
 جاتی، مغربی استعمار نے ہماری کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا ہے، آج دنیا کے وسیع رقبے
 غلامی یا نیم غلامی کی حالت پر قانع ہیں، اگر اس ساری معیبت کا کھوج لگایا جائے تو یہ چیز ہر جگہ لہرا
 ہوئی دکھائی دے گی کہ افراد نے اپنے فائدے کے لئے قوم اور ملک کو بیچ دیا، آج دنیا کے اسلام

بے زیادہ جس شے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ نئی پود کو سچی اسلامی اقدار کی پاکیزہ غفلت اور
لی سرمدی حلاوت سے اچھی طرح آشنا کر دیا جائے، یہ کام جبر یا خشک و غفلوں سے انجام نہ
لے گا، اس کی صحیح صورت یہ ہوگی کہ اسلامی تاریخ میں ان اقدار کی کار فرمایوں کو درست طور پر
یک زندہ جذبے کے ساتھ پیش کیا جائے، اس ضمن میں ہر سے اور اساتذہ پر جو فرض عائد ہوتا
اس کے متعلق غالباً کسی لمبی چوڑی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

اس روحانی تربیت کے ضمن میں ایک انتباہ ضروری ہے، صحیح اسلامی اقدار کی عملی کار فرمایوں
وضیح کرتے وقت لازمی ہے کہ ان کی عالم گیر نوعیت کو اچھی طرح کھول کر بیان کیا جائے۔ اور
تاریخ کی روشنی میں یہ حقیقت آشکارا کر دی جائے کہ یہ اقدار نہ صرف ہر طرح کی سر بلندی کی اٹل
پہاڑ ہیں، بلکہ ان کی اجارہ داری بھی کسی خاص ملک، قوم یا نسل کے حصے میں نہیں آتی، تاریخ
کے تمام آثار پر ہاذا اسی روشنی میں دیکھے جاسکتے ہیں، یہ درست ہے کہ ہیں تاریخ کی کئی بالادست
ہں ان اقدار میں سے بعض کے معاملے میں عالمی نظرائیں مگی، لیکن ان کی برتری محض ایک اضافی
ت کا درجہ رکھتی ہے، کیوں کہ جو قومیں زیر دست تھیں وہ ان اقدار کے معاملے میں کم و بیش
سے سے کوئی تھیں، اس سلسلے میں مجھے ایک مولوی صاحب کا واقعہ یاد آگیا جو ایک جامع مسجد
طیب ہونے کے علاوہ ایک خاصے بڑے طبقے کے مخدوم بھی تھے، ایک بحث کے دوران میں
ت مولانا نے یہ غفلتانی فرمائی تھی کہ ہر چند کہ ہم خیر الامم ہیں لیکن ہماری بعض کوتاہیوں کی
ادینے کے لئے روئے زمین کی بدترین قوم یعنی انگریزوں کو ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ
محقق کو اس طرح سمجھ کرنے کا نتیجہ تنگ نظری اور بے عملی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، اگر بیچ پوچھا
ئے تو یہ احمقانہ تنگ نظری چہا ہمارے اکثر دکھوں کا باعث بنی ہے، ہمارے اساتذہ کو یہ نکتہ
نا طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کا اندام صرف مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ تمام کائنات کا خدا،
بیت کے اعتبار سے اس کے ہاں انسانوں میں کوئی تفریق نہیں، جو قوم اس کی وضع کی ہوئی
رت کے اصولوں کو جس حد تک اس زندگی بناتی ہے اسی حد تک وہ سر بلند ہوتی ہے، اسلام کو

دین فطرت ہونے کا دعویٰ ہے، اس لئے اس کے پیروؤں پر یہ فرض بدرجہ اولیٰ عائد ہوتا ہے کہ وہ فطرت کے روحانی اور مادی قوانین کے عین مطابق زندگی گزاریں۔

اس ضمن میں ایک اور اہم احتیاج جس کی مزید ضرورت ہے یہ ہے کہ ایمان و یقین خالی الفاظ پر ختم نہیں چھنایا کرتے، بلکہ ان کی اصل پہچان عمل ہے، اس بارے میں قرآن حکیم کے اس جملہ پرور ارشاد کی طرف خاص الخاص توجہ دلانا ہوگی کہ ایمان والے صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایمان لائے، پھر انہیں اس ضمن میں کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہو اور انہوں نے اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

پس روحانی اور اخلاقی اقدار کا زبانی اقرار اور احترام کچھ زیادہ سودمند نہیں، زبانی دعووں کی سچا ثابت کرنے کے لئے اپنی عویز ترین متاع کی ہر قربانی کے لئے تیار رہنا سچے ایمان کی اصل پہچان ہے، یہی وہ نمایاں خوبی ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو ہم سے ممتاز کرتی ہے، اور جب تک ہم اسے واپس حاصل نہیں کر لیتے اس وقت تک ہم اپنی عظیم الشان میراث کے وارث نہیں بن سکتے۔

مروج دنیا کو مادی ذرائع کی کمی کا دردنا نہیں، بلکہ اسے روحانی اور اخلاقی راہ نماؤں کی ضرورت ہے پاکستانی راہ نماؤں کی طرف سے کئی دفعہ یہ کہا جا چکا ہے کہ پاکستان ایک ایسی روحانی ہدایت کی شمع روشن کرنے والا ہے جو نامہ جبرے میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی انسانیت کو امن و سلامتی کا سید عاراضہ دکھائے، یہ الفاظ نہایت حسین اور دل کش ہیں، لیکن انہیں عملی شکل دینے کے لئے ضروری ہوگا کہ پاکستان کی نئی پور کو سچی اسلامی اقدار کا حامل بنایا جائے، موجودہ نسل نے عہد غلامی کی روایات میں پرورش پائی ہے، ان روایات نے ملک کی انتظامی زندگی کے لئے جو کل پرزے تیار کر دکھے ہیں ان کی سیرت و کردار کا حال سب کو معلوم ہے، اگر ہمارے در سے اس انتظامی کارخانے کو سنبھالنے کے لئے ایسے فوجانہ تیار کر دیں جو سچے اسلامی جذبے کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت انجام دیکیں تو ہماری اجتماعی زندگی میں ایک ایسا انقلاب برپا ہو جائے جو بالآخر دنیا کی تقدیر کو بھی بہت کچھ متاثر کرے۔

سچی اسلامی اقدار کیا ہیں، خدا پر ایمان سب سے پہلی چیز ہے، ایسا ایمان جو ہر وقت یہ زندہ احساس میں پیدا کئے رکھے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں بہت جلد مجھے اس کا جواب دینا ہے، اس احساس کو قرآن نے فی کے نام سے پکارا ہے، اس کے ساتھ دوسری چیزیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہیں، یعنی خوف و خطر غم کی تائید اور یقینی کی مخالفت کرنا، یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کے خیر الامم ہونے کی یہی بیان کی گئی ہے کہ وہ غم کی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، ان بنیادی اقدار کے لائی نتائج شمار ہیں جن میں آزادی ضمیر، احترام انسانیت، رواداری، عدل اور مردت خاص طور پر اہم ہیں۔

غرض اسلام اس سب سے بڑی نفسیاتی حقیقت کا پورا پورا دھیان رکھتا ہے کہ کوئی تبدیلی ن وقت تک ممکن نہیں جب تک انسانوں کے دل تبدیل جائیں، پس وہ اپنی تعلیم کی ساری بارود حافی اقدار پر بلند کرتا ہے، اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ مادی ایسا بالکل اہم سہی مگر روح کی ریکوں میں ان کا گندم نہیں، وہاں اگر کوئی کجیر تاثیر پیدا کر سکتی ہے تو روحانی اقدار۔ جدید تہذیب کو آج ن مضائب کا سامنا ہے وہ اس روشن حقیقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ انسان نے اپنے ذہن اور بن ہاتھ کے طفیل عجیب و غریب کرشمے اور ہوش ربا عجوبے تو پیدا کر لئے لیکن ان سے مفید خدمت نے کا سلیقہ پیدا نہ کر سکا، گویا ایک مشہور مغربی عالم کے قول کے مطابق اس نے غیر پسندیدہ مقاصد کو فی دینے کے لئے ترقی یافتہ ذرائع معلوم کر لئے۔ ظاہر ہے کہ مقاصد کا پسندیدہ ہونا فنی ہمارا یا انسانی تکنیک کے پس کی بات نہیں، یہاں اگر کوئی شے مفید مطلب نتائج پیدا کر سکتی ہے تو روحانی نادر سے دل بستگی، پس سچی اسلامی اقدار کی تعلیم دے کر ہم نہ صرف اپنے ملک کی اہم ترین خدمت انجام دیں گے، بلکہ اس کے ساتھ ہی نوع انسانی پر بھی بہت بڑا احسان کریں گے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ روحانی تربیت کے لئے اتنا دیکھنا کچھ کرنا ہو گا، اس ضمن میں سب سے اہم ات یہ ہے کہ یہاں خلاصہ لکھو دینے یا تقریریں جھاڑ دینے سے کام نہ چل سکے گا، روحانی تربیت ایک نہایت لطیف عمل ہے، اور اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مدرسہ کوئی ایسی جگہ نہ ہو جہاں طلبہ کا فہم سکھایا جاتا ہو بلکہ وہ کچھ ایسی جگہ ہو جہاں ایک قسم کی زندگی بس رہی ہو، صرف یہی ایک ضروری

جس سے مطلوبہ اقدار کے متعلق حق یقین حاصل ہو سکتا ہے، یوں تو اکثر اخلاقی اوصاف کا حال اس کی ہم ان کی اچائی کو ماننے لگتے ہیں، لیکن یہ ماضی صرف الفاظ کی حد تک رہتا ہے، ہمارا عمل اسی وقت میں متاثر ہو گا جب ہم کسی ایسے معاشری ماحول سے گھرے ہوں جہاں ان اقدار کی حکمرانی ہو۔ پس استاد کو لازم ہے کہ پہلے اپنی اقدار کا اچھی طرح جائزہ لے اور سوچے کہ کیا اس کی اپنی اقدار پر اسلامی اقدار ہیں، اگر خدا نخواستہ ان میں کچھ کمی ہے تو اس کا فوری تدارک ہونا چاہئے، پھر اسے دیکھنا ہو گا کہ مدرسہ کا عام ماحول تو ایسا نہیں جو اس کی پسندیدہ اقدار کو بروئے کار لانے سے روکے۔ اگر ایسا ہے تو اسے یا تو اس ماحول میں مناسب تبدیلی کی کوشش کرنی چاہئے، اور یا پھر اس مدرسہ کو خیر باد کہنا چاہئے، اگر استاد کی اپنی اقدار درست ہیں اور مدرسہ کا ماحول سازگار ہے تو استاد کا نمونہ اور مدرسہ کی زندگی روحانی تربیت کے بہترین ذرائع ثابت ہوں گے، طلبہ جب خود اسلامی اقدار پر مبنی زندگی کی مستحساس سے آشنا ہو جائیں گے تو تعلیم سے فارغ ہو کر جہاں بھی جائیں اسی زندگی کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کریں گے، چونکہ وہ بلند ترین انسانی اقدار کی عملی کارکنان کی ایک جھلک دیکھ چکے ہوں گے اس لئے اور کوئی قدریں ان کی نگاہ میں نہ چھپی گی۔

آج ہمارے مدرسوں میں روحانی تربیت کے امکانات جس طرح ناپید ہیں ان کو دیکھتے ہیں شاید بعض دوستوں کو مندرجہ بالا تصور نا ممکن العمل دکھائی دے، لیکن اگر ہم اپنے دعاوی میں سچے ہیں تو ہمیں ایک نہ ایک دن یہ کام کرنا ہو گا، اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں ہم نے یہ تجربہ کامیابی کے ساتھ آزمایا تھا۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اسے دہرایا نہ جاسکے :

تقدیر

عراق میں لازمی تعلیم

محمد عبدالعزیز

لازمی اور مفت تعلیم کے حصول کے لئے عراق کو ابھی دشوار گذار
اقتصادی، سیاسی اور سماجی عوامل | مراحل سے گزرنا ہو گا، وقت قریب ہے سمنوں بھی اور
مناسب بھی کہ عراق اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے، شہروں اور دیہاتوں میں اسکولوں کی کمی عموماً
کی جا رہی ہے، اگر اسکول اور اساتذہ دونوں میسر آسکیں تو طلبہ کچھ بہت بڑی تعداد تعلیم سے فیض یاب
ہو سکتی ہے، وزارت کو اس کا پورا پورا علم اور احساس ہے، وہ اپنے خزانے منعی کو پورا کرنے میں پورا
مصرف کرے گا، اگرچہ معمول مقصد کے لئے وقت اور روپیہ دونوں درکار ہیں، لیکن طلبہ کی اس بڑھتی ہوئی
تعداد کو زیادہ دیر تک روکا نہیں جاسکتا حصول تعلیم کے لئے انہیں کوئی نہ کوئی جگہ دینی پڑے گی، اس لئے
عراقی ماہرین تعلیم لازمی اور مفت تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشاں نظر آتے ہیں، مگر جب تک سیاسی
سماجی اور اقتصادی موانع پر عبور نہیں حاصل کیا جائے گا اس مقصد میں کامیابی کا تصور محض دیوانے کا
خواب ہو سکتا ہے، جیسا کہ ایک سابق وزیر تعلیم نے کہا ہے، ”اچھے اور نئے نئے اسکولوں کے قیام کا جذبہ
کافی نہیں ہے، ایک اچھا اور مفید مطلب نظام تعلیم اسی وقت قائم ہو سکتا ہے، جب اس کا ملک کے
اقتصادی اور مالی مسائل سے براہ راست تعلق ہو“

تعلیم کی ترویج کے لئے سب سے اہم مسئلہ مالی و اقتصادی ہوتا ہے، صرف تجویزیں مرتب
اقتصادیات | کرنے سے تعلیمی ترقی کی بنیادیں قائم نہیں کی جاسکتیں، تجویزوں کے ساتھ ساتھ

یہ بھی دیکھتا ہوں کہ ان کے حصول کے وسائل و ذرائع کیا ہیں، کیا حکومت اور علوم کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ اس مجوزہ پروگرام کو بروئے کار لاسکیں، حکومت کے تعلیمی اخراجات کا ایک مختصر سا خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ عراق اپنی تعلیمی جدوجہد میں کیا کچھ کر رہا ہے اور آنے والی زندگی میں اپنے شہریوں کے لئے کیا کچھ کر سکے گا۔

سال	ہر مقصد کے لئے	پونڈ	تعلیم کے لئے	پونڈ	تعلیمی اخراجات کافی مدتی
۱۹۳۰-۳۱	۵۵۵,۶۵۷	۱۳-۳۶	۳۵۰-۶۲		
۱۹۳۱-۳۲	۳,۹۹۴,۳۲۷	۲۹,۲۶۷	۳۷-۶۷		
۱۹۳۲-۳۳	۵,۴۶۹,۸۱۳	۷-۸,۰۵۶	۹۳-۱۲		
۱۹۳۳-۳۴	۶,۳۶۹,۱۲۸	۸۱۰,۲۷۷	۷۲-۱۲		
۱۹۳۴-۳۵	۷,۱۲۹,۹۱۰	۸۲۸,۱۶۸	۸۷-۱۱		
۱۹۳۵-۳۶	۷,۷۰۱,۱۷۸	۸۵۵-۵۶۰	۱۱-۱۱		
۱۹۳۶-۳۷	۱۰,۶۲۰,۸۷۲	۱,۱۳۶,۳۱۴	۶۵-۱۰		
۱۹۳۷-۳۸	۱۳,۷۴۹,۳۲۱	۱,۵۱۵,۵۲۲	۲۰-۱۱		
۱۹۳۸-۳۹	۱۵,۴۸۴,۷۵۲	۱,۲۳۵,۲۷۵	۶۲-۸		
۱۹۳۹-۴۰	۱۷,۵۶۳,۲۳۰	۱,۶۱۱,۸۲۳	۱۸-۹		
۱۹۴۰-۴۱	۱۸,۴۷۸,۵۶۷	۱,۷۳۷,۶۰۲	۳۳-۹		
۱۹۴۱-۴۲	۱۸,۷۴۷,۶۵۷	۲,۱۵۷,۳۱۵	۵۱-۱۱		
۱۹۴۲-۴۳	۲۱,۹۲۷,۹۹۲	۲,۵۷۲,۶۲۵	۷۲-۱۱		
۱۹۴۳-۴۴	۲۲,۰۹۵,۳۰۰	۳,۷۸۳,۳۰۹	۷۰-۱۵		

اس وقت ایک بچے کی ابتدائی تعلیم کے لئے ۸ پونڈ سالانہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس طرح..... ۵۰ پونڈ کے تعلیمی مصارف..... ۶ پونڈ ہوتے ہیں، یعنی مروجہ تعلیمی بجٹ کا کم و بیش دو گنا، اور یہ تخمینہ صرف تعلیم کے

اجابات کا ہے، مگر سوال کی تمیز فریخیر کا ہنسا کر نا تعلیمی لوازمات کی فراہمی، اساتذہ کی تنخواہیں اس میں مل نہیں ہیں اور اس میں طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ بعض فریڈل رین تعلیم جب اخراجات کا جائزہ لیتے ہیں تو انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ غالباً ابھی ایک مدت دیر تک زمی اور مفت تعلیم کا تصور بے معنی ہو گا، یہ خیال ممکن ہے صحیح نہ ہو، مگر کسی منصوبے کی تکمیل کے لئے لی وسائل کا جائزہ لینا اہمیت اہم ہوتا ہے، بعض لوگ لازمی تعلیم سے محض اس لئے غور فرماتے نظر کرتے ہیں کہ مالی مشکلات پر نظام تر تا نو پانا دشوار معلوم ہوتا ہے، لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ دوسرے ملک کے تجربے اس سے کچھ مختلف ہیں، جب ملک اور قوم کو تعلیم کی ضرورت کا احساس ہوتا تو اس کے قیام اور اہتمام کے لئے دو پیہ بھی میسر آگیا، اگر کچھ ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ عوام میں تعلیمی خللا کو شدت سے محسوس کرنے لگیں تو عراق میں تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لئے کچھ روپیہ سہرا ہو سکتا ہے۔

عراقی تعلیمی نظام کا ایک بڑا نقص تعلیم کا خالصتاً مرکزی ہونا ہے، حلالاں کہ ابتدائی تعلیم مقامی حکومتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مقامی حکومتوں کے مالی وسائل سے تعلیم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اگر مقامی مالی وسائل سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی تو ضرورت کے مطابق مرکزی تعلیمی بجٹ سے بھی اس کی امداد کی جاسکتی ہے، اگر معمولات کا صحیح اور متعین نظام عمل میں آئے تو ادبہت سی مالی دشواریاں دور ہو سکتی ہیں، کسٹم اور اکسائز سے جو محصولات حاصل ہوتے ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، مزید براں سیلز ٹیکس جو اس وقت ساڑھے بارہ فی صدی مقرر ہے اسے ایک مقررہ پیمانے میں لایا جاسکتا ہے، مزید مالی استحکام کے لئے زمین اور زمین کی پیدا کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہ دیا جائے۔

عراق کی آمدنی زیادہ تر اس کی زرعی پیداوار سے ہوتی ہے، اگر زمین کا صحیح بندوبست کیا جائے تو اور زیادہ رقم حاصل ہو سکتی ہے، اسی پر عراق کی مالی اور اقتصادی بہبود کا انحصار ہے، بد قسمتی سے ملک کا موجودہ زرعی نظام اس کی زرعی ترقی میں مانع ہے، زمین دار بالعموم شیخ کہلاتے ہیں، ان میں

بیشتر شہروں میں رہتے ہیں اور دیہاتی علاقوں میں ان کی بہت بڑی بڑی جائیداد ہوتی ہیں، وہ اپنی جائیدادوں کے ذریعہ حاصل وصول کرتے ہیں، سب افسوس کن بات یہ ہے کہ عراق کا کسان محنت و شہد سے کام کر سب کچھ اپنے بھری آقا کے قدموں پر ڈال دیتا ہے اور اس سے بھرت کم فائدہ اٹھاتا ہے، بنیائی طریقہ حاصل اس ترقی یافتہ زمانے میں کچھ زیادہ سوزوں نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف زمین دار ہے اور دولت کا انبار، دوسری طرف کسان ہے اور بیکت و افلاس، عراق کی اس امداد اقتصادی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے زرعی مسائل کا حل سب سے زیادہ ضروری ہے، زیر عراق کی سب بڑی دولت ہے، اس وقت میکائی زراعت کو فروغ دینے کے لئے زرعی مشینز اور نئے نظام زراعت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، لیکن زمین داروں کو اس کی ترقی سے کدوا دلی چسپی نہیں ہے، آخر ایک زمانہ بھی تھا کہ جبلہ اور فرات کا درمیانی علاقہ لہلہا ناہما سبزہ زار تھا، مگر فعل اور زرخیز زمین کی بدولت دنیا کا آباد ترین علاقہ تھا، تہذیب و تمدن کا مرکز اور علم و فن کا گہوارہ، لیکن آج وہی سبزہ نادیمہ میں تبدیل ہو چکا ہے، اور محض اپنی غفلت اور نادانی کی وجہ سے اس صورت حال میں اس کی اصلاح ناممکن سی نظر آتی ہے اور جمہوری اداروں کے فروغ کے اسکا بھی بہت کم ہیں، مرکزی اور مقامی حکومتیں دونوں اس وقت تک معذور ہیں، جب تک عوام کا یہ زندگی بلند نہیں کیا جائے گا، مالی اور اقتصادی مشکلات سے قطع نظر تعلیمی ترقی میں اور بہت سی مشکلات بھی حائل ہیں اور یہ مشکلات زیادہ تر سیاسی اور تنظیمی ہیں۔

تعلیمی ترقی کی راہ میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ نظام تعلیم اور مرکزی تعلیمی یا تعلیم کا غیر مربوط ہونا بالکل غیر مربوط ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے، اگر پچھلے چند سالوں کی تعلیمی ترقی کا جائزہ لیا جائے تو وزیر معارف اور محکمہ تعلیم کے ذمہ داران فردوں کی پالیسی میں بھی ہم آہنگی نہیں ملے گی، اس عدم مطابقت سے بہت سی خام پیدا ہو جاتی ہیں۔

تعلیم و تنظیم کا مسئلہ | جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا گیا ہے، عراق کا نظام تعلیم مرکزی، وزارت

نصاب تیار کرتی ہے، کتابیں مہیا کرتی ہے اور استحضات لیتی ہے، اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کرتی ہے اور ان کا تقرر کرتی ہے، مرکزی خوانے سے ہی انہیں تحواہیں ملتی ہیں، کسی سرکاری یا تربیتی ادارے کے پاس اپنا منڈ نہیں جوتا اور اسکولوں کی کتابوں کے انتخاب کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ تبدیلی سازوں خریدنے کی بھی براہ راست انہیں اجازت نہیں ہوتی، حتیٰ کہ اسکولوں کے وقت نامے کو بھی ابتدائی مدارس کا قانون تسلیں کرتا ہے، ہر صوبے میں علیحدہ علیحدہ ناظم ہوتے ہیں لیکن ان کی حیثیت و تدارک کے نامندے کی ہوتی ہے، ایسا مرکزی نظام شروع میں تو مفید ہو سکتا ہے، لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں بھی رد و بدل کی ضرورت ہے، آگے چل کر وزارت کو اس سلسلے میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، مدرسوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، قومی تعلیمی ترقی کا مسئلہ اہم سے اہم تر ہوتا جاتا ہے، ایسی صورت میں ممکن نہیں کہ مقامی حکومتوں کے تعاون کے بغیر نظام تعلیم کی مشین کو چلایا جاسکے۔

ہر علاقے کا اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں اور تعلیم کا سب سے اہم مقصد مختلف علاقائی ضروریات | انہیں ضروریات کو پورا کرنا ہے، وقت آ رہا ہے کہ تعلیمی نظام کو منجام حکومتوں کو سوچنا پڑے گا، یوں تو عراق کی مجموعی آبادی اتنی زیادہ نہیں ہے، پھر بھی علاقائی اختلافات بہت ہیں، بغداد کی شہری ضروریات اور گرد و پیش کے صوبوں کی ضروریات میں بھی تعلیم اختلاف ہے اور شیعہ اور مصل کے بدویوں کی ضروریات ان سے بھی مختلف ہیں، اس طرح عراق کو قومی اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، مرکزی تعلیمی نظام سے یہ اندیشہ بھی ہو سکتا ہے کہ علاقائی ضرورتوں کو محسوس نہ کرتے ہوئے کوئی ایسا نظام تعلیم قائم ہو جائے جس سے آپس میں نفاق اور اختلاف پیدا ہونے کا احتمال ہو جائے، اگر ایسا ہوتا تو یہ قوم اور ملک کے مفاد کے منافی ہی نہیں ہوگا اس کے اثرات ددرس اور ہلک ہوں گے۔

عراق کی بالغ آبادی جاہل ہے، یہ جہالت اور قومی صحت کی زہریلی | جہالت اور صحت کے مسائل | ابتدائی تعلیم کے پھیلنے میں ہمیشہ مانع آئیں گی، بالخصوص وہ یہاں

علاقوں میں جب تک ان بیادیلوں کا تدارک نہ کیا جائے تعلیمی ترقی ممکن نہیں، اس کے اسیانہ واضح ہیں جو والدین ناخواندہ ہیں اور ان کا میا حیات پست، انہیں اپنے بچوں کی تعلیم کی ترغیب نہیں دی جاسکتی، نہ تو وہ انہیں گھروں میں اونچی ذہنی اقدار کا حامل بنا سکتے ہیں اور نہ اسکول کی روشنی سے ان کے دماغوں کو روشن کر سکتے ہیں، پھر بھی رفتہ رفتہ یہ دقیق دور ہوتی جاتی ہیں، عوامی نظام صحت بھی روبہ ترقی ہے، اب تو دور افتادہ گاؤں میں بھی ڈاکٹر کام کرتے ہوئے نظر آجاتے ہیں، یہ اقدام قومی صحت کے مسائل کو حل کرنے میں مفید ثابت ہوگا، اس طرح یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ گاؤں میں مغس اور ناولد والدین بھی اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے قربانیاں کر رہے ہیں، ان کی یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، لیکن لازمی تعلیم کی ترقی سے پہلے بالغوں کی جماعت میں بھی علم کی روشنی پہنچانا ضروری ہے، جب یہ بالغ تعلیم کی اہمیت کو سمجھ لیں گے تو تعلیم کو لازمی بنانے میں اتنی دشواریاں پیدا نہیں ہوں گی، دیہاتی علاقوں میں بچوں کی تعلیم کے ساتھ اگر تربیتی ادارے، مدیرین کی تدریسی تربیت کے علاوہ انہیں ناخواندہ بالغوں کو بچہ تعلیم دینے کے طریقے سکھائیں تو یہ مدرسین پوری قوم کے لئے مفید ثابت ہوں گے،

بچے اور عمر میں عوامی تعلیم کا ہمیں میں مخلوط تعلیم کا درجہ بہت کم ہے، گاؤں میں البتہ ابتدائی مدارس لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتے، لیکن شہروں میں چونکہ مغربی اثرات بڑھ رہے ہیں اس لئے بعض حلقوں میں مخلوط تعلیم کی موافقت کی جا رہی ہے شہروں کے ابتدائی مدارس میں صرف کنڈرگارٹن مدرسوں میں مخلوط تعلیم رائج ہے، اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کا ہوں میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ پڑھتے ہیں، ابتدائی مدارس اور ان کے نظام کا گہرے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور جو مستورات تعلیم پذیر کام کر رہی ہیں، بچوں کی نجی صفائی نگرانی اور ان کی عمدی حالت کو بہتر بنانے میں مردوں سے زیادہ مستعد نظر آتی ہیں، فی الحقیقت چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت میں مستورات جس دل چسپی اور محبت و اخلاص کا اظہار کر سکتی ہیں، مرد کے لئے فکرتاً ممکن نہیں ہے۔

عوام میں تلاشِ نیکیت زیادہ ہے، صبح کو اگر روٹی میسر ہو جاتی ہے تو پرانے خاندان کو نایاب شیعین کی طرح ہستی ہے
 و نیزہ کا کثرت اپنے بچوں کو شروع سے ہی محنت مزدوری کا عادی بنادیتی ہے، اگر وہ مزدوری نہ کریں تو پیش
 بنا دشنام ہو جائے، اس کے باوجود یہ شعلیں نادار والدین اپنے بچوں کو حصولِ تعلیم کے لئے مدرسوں میں بھیج سکتے ہیں
 حکومت مغلس بچوں کے دوپہر کے کھانے کا بندوبست کرے تو اسکولوں میں طلبہ کی حاضری اشد مستعدی
 برآباد ہو سکتا ہے اور دیہاتی مدرسوں میں تو اس اقدام سے معتدیہ فائدے کی توقع ہو سکتی ہے، بعد ازاں
 اب جدیدہ مدد سے میں نہایت عمدہ دوپہر کا کھانا چھپا کیا جاتا ہے، لیکن اس مدد سے میں زیادہ تر کھاتے
 جیسے گھر دس کے بچے تعلیم پاتے ہیں، وہ ان اخراجات کو برداشت کر سکتے ہیں اور خود دانہ جو اس کی
 تلاش میں صبح و شام سرگردان رہتے ہیں، ان کے لئے یہ مشکل ہے، بہر طور گاؤں میں سادہ کھانا کھانا
 نما زیادہ گراں نہیں ہوتا، کمپوں میں ضرورت مند بچوں کی امداد کی جا سکتی ہے، عراق میں بچوں کی محنت مزدوری
 پابندی عائد کرنے کے سلسلے میں اب تک کوئی قانون نہیں پاس ہوا۔

اس ملک میں کوئی نظامِ تعلیم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اپنی
 فنانسی علاقے اور بدوری | تو جہات کو تباہی علاقوں کی تعلیم پر مرکوز نہ کیا جائے، قبائلی علاقوں کی آبادی کو دو
 گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) وہ قبیلے جو اب تک نیم پرمیاد زندگی بسر کرتے ہیں (۲) وہ قبیلے جو نیم آباد و بدوری
 دور سے گزر رہے ہیں۔

ان سب کی مجموعی تعداد میں لاکھ کے لگ بھگ ۵۰ ان میں مدد جانے والے بچوں کی تعداد تقریباً تین لاکھ
 اس پوری آبادی میں نہ فی صدی ذرا لگ بھگ نصف ہیں جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہتے ہیں خواہ خاص
 ہو کہیں ہی ہیں کیوں نہ ہوں ان پر کسی نظامِ تعلیم کا اطلاق نہیں ہو سکتا، ایسے مالک میں جہاں مدتوں سے لادنی تعلیم
 رائج ہے ایسے بچوں کی تعلیم کا اب تک کوئی مستقل نظام نہیں ہو سکا جو اپنے والدین کے ساتھ کاروانوں میں مختلف مقامات پر
 جاتے رہتے ہیں، عراق کی اس آبادی میں کسی نظامِ تعلیم کا رواج دینا محال ہے، اس کے لئے ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان قبیلوں
 کے ساتھ ایسے استاد ہوں جو ان کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں پھرتے رہیں، اور جہاں یہ قیام کریں وہ خود ایک مدرسہ
 قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں، یہی مدرسہ بچوں کی تعلیم ادبائوں کی سماجی اور معاشرتی تعلیم کا مرکز ہو جس کی کامیابی

اسی وقت ممکن ہے جب ان قبائل کے ذہنی اور فنی امور جو ان کو بہت حاصل کر کے ان کی اصلاح کا ذریعہ بن جائیں

تعلیمی تراشے

عبدالغفور چودھری

میرے خیال میں گھر پر کاپیاں صحیح کرنا محض تفسیح اوقات ہے، کوئی بچہ سرخ اور سیاہ پینل کا نشان دوبارہ نہیں پڑھتا، بعض بچوں میں ایک نفسیاتی کردہ دی یا اپنے اوپر بے اعتمادی ہوتی ہے یا انہیں اپنی غلطیاں دیکھ کر جذبات مجروح ہونے کا آتنا شدید احساس ہوتا ہے کہ وہ اکثر ان کی صحیح کی ہوئی غلطیوں پر دوبارہ نظر ڈالنے سے بھی جھجک سے جاتے ہیں، میں تو چاہتا ہوں کہ میں بچے کے بار بار بیٹھ کر اس کی غلطیاں درست کروں میں مضمون نویسی کے لئے زندہ موضوع چاہتا ہوں، مثلاً اگر تم ایک نئے اسال کے لئے سو جاؤ تو پھر اٹھنے پر اپنے تاثرات کا اظہار کرو، اگر تمہیں غرو عیاں کی ٹوپی مل جائے تو کیا کرو گے؟ بہنوں نے جواب میں لکھا چوریاں کریں گے ڈاکے ماریں گے، یا خفیہ طور سے لوگوں کے مجید معلوم کریں گے اور بے لکٹ سفر کیا کریں گے، تصور کرو کہ تم اکیلے ہی دنیا میں زندہ رہ گئے، اس پر ایک مضمون لکھو، ایک سات سال کے بچے کو نہلا یا جارہا ہے۔ اس کی بابت لکھو۔ ۹۰ سال کی عمر میں وفات پا کر اپنے متعلق مقامی اخبار میں ایک پیرا گراف لکھو۔

آج میں کمپین سے ملا جو ایک آزمودہ کار ہیڈ ماسٹر محمد اعلیٰ سال استادوں کی انجمن کا صدر ہونے والا ہے، مجھے مسئلہ ذیل الفاظ میں ان سے تعارف کرایا گیا، آپ ایک نوجوان ہیں اور تعلیم کے موضوع پر کچھ نظریہ رکھتے ہیں، انپکٹر لوگوں کی تو ذرہ بھر پادہ نہیں کرتے، اور ضبط اور اس کے

بندیوں سے قوبل سے نفرت کرتے ہیں سیمپسن (SIMPSON) نے مجھے اپنی عینک کے ادب سے لے کر پاؤں تک جانچا۔ اس کے بعد ایک (GRUNT) کے ساتھ کہنے لگا، میاں آہستہ آہستہ سب بھول جاؤ گے، میں نے ہنس کر جواب دیا حضرت اس کا تو مجھے بھی ڈر ہے، مجھے خوف ہے کہ میں اس سے کچھ بچوں میں پس کر یا اس کو لٹھ میں جُت کر میری آنکھوں میں کیٹنے نہ چڑھ جائیں۔

”اجی آپ دیکھیں مجھے تجربہ وسعت نگاہ کو خراب نہیں کرتا۔ میں نے کہا اجی میری رائے میں تو تجربہ سات گنا ہونا اس میں سب سے بڑا گناہ ہے۔“ تجربہ کار کی تعریف۔ ”ایک ایسا انسان ہے جو کسی چیز کو بھی اس خوف کی دگر سے ہاتھ نہیں لگاتا، کیوں کہ ایک مرتبہ اس کی انگلیاں جل چکی ہیں، یہ تجربہ ہی تو ہے جو ہم سب کو بڑا دل بنا دیتا ہے۔“

سیمپسن نے کہا۔ ”آغا تو اس وقت آپ کو مذاق کی سوجھ بوجھ رہی ہے، بھلا اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مجھے پڑھانے کا ۲ سال کا تجربہ ہے، تعلیم کی بابت تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میاں لونڈے! میں تو اُس وقت بھی پڑھا رہا تھا، جب تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔“ اچھا یہ تو بتاؤ تم ضبط کی بجائے کس سے کام لیتے ہو؟ میں تو اس کے بغیر ہی کام چلا لیتا ہوں۔“ یا اللہ! تم نے تو غضب کر دیا۔ آخر یہ تو بتاؤ کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ حضرت یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میری فطرت گوارا نہیں کرتی کہ کوئی میرے لئے قانون بنائے، اور میں خود نہیں چاہتا کہ میں بچوں کی نقل و حرکت کے لئے کسی قسم کے قواعد مرتب کروں، آخر یہ تو بتاؤ تم بچوں سے کام کیسے لیتے ہو؟۔ ”جناب میں تو اسکو میں کام پر اہمیت ہی نہیں دیتا۔ کام میں اہمیت دینا اتنی ہی بے ایمانی ہے جتنا علم محض پر زور دینا“ انگلستان جو منی کے خلاف کیوں جھگ کر رہا کیوں کہ وہ اُن کی عسکریت کو ڈیرنا چاہتا ہے لیکن مدرسوں کی عسکریت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، یہاں بھی تو جابر ڈکٹیٹر مسلط ہیں، یہاں بھی تو دہشت انگیزی کا ماحول رہتا ہے، اگر میں ایک بچے کو اس لئے ماروں کہ اس نے حساب کا ایک سوال حل کرنے میں غلطی کی ہے تو میں اس جو من افسر سے کسی حالت میں بھی کم مجرم نہیں ہوں جو پولینڈ کے ایک شہری کو محض اس لئے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے کہ اس نے اس کی

بچہ ہوں کے سامنے ایک جلی میں سے گزر جانے کی جرأت کی۔ ایسی حالت میں میں بے وقوف بھی ہوں اور (Bully) بھی۔ اس نے ناک بھوں چڑھا کر کہا ”کیا تم بچوں کو ان کی لاپرواہی پر سزا نہیں دیتے“ دیکھا ہوں کبھی کبھی مگر بہت کم، بات یہ ہے کہ میں خود بھی تو بہت لاپرواہ ہوں، ہاں خوب یاد آیا داخل ہوتے وقت میں باغ کا پھانک کھلا چھوڑ آیا تھا، مجھے ڈر ہے آپ کی ساری مرغیاں باغ کے باہر پھڑپھڑا رہی ہوں گی۔“

”تمہارے خیال میں تو گنداپن بھی ایک خوبی ہے۔ نہیں نہیں۔ تو میں نہیں خیال کرتا، لیکن یہ ایک فطری انسانی فطرت تو ضرور ہے۔“ کیا تمہارے طلبہ اکثر گندے رہتے ہیں؟ جی ایک دو کیا کوڑیوں، بھلا یہ بچے کسی کارخانے میں ملازم ہوں گے تب ان کا کیا حال ہو گا، کیا کوئی مستری اپنے کام پر بٹھالے گا؟“

”دیکھئے اب آپ مدرسہ کا موضوع چھوڑ کر پیشے کے متعلق بحث کرنے لگے، آپ چاہتے ہیں اسکولوں میں سے کامی گر قسم کے لوگ پیدا ہونے لگیں، یہ سچ ہے کہ معنائی اور چابکدستی علی صنعت و حرفت میں بہت کام آتی ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ تعلیم کو کفش دوزی یا کفن، سازی کے دھبہ پر گرا دوں۔ اگر لڑکا غور و فکر کر سکتا ہے تو سب کچھ ہے، خواہ وہ گندہ ہی کیوں نہ ہو۔ جناب یہ تو غلط بات ہے اگر بچہ گندہ ہو گا تو اس میں غور و خوض کی عادت ہی پیدا نہیں ہو سکے گی۔ میرے خیال میں تو آپ غلط کہتے ہیں ذاتی طور پر تو میں بڑا سست آدمی ہوں، میرا کتب خانہ تو عام طور پر فرش پر ہی پڑا رہتا ہے، لیکن اگر میں جسمانی لحاظ سے سست ہوں لیکن ذہنی لحاظ سے نہیں۔“

توجہ صپ سن اس وقت چہو نچا جب میں بچوں کو قطار میں کھڑا کر کے اندر لے جا رہا تھا تو تم انہیں ایک قطار میں کھڑا کر کے مارچ کیوں نہیں کراتے، پہلے کراتا تھا لیکن اب تو چھوڑ دیا ہے، اس کے پوچھو تو مجھے سیدھی قطاروں سے سخت نفرت ہے، ہم کمرے میں داخل ہو گئے، صپ سن کھڑا ہوا آپس میں باتیں کرنے والے بچوں کو سختی سے گھور رہا تھا، ادھر میں رجسٹر پر حاضری لگا رہا تھا۔ مجھے تو یہ خود برداشت

ہو نہیں سکتا۔ میں نے مسٹر اگر جواب دیا یہ جماعت آپ کے کاف کلب جتنا شور نہیں مچاتی ہے۔ اتنے
 بن جان میرے ڈریک کے پاس پہنچا، اس نے اخبار ہاتھ میں اٹھالیا اور اس کے بعد کچھ گاتا ہوا
 کھیل کے میدان میں چلا گیا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے جواب دیا۔ یہی ایک لڑکا ہے جو لڑائی
 کی خبریں بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔ اس کے بعد ایک لڑکی آئی اور کہنے لگی میں (FOUR FELTERS)
 اپنے ساتھ گھر لے گئی تھی اور میری اماں نے اُسے پڑھا شروع کر دیا ہے۔ کیا کوئی شخص اس کتاب کو پڑھ
 رہا ہے۔ میں نے وہ کتاب اُسے دے دی اور وہ باہر چلی گئی، اس کے بعد جون آیا وہ مینڈل دوم کی چابی
 اٹک رہا تھا اسے ایک کشتی تیار کرنا تھی۔ سمپسن بولا۔ کیا تم ان کو من مانی کارروائیاں کرنے جیتے
 ہو؟ ہاں بڑی جماعتوں میں۔ میری (MARY) جو آگے کی صف میں بیٹھی تھی اس نے ایک مٹھائی کا قیل
 کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ خواب کیا یہ بھی کچھ لیں گے؟ (سمپسن کی طرف اشارہ کر کے) سمپسن نے
 ایک ایسے شخص کے انداز میں جو چٹیاں منارہا تھا اور جسے یہ پردہ نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ ایک ٹکڑا
 اٹھالیا۔ سمپسن بولا۔ اُسے میاں کیا تم اس کو مل میں کھانے کی بھی اجازت دے دیتے ہو، دیکھو تو
 ایک بچہ پیچھے بیٹھا ہوا آخر ڈٹ کھا رہا ہے۔ میں نے اپنی نگاہ میں جون پر لگا ہی دیں۔ "جون اگر تم ان
 جھگڑوں کا ذرہ بھی فرسٹ پریجیٹ کو گے تو میں تمہیں کھا ہی جاؤں گا" میں تو انہیں اپنے ٹوٹے میں ڈال
 رہا ہوں؟ شاباش۔ شاباش۔ اچھا ایک سوال پوچھو، ہم ذرا اٹھے تو دیکھا کہ دو بچے پڑھ رہے ہیں، ایک
 دوسرے میں کچھ کھیل کھیل رہا ہے، دو تین گھنٹوں کے متعلق باتیں کر رہے ہیں، دوسری پڑھ رہی ہے
 ہا، یہاں نفاذ بہت لطیف اور دلچسپ ہے، مگر جماعت میں مٹھائی کھانا اور خرد لکھنا چہ معنی؟
 ماہ آپ کا تو دیا ہا ہا بار بار اٹھا ہو گا۔ میں نے ہنس کر کہا کیوں نہیں؟ مگر کیا تمہیں کبھی غصہ نہیں آتا؟
 ہاں کبھی کبھی۔ اچھا تو تمہارا سسٹم مکمل نہ ہوا، واللہ تم بھی کیا باتیں کرتے ہو کیا تم نے مجھے آسمان کا
 رشتہ سمجھا ہے؟ میں بھی کبھی کبھی چڑھ جاتا ہوں، مگر ہمیشہ ورام اپنے اوپر ہی رکھتا ہوں؟

ہمارے مدارس میں تدریس الجبر

محمد مطلق الدین

الجبر ریاضی کی ایک شاخ ہے اور اس سے وہی نتائج حاصل ہوتے ہیں جو اس کی دوسری شاخ سے ہوتے ہیں لیکن یہ کچھ ایسے طریقے سے پڑھایا جاتا ہے کہ للہا بلکہ بعض اساتذہ بالخصوص ایسے حضرات اسے ریاضی کی دوسری شاخوں سے ایک علیحدہ مضمون خیال کرنے لگے ہیں، اس کی وجہ از تدریس کا ناقص طریقہ اور پڑھانے والوں کی علمی بے ماہی ہے، ورنہ یہ جزئی یا عمومی حساب ہے، حساب کے قاعدوں کی ہی دست ہے، جب تک بچوں کو یہ محسوس نہ کرایا جائے کہ الجبر ان کی علمی کے لئے مفید ہے، ان کے دلوں میں اس کے لئے دل چسپی پیدا نہیں ہوگی، وہ اس کی تدریس اسی وقت محسوس کریں گے جب انھیں فی الواقع کوئی بڑا سوال حل کرنے کو دے دیا جائے، وہ اسے حل کر کے لئے سر توڑ کوشش کریں گے، ایسا کرتے وقت استاد کی طرف سے غلطی سی راہ نہائی ان کے دلوں میں اس مضمون سے مستقل دل چسپی پیدا کر سکتی ہے، اس وقت جس طریقہ سے اسکو لیا میں الجبر پڑھایا جا رہا ہے اس سے طلبہ کا اسے ایک نیا اور زائد بوجھ خیال کرنا ناگزیر ہے الجبر کی تدریس ساتویں جماعت سے شروع ہوتی ہے لیکن طبقہ و مسلمانہ میں سب سے زیادہ غفلت کا فکرا ہو رہا ہے، اس میں اسے پڑھانے والے عام طور پر ایس دی بددین ہوتے ہیں ان مدرسین کی علمی معلومات بہت محدود ہوتی ہیں خود الجبر ان ساتویں اور آٹھویں جماعتوں میں اس کے بعد ایس دی کلاس میں تقریباً ایک سال پڑھتے ہیں، اس لئے وہ خود اس مضمون

مادی نہیں ہوتے اور جماعت میں بالعموم اس کی تدلیس سے پہلو تہی کرتے ہیں اور تھوڑا وقت دیتے ہیں، اور اس میں بھی عام طور پر ایسے سوالات کراتے ہیں جو انہیں خود آتے ہیں اور ایسے طریقے سے کراتے ہیں جس سے وہ خود طالب علمی کے زمانے سے روشناس ہوتے ہیں، بیشتر حصے کو نظر انداز کر دیتے ہیں، چند مخصوص طریقوں پر اکتفا کرتے ہیں، اور تھوڑا بہت جو پڑھایا جاتا ہے وہ بھی یاد کی ذاتی بے توجہی اور ان کی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے نہ پڑھانے کے برابر ہوتا ہے، اس کا اثر قدرتاں کے شاگردوں پر پڑتا ہے اور انہیں بھی الجھرے سے بجائے دل چسپی، نفرت، ہوجائی، الجھر پڑھانے کی غرض و غایت اور اس کا نام نہ لڑکوں کو نہیں بتایا جاتا اور غالباً بیشتر مدرسین

اسے خود بھی نہیں جانتے، اور اس مضمون کو یاد پر والی جماعتوں کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں لیکن اور پر والی جماعتوں میں بھی اس کا تقریباً ہی حشر ہوتا ہے، اس کے نمبروں کی کسر سبک کر دیا دقت دیکر اور اس کے زیادہ سوالات کرا کے پورا کرنے کی سعی کی جاتی ہے، اس وجہ سے لڑکوں کے دلوں میں اس مضمون سے ٹکاؤ پیدا نہیں ہوتا، اور وہ بھی اس کو تقریباً نظر انداز کر دیتے ہیں طبقہ و مسلمانہ سے ثانوی مدارج میں آنے والے طلبہ میں سے بیشتر کو مبادیات کا ابتدائی تصور مثلاً نفی = مثبت، یا نفی = مثبت = نفی بھی واضح نہیں ہوتا، لڑکے جمع تفریق ضرب اور تقسیم کے پیچیدہ سوالات نہیں کر سکتے، ان سوالوں کے حل کرانے کا صحیح طریقہ بھی سیکھ نہیں آتا، اگر رقم کو ترتیب دے لیا جائے تو یہ آسانی سے ہو سکتے ہیں۔

مسائل کے استعمال میں چھوٹا اور آسان طریقہ (USE OF TRICKS) استعمال نہیں کیا جاتا اور اس کا انحصار محض فکر و تدبیر پر ہوتا ہے، اس کے عبارتی سوالات جو اس کی تعلیم کو عام زندگی سے مربوط کرنے ہیں اور اس مضمون کو خاص طور پر دلچسپ بنانے ہیں نہیں کرائے جاتے، بغیر عبارتی سوالات بھی اس انداز سے کرائے جاتے ہیں جس میں ضرب اور تقسیم والے نمبر آزمائے اور حوصلہ شکن سوالات ہوتے ہیں۔

جن سوالات میں جواب کی پڑتال ہو سکتی ہے، مثلاً مساوات میں، ان کی پڑتال بھی نہیں کرائی جاتی۔

بچوں کے عملی کام کی طرف مدرسین بالعموم توجہ نہیں دیتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمل عام طور پر غلط ہوتا ہے اور بیشتر طلبہ مساوات کے سوالوں میں ہر سطر کے شروع میں یا لکھنے کا بجائے = لکھ دیتے ہیں اور کسود کے سوالوں میں جہاں پہلی سطر کے بعد = لکھنا چاہئے، کچھ بھی نہیں لکھتے بعد یہ غلط ہے۔

اصول اور کلمے بتا دیئے جاتے ہیں، لیکن اخذ نہیں کر اے جاتے اور نہ پھر کافی مشق سے ذہن نشین ہی کئے جاتے ہیں۔

رٹ کے گراف کو نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ اسے استعمال ہی کر سکتے ہیں، حالاں کہ الجبرے میں ترمیم کا علیحدہ باب ہے۔

غرضیکہ جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ امتحان کے زیر اثر پڑھایا جاتا ہے، مقاصد تعلیم کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا، ان حالات کی اصلاح کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں

الجبر شروع کرنے سے پیشتر طلبہ پر اس کی اہمیت واضح کی جائے، انہیں بتایا جائے کہ الجبر احساب ہی تو ہے جس میں ہندسوں کی بجائے حروف ہوتے ہیں جس وجہ سے اسے حرفی یا عمومی حساب بھی کہا جاتا ہے، اس میں حساب کے قاعدوں کی وسعت ہوتی ہے۔ مثلاً:-

$$\frac{1}{2} + \frac{1}{3} = \frac{5}{6} \quad \text{اور}$$

$$\frac{1}{2} + \frac{1}{3} = \frac{5}{6} \quad \text{یہ بعینہ حساب کی عام کسروں کو حل کرنے کا طریقہ ہے۔ اسی طرح}$$

$$1 \times 2 = 2 \times 1 \quad \text{اس سے حساب کے مشکل سوالات بڑی آسانی سے سمجھنے سے تھوڑے وقت}$$

میں حل ہو جاتے ہیں۔

$$\text{مثلاً } \frac{69453 \times 69453 + 69453 \times 69453 + 69453 \times 69453}{69453 \times 69453 + 69453 \times 69453 + 69453 \times 69453} \quad \text{کو اگر}$$

حساب کے عام قاعدے سے حل کیا جائے تو لمبی جو صد فکریں دینی پڑتی ہیں، لیکن الجبرے کی مدد سے اسے حل کیا جائے تو یہ اتنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس کا جواب آسانی سے ایک منٹ میں

دلا جا سکتا ہے۔

اسی طرح $91 \times 89 = (90+1)(90-1) = 90^2 - 1 = 8100 - 1 = 8099$ میں

ایسی ضربوں سے بچ سکتے ہیں۔

بذر کا عمل الجبرے کے فارمولہ $(a+b)^2 = a^2 + 2ab + b^2$ سے ہی سمجھایا جاسکتا ہے اس طرح الجبرے کا فائدہ اور ریاضی کی دوسری شانوں اور دوسرے مضامین میں اس کا استعمال ذہن نشین کیا جائے تاکہ لڑکے اسے مفید خیال کریں اور اسی میں دل چسپی لیں اس سے صرف اعلیٰ تعلیم یا کالج کے لئے ہی ضروری نہ سمجھیں بلکہ حساب کے مشکل سوالات کو بھی حل کرنے کا آسان ذریعہ خیال کریں۔

حساب کراتے وقت اگر اتنا ذہن قاعدوں میں اعداد کے ساتھ حروف کا بھی استعمال کریں تو یہ تصور اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

اسی طرح طلبہ کو بتایا جائے کہ حساب کے قاعدوں کو الجبرے میں عام کلیوں میں ظاہر کیا جاتا ہے اور پورے جملوں کو حروف کے استعمال سے چھوٹے کلیوں میں رکھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً حساب میں ہم یہ کہیں گے کہ اگر کسی چیز کا حجم معلوم کرنا ہو تو وہ اس کی لمبائی، چوڑائی اور بلندی یا موٹائی کو آپس میں ضرب دینے سے معلوم ہو گا۔ لیکن الجبرے میں اسے اس طرح ظاہر کریں گے۔

$$ح = ل \times ب \times ج$$

حروف کے استعمال سے حساب کے عام سوالات میں سادات بن جاتی ہیں جن کی مدد سوالات آسانی سے حل ہو جاتے ہیں مثلاً ۱۲۵ کو ایسے چار حصوں میں تقسیم کرو کہ اگر پہلے حصے میں جمع کریں دوسرے سے کم نفی کریں تیسرے کو کم سے ضرب دیں اور چوتھے کو کم سے تقسیم کریں تو نتیجہ ہر حالت میں یکساں ہو۔

اس سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جس کی اس کے بعد اعلیٰ تعلیم میں ضرورت پڑتی ہے۔ زندگی میں بہت سی چیزیں ایک دوسرے کی تفاعل ہیں، یعنی ایک چیز میں تبدیلی کا دوسرا اثر پڑتا ہے مثلاً دائرہ میں اگر قطر میں تبدیلی ہو رہی ہو محیط میں بھی ویسی ہی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

پھر ان کو تختہ یا ہ پکھ کر ان سے یہ کلیہ اخذ کر لیا جائے۔

$$(د + ب) \times (د + ج) = د + (ب + ج) + د + ب + ج$$

سادات کے قاعدے کو جلد سے جلد شروع کرنا چاہئے، بلکہ بعض اساتذہ کی رائے ہے کہ الجبرے کی ابتدا سادات سے کی جائے اور اس کی مدد سے ابتدائی تصورات دیئے جائیں، پھر حال جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے سادات جلد سے جلد شروع کیا جائے، کیونکہ فی الحقیقت الجبرے کا یہی دلچسپ حصہ ہے، اور عملی زندگی سے وابستہ کرنے کا ذریعہ ابتدائی تصورات کو خاص طور پر توجہ دے کر بخیر کیا جائے۔

اسکولوں میں طلبہ کے عمل اور تحریری کام کی استاد کو پڑتال کرنی چاہئے، ابتدا میں زیادہ پڑتال کی ضرورت ہے، کیونکہ غلط عادات پڑ جانے پر ان کا پھر ڈھاننا نئی عادت ڈالنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، اگر عدس سارے سوال دست نہیں کر سکتا تو ان میں سے کم از کم دو کو درست کر دیا کرے یا ہفتہ میں کم سے کم ایک مرتبہ تو الجبرے کے سوالوں کی کاپیوں کی اصلاح احتیاط اور غور سے کر دیا کرے اور غلطی کو طلبہ سے دوبارہ صحیح لکھوا کر ان کے دلوں پر تصحیحات کو واضح کیا کرے، ہیڈ ماسٹر صاحبان کو بھی تحریری کام کی پڑتال کے وقت اس بات کی پڑتال کرنی چاہئے۔

الجبرے کے سوالات کراتے وقت خاص چھوٹے آسان اور دلچسپ طریقے اختیار کرائے جائیں جن سے لمبی لمبی خبروں اور تفسیروں کی ضرورت نہیں رہتی، اور سوالات بڑی آسانی سے دل چسپ طور پر حل ہو جاتے ہیں۔

سادات اور دوسرے قاعدوں کے سوالات میں جن میں جواب کے صحت کی پڑتال ہو سکتی ہے اصل سوال میں جواب رکھ کر طلبہ سے کوئی جائے، سادات میں اسے ہر طرف دکھ کر ہر طرف کی قیمت علیحدہ علیحدہ نکالی جائے اور دیکھا جائے کہ دونوں طرف برابر ہیں یا نہیں۔ طلبہ کو کم سے کم کلیہ یاد کرائے جائیں، لیکن جتنے بھی یاد کرائے جائیں، ان کی خوب مشق

کرائی جائے اور ان کا استعمال مختلف نوع کے سوالات سے گرا کے طلبہ کے دماغوں پر اسے را کیا جائے دیکھیے یاد کرانے کا بہترین طریقہ ہے کہ طلبہ ان کو ایک کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا اپنے کمرے کی دیوار پر ایسی جگہ جہاں وہ انہیں آسانی سے پڑھ سکیں لگا دیں اور روزانہ دو تین دفعہ کہہ لیا کریں، لگا ہے گا ہے انہیں ربانی لکھ کر اصل سے مقابلہ کر کے اپنی یاد کا اپنا امتحان خود بھی لے لیا کریں، اس طرح وہ انہیں اذہر ہو جائیں گے۔

کمزور لڑکوں کو کلاس سے علیحدہ زائد وقت دیا جائے اور ان کو معیار پر لانے کے لئے، کوشش کی جائے۔

آج کل عام زندگی میں تریسم کا بڑا استعمال ہوتا ہے جن چیزوں کا مقابلہ کرتا ہو تریسم کی مدد سے کیا جاتا ہے، درجہ حرارت، بارش، پیداوار وغیرہ کے تریسم ہوتے ہیں مدد سے مقابلہ واضح ہو جاتا ہے، عام شہریوں کو ان کے سمجھنے کی اہلیت ہوتی چاہئے، اسے خاص طور پر سکھایا جائے، اس کا صرف سکھا دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کا پڑھنا استعمال بھی بتایا جائے

عام لڑکے تریسم کی ماہیت کو نہیں سمجھتے، شاید ہی کوئی لڑکا ہوگا جو یہ سمجھتا ہو کہ (LOCUS) اور تریسم دراصل ایک چیز ہیں، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ لوکس میں اسے کے ذریعہ اور الجبرے میں حروف (SYMBOLS) کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ لہذا بہتر ہوگا کہ میو میٹری میں لوکس پڑھانے کے بعد الجبرے میں تریسم پڑھایا جائے۔

اجزائے ضربی میں عام طور پر مسئلہ باقی (REMAINDER THEOREM) جماعت میں پڑھانا چھوڑ دیا جاتا ہے، اسے چھوڑا نہ جائے بلکہ پڑھایا جائے، ذہن کر کے مشق کرائی جائے تو یہ بہت ہی آسان معلوم ہوگا۔

ہومرلین اور اس کی تعلیمی خدمات

انتصار مہدی

تعلیم ایک انسانی ضرورت ہے، مگر ہر ضرورت کی نوعیت مزاج زمانہ سے ہم آہنگ ہو کر ترقی پزیر
قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ میں تعلیم ایک مذہبی فریضہ اور مدرسہ ایک دینی ادارہ مقصور رہتا تھا۔
مسجدوں، خانقاہوں، گرجوں یا مندروں میں ہی مدارس ہو کرتے تھے اور مذہبی راہ ناما ہی تعلیم و
تدریس کے فرائض انجام دیا کرتے تھے، آگے چل کر زمانہ بدلا تو تعلیمی قدریں بھی بدل گئیں، مدرسہ
اور عبادت گاہ کا رشتہ ٹوٹ گیا اور مدارس نے جداگانہ حیثیت اختیار کر لی، بدلے ہوئے حالات
میں گھر اور مدرسہ کے دو گونہ اثرات تعلیم کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئے تو کچھ لوگوں نے اقامتی
مدارس (RESIDENTIAL) کی بنیاد رکھی، تعلیمی نفعیات کی ترقی سے ذیل کے تعلیم میں ایک نیا
انقلاب رونما ہوا تو کچھ مین چلے افراد نے چند مدارس حکومت خود اختیاری کے اصولوں پر چلائے۔
عبادت گاہوں میں تعلیم پانے والے طلباء اپنے اساتذہ سے صرف لکھنا پڑھنا ہی نہیں سیکھتے
بلکہ سر سے پاؤں تک، استاد کے رنگ میں رنگ جایا کرتے تھے، استاد اور شاگرد کے درمیان
مضبوط روحانی رشتہ قائم تھا، استاد مرشد تھا اور شاگرد مرید، مگر جب مادیت کے سیلاب میں پرا
نظام تعلیم برپا ہوا تو استاد شاگرد کا پرانا رشتہ بھی قائم نہ رہ سکا، امد مدرسہ کے ابعاد سے ہوئے نقوش
گھر کی نامساعد فضا میں دھندلے پڑنے لگے، لہذا گھر اور مدرسہ کی خلیج پر اقامتی مدارس کا پل تعمیر کرنا
کی کوشش کی گئی، لیکن جلد ہی تعلیمی نفعیات کی روشنی میں تعلیمی نظریات ہی بدل گئے، مدرسہ کے

نظم و نسق اور طریق تعلیم میں بنیادی رد و بدل کے بغیر تنہا اتنا سنی مدارس کا کافی ثابت ہوئے کچھ مدارس حکومت خود اختیاری کے اصولوں پر قائم ہوئے۔ جو ریاست ادب و زہر پردہ کے پرانے فلسفے پر مبنی تھے۔ پھر اگیا اور اتنا کی حیثیت ایک جمہوری رہنما کی قرار پائی، طلباء کے لئے بیش از بیش آزادی کے ہوتا ہوا ہم پہنچائے گئے، تاکہ بچے کو خود اپنے تجربات کی روشنی میں تعمیر شخصیت کا موقع مل سکے۔

اس صدی کے شروع میں اسی قسم کا ایک تجربہ ہومر لین نے بھی کیا، اس نے اپنے تجربہ کے کچھ رویچوں کو منتخب کیا، بگڑے ہوئے بچوں کی اصلاح کے لئے اس کی نگرانی میں حکومت غور و فکر کے اصولوں پر ایک ادارہ قائم کیا گیا، کام بہت دشوار تھا۔ مگر صرف چھ سات سال کی مختصر سی مدت میں سینکڑوں بگڑے ہوئے بچوں کی زندگیاں سنوار دیں، ہومر لین کے تجربات ہمارے لئے بھی کچھ کابا عث ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ ہماری ضروریات بھی کچھ اسی نوعیت کی ہیں۔

ہومر لین نہ کوئی باقاعدہ مفکر تھا نہ کوئی بلند پایہ عالم بلکہ ایک سیدھا سادھا سوفیستک عملی انسان تھا۔ قدرت نے اسے بچوں کی نفسیات سمجھنے اور بگڑے ہوئے بچوں کی اصلاح کا حیرتناک ملکہ دیا تھا، ابتدائی زندگی ماں کی غلط تربیت کی وجہ سے آوارہ گردی میں گزری اور آخری ایام حکومت کی غلط فہمی کی نندہ ہو گئے، درمیان اے تھوڑے سے وقفہ میں دنیا کے تعلیم میں ایک نئی عمارت کی داغ بیل ڈال گیا۔

انیسویں صدی کے ربع آخر (۱۸۸۰ء) کا ذکر ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مشہور ہڈسن میں ایک ہونہار بچہ نے جنم لیا، ہومر لین نام رکھا گیا، مگر قدرت کی تمام ظرفی دیکھئے کہ اس ہونہار بچہ کو ایک کڑواں کی آغوش ملی، ماں کی سخت گیری رنگ لائی اور بچہ تنگ آکر کچھ اس طرح ہمارے بے ہاتھ ہوا کہ مشہور کے اباش لڑکوں کا سرگردہ بن کر شہر کی پڑ سکون فضا کو ملکہ کرنے لگا، ماں مزید سختیاں چپائے بچہ کو راہ راست پر نہ لاسکیں، ماں کی روناد سزاؤں سے بچنے کے لئے چودہ برس کے سن میں شمال کے قدرتی جھگڑات کی طرف بھاگ نکلا۔ اور لکڑی کٹوں کے پڑاؤ پڑاؤ ڈال دیا، یہاں تک کہ بازی میں خوب نام پیدا کیا، نگرہ ماش دامن گیر ہوئی تو جنگل سے بھاگ کر ایک پوچھوں کی دکان

دیشہ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرنی اسی میل دنہار میں ہومرین اپنی عمر کی تیسویں منزل میں
ہوا تو اس کے یہاں پہلا بچہ پیدا ہوا، اس کی خبروں میں خود اپنا بھیانک بچپن بھریا، باپ تو
نہ ہوتے ہیں مگر سبھی رافعہ فرض شناس باپ کم ہوتے ہیں، بچہ کی محبت نے ہومرین کی اصلی شخصیت
ایاں کر دیا۔ فرض شناس باپ مسلم بننے پر مجبور ہو گیا، لہذا مسلم دستکاری کی تربیت حاصل کرنے
لئے بوسٹن کے سلائیڈ (SLAYED) ٹریننگ اسکول میں داخل ہو گیا۔

ٹریننگ اسکول میں علم انفس پڑھنے کا اتفاق ہوا تو اس کا فطری ذوق جاگ اٹھا، اسی زمانہ سے
بچوں کی نفسیات کی کیمیں لگ گیا، کئی مقامات پر علم کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد شہر ڈٹرائٹ
(DETROIT) کے سرکاری اسکول میں مدرس مقرر ہو گیا، خوش قسمتی سے اس شہر میں اسے بچوں کے
لحق اپنے تجربات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا موقع ملا۔ شہر میں آوارہ گرد بد معاش فوجیوں کی
جماعت پیدا ہو گئی تھی، ہومرین پر خود کبھی یہ دور گزر چکا تھا، وہ جانتا تھا کہ ان کی اصلاح کیوں کر
سکتی ہے، اس نے ان فوجیوں کی اصلاح کے لئے ٹرائی اسکوائر کلب (TRY SQUARE CLUB)

بنیاد رکھی، تعلیمات کے زمانہ میں مدارس کے طلباء شہر کی سڑکوں پر آواہ گردی کرتے پھرتے تھے اور علم
خوئی کی صورت میں خیر سببی حرکات کی طرف مائل ہو جاتے تھے، اس مہیبت سے نجات حاصل کرنے
لئے تعلیمات کے زمانہ میں شہر کی طرف سے ان طلباء کے لئے ایک میدان میں کھیلوں کا خاص تنظیم
دیا تھا، ہومرین نے یہاں بچوں کے کھیلوں اور ان کی دل چسپیوں کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا۔
برصغیر تک کھیلوں کے میدان کا اہتمام بھی رہا، یہاں سے فرصت پا کر ایک زمانہ تک ایک اسپتال میں
نئے بچوں کی پرورش اور ان کے افعال و کردار کا مطالعہ کرتا رہا، آخر کار اسی شہر کے دارالاطفال کا
اہتمام ہو گیا، یہ ایک اصلاحی ادارہ تھا، بد قسمتی سے دارالاطفال (BOYS HOME) کی عمارت میں
آگ لگ گئی، ایک بچے کو آگ سے بچاتے ہوئے ہومرین نے اپنی کلائی توڑ لی، مگر جب تک تمام بچوں
کو محفوظ جگہ پر نہیں پہنچا دیا، اس وقت تک اپنی ٹوٹی ہوئی کلائی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اسکول
کی نئی عمارت بنی تو دارالاطفال کی بجائے اس کا نام جمہوریہ فورڈ (FORD REPUBLIC) ہو گیا

ہومرلین کی تجویز یہ تھی کہ ایک بڑی مشترکہ عمارت کی بجائے جمہوریہ چند چھوٹے چھوٹے مکانات پر تقسیم اور بچوں کو چند خاندانوں میں تقسیم کر کے الگ الگ مکانات میں رکھا جائے، اسکول کی کمیٹی نے یہ تجویز مسترد کر دی تو ہومرلین ۱۹۱۸ء میں مستعفی ہو گیا، لیکن جو خواب اس نے امریکہ میں دیکھا تھا اس کی تعبیر اسے انگلستان میں ملی۔

ہومرلین بچوں کی اصلاح میں کافی شہرت حاصل کر چکا تھا، اس زمانہ میں انگلستان میں ڈاکٹر (DORSET SHIRE) کے علاقہ میں ایک اصلاحی ادارہ کھولنے کی تجویز زیر غور تھی، اس سلسلہ میں ہومرلین کو اپنے نظریات پیش کرنے کے لئے دعوت دی گئی، یہ تجویز بار آؤر شاٹ (EVERSHOT) کے مقام پر ایک اصلاحی ادارہ بچوں کی دولت مشترکہ (LITTLE COMMONWEALTH) کے نام قائم ہو گیا، ۱۹۱۲ء میں ایک بار پھر ہومرلین کو انگلستان بلایا گیا اور اس کو بچوں کی دولت مشترکہ کا ہنرمند کر دیا گیا، یہ قسمتی سے ۱۹۱۸ء میں یہ اسکول بند ہو گیا، بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے حکومت کی یہ خواہش تھی کہ ہومرلین کو برطرف کر دیا جائے، مگر منتظمین نے ہومرلین کے بغیر اسکول جاری رکھنے سے بہتر یہی تصور کیا کہ ادارہ توڑ ہی دیا جائے۔

اسکول بند ہونے کے بعد ہومرلین لندن چلا آیا اور کچھ دنوں نئیاتی مشترکہ حیثیت سے کام کرتا رہا، حکومت کی نظر میں پہلے ہی مشکوک ہو چکا تھا، اس پر قیامت یہ ہوئی کہ اس کے خلاف ایک مقدمہ اٹھ کھڑا ہوا، جمہور ۱۱ سے اپنی زندگی کے آخری ایام فرانس میں سخت پریشانی گزارنے پڑے، آخر ستمبر ۱۹۲۵ء میں دنیا کے تعلیم کا یہ درخشندہ ستارہ میعادِ بخار اور نو نیاں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

بچوں کی دولت مشترکہ (LITTLE COMMONWEALTH) جنوبی انگلستان میں ڈاکٹر ڈاکٹر (DORSETSHIRE) رودبار انگلستان کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے، اس علاقہ میں ایک مشہور قصبہ ہے، اوڑ شاٹ اسی قصبہ کو بچوں کی دولت مشترکہ کے مولد ہونے پر فخر حاصل ہے، یہ ایک نیم اصلاحی ادارہ تھا، اس کے بانیوں میں مسٹر جارج مائیکو پیش پٹنر

دارہ تقریباً سات سال زندہ رہا اور اس زمانے میں ہوم لین اس کا بہتر رہا، تعلیم غلط تھی، لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ زیر تربیت رہتی تھیں، ادارہ ایک چھوٹی سی حکومت کا نمونہ تھا، بچے خود ہی لم تھے اور خود ہی محکوم، اس طرح بچوں کی نظری صلاحیتوں کو خود بروئے کار آنے کا موقع دیا تھا۔

بادی | ادارے کی آبادی تین قسم کے عناصر پر مشتمل تھی، ایک تو بالغ عنصر تھا یہ معلم اور کام کے ران افراد کی جماعت تھی، یہ ادارے کے تنخواہ دار ملازم تھے، ان میں مرد بھی اور عورتیں بھی۔ دگ دولت مشترکہ کے نظام میں حتی الامکان ہر قسم کا اقتدار استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے، البتہ بچوں کی تعلیم اور کام کی مکمل نگرانی کرتے تھے، دوسرا عنصر تیرہ سال سے زیادہ عمر کے لڑکے اور لڑکیوں کا گیارہ نو جوان تھے جو بچپن کی غلط تربیت کا نشانہ ہو کر مجرمانہ ذہنیت اختیار کر لیتے تھے، عام طور پر لڑکے لڑکیاں کسی اصلاحی جیل خانہ یا ادارے کے سپرد کر دیئے جاتا کرتے تھے، یہ نو جوان ہر کسی عدالت سے کسی جرم میں سزا یا سب ہو کر اصلاح کے لئے بچوں کی دولت مشترکہ میں بھیجے جاتے تھے، تیسرا عنصر ان بچوں کا تھا جن کی عمر ۱۳ سال یا اس سے کم تھیں، ان میں چند ماہ سے ۷ کریرہ سال تک عمر کے لڑکے اور لڑکیاں شامل تھیں، یہ وہ ادارت تھیں جہاں بچے تھے جو بصورت دیگر ہی تعلیم خانہ یا خیرات خانہ میں پرورش پاتے، اس طرح طلبہ میں چند ماہ سے لے کر انیس سالہ لڑکے اور لڑکیاں شامل تھیں۔

۱۹۱۵ء میں دولت مشترکہ کے طلباء کی کل تعداد کیا دن افراد پر مشتمل تھی۔ بالائیں چوکہ سے لیں گے لڑکے اور لڑکیاں اور نو چھوٹے بچے، یہ آبادی شہر شہر افراد کے تین خانہ داروں بن گئے تھے کسی فرد کسی خاندان کا ہمیر بننے پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا، ہر شخص کسی بھی خاندان کا رکن نہ سکتا تھا، بشرطیکہ افراد خاندان کو اس کی رکنیت پر اعتراض نہ ہو، کسی ایک خاندان میں وہ افراد رہتے تھے جن کی طبع اور حالات بڑی حد تک یکساں ہوتے تھے، ہر خاندان کی رہائش گاہ الگ الگ تھی، ایک ہی خاندان میں لڑکے اور لڑکیاں شریک ہوتی تھیں، تیرہ سال سے زیادہ عمر

لڑ کے اور لڑکیاں اپنے خاندان کے اخراجات، انعام اور خاندان کے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال کے ذریعہ ہوتے تھے، اس طرح دولت مشترکہ کے خاندانوں کو زیادہ سے زیادہ حقیقی خاندانوں کی شکل و صورت دینے کی کوشش کی گئی تھی۔

نظم دست | دولت مشترکہ کے شہریوں پر ادارہ کے ذمہ داروں کی طرف سے کوئی ضابطہ قانون مسلط نہیں کیا گیا تھا، بلکہ انہیں موقع دیا گیا تھا کہ خود اپنے لئے مناسب قوانین وضع کر لیں، اساتذہ اور کام کے نگران حتیٰ المقدور مقامی معاملات میں دخل دینے سے گریز کرتے تھے، شروع شروع میں یقیناً دشواریوں کا سامنا ہوا مگر جب طلباء کو مکمل آزادی دے دی گئی تو رفتہ رفتہ انہوں نے خود اپنے لئے ضابطہ حیات کی ضرورت محسوس کر لی، اور نتیجہ میں خود اپنی پارلیمنٹ قائم کر لی، اور عدالتی نظام درست کر لیا، چودہ سال یا اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اور لڑکیاں دولت مشترکہ کے شہری تھے، ان کو رائے دہی کا حق حاصل تھا قوانین وضع کرنے کے لئے طلباء کی اپنی ایک پارلیمنٹ تھی، ہر شہری اس کا ممبر تھا، شہری قوانین کا احترام نہ کرنے والوں سے پھٹنے کے لئے ایک شہری عدالت تھی، اس عدالت کا جج ایک طالب علم ہی ہوتا تھا جو خود ان کا منتخب کردہ ہوتا تھا، اگر کسی وجہ سے کوئی ملزم جج کے فیصلہ سے مطمئن نہیں ہوتا تھا تو اسے آخری عدالت میں اپیل کا حق بھی حاصل تھا، آخری عدالت تمام شہریوں پر مشتمل ہوتی تھی اور عام رائے خدای سے فیصلہ ہوتا تھا، اور یہ فیصلہ آخری ہوتا۔

اقتصادی نظام | دولت مشترکہ ایک خود کفنی ادارہ تھا، ہر شہری اپنے تمام اخراجات کا ذمہ دار تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کہیں ادھ سے رقم لا کر اخراجات پورے کئے جائیں، بلکہ دولت مشترکہ کے اندر ہی شہری کو اپنی روزی کما نا پڑتی تھی، ہر شہری کو کبھی تعلیمی اوقات کے بعد اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کسی نہ کسی پیشہ کا کام لازمی طور سے کرنا پڑتا تھا، اس کام کی اجرت دولت مشترکہ کے سکول میں ادا کی جاتی تھی، اجرت کا نرخ دہی تھا جو دولت مشترکہ سے باہر اس قسم کے کام کا تھا، شہریوں کا بیشتر وقت اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے روزی کمانے میں صرف ہوتا تھا، اپنی کمائی کو صرف کرنے میں ہر شہری آزاد تھا، چودہ سال سے کم عمر کے بچوں کے لئے کام لازمی نہ تھا، ان کا اصل کام علم حاصل کرنا تھا، البتہ

تعلیمی اوقات کے بعد وہ کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔
دولت مشترکہ کا نظام چلانے کے لئے شہری ٹیکس بھی ادا کرتے تھے، اس طرح دولت مشترکہ کا
بائرسکری خزانہ بھی تھا، سرکار کا خزانہ کی آمدنی دولت مشترکہ کی حکومت عام طور سے مفاد عامہ کے
میں پرمف کرتی تھی، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی سست اور کام چور شہری یا کوئی غیر منظم
شہری اپنی آمدنی اور خرچ کا توازن قائم نہ رکھ سکتا۔ کبھی کبھی کوئی غیر مسلم شہری دولت مشترکہ یا کسی
شہری کو نقصان بھی پہنچاتا، بعض اوقات کوئی شہری اپنے اخراجات ادا کئے بغیر بھاگ جاتا تھا، ایسی
عام صورتوں میں واجب الادا رقم سرکاری خزانہ سے ادا کر دی جاتا تھا، اسی طرح اگر شہری
عدالت کسی شہری پر کوئی ایسا ہرجانہ عائد کر دیتی جو اس کی کمائی پر اثر انداز ہوتا تو تمام شہری اس کی
ضروریات ہیما کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔

دولت مشترکہ کی اقلیاری حیثیت | اس دور کے دیگر اصلاحی اداروں سے یہ دولت مشترکہ
بہت کچھ مختلف تھی، تمام اصلاحی مدارس میں ذمہ داروں کی طرف سے قوانین اور ضوابط طیار، پر
مسلط کئے جاتے تھے، جن کی پابندی پھر حال ان کے لئے لازمی ہوا کرتی تھی، مگر انسان کسی تدریجاً
نظارت کا مالک ہے، یہی وجہ کہ اسے ہر وہ پابندی ناگوار گذرتی ہے جو کسی با اقتدار ہستی کی طرف سے
ٹھونس دی جائے، خاص طور سے بچے اس معاملہ میں بڑے حساس ہوتے ہیں، بچہ ایک کام خود
بڑے ذوق و شوق سے کرتا ہے، مگر جب کوئی اسی کام پر مجبور کرتا ہے تو اس کی طبیعت اچاٹ ہو
جاتی ہے اور شوق بغاوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام بچوں کے لئے بالعموم ادب
بکڑے ہوئے بچوں کے لئے بالخصوص اس قسم کی پابندی مفید سے زیادہ مضر ثابت ہوتی ہے، لیکن
دولت مشترکہ میں کوئی ضابطہ باہر سے نہیں ٹھونس گیا بلکہ طلباء کے لئے ایسا سازگار ماحول پیدا کر دیا
گیا کہ وہ قانون کی ضرورت محسوس کرنے لگیں اور ضرورت کے ماتحت اپنے اوپر خود پابندی عائد
کر لیں، نتیجہ یہ ہوا کہ قانون تسکینی کے عادی لڑکے اور لڑکیاں نہ صرف قانون کا احترام کرنا سیکھ گئے
بلکہ قانون کی پابندی پر ایک طرح کا فخر محسوس کرنے لگے، اس لئے کہ یہ قوانین خود ان کے اپنے

وضع کئے ہوئے تھے۔

دنیاوی زندگی میں بالعموم اخلاق اور خوش حالی کا رشتہ قائم نہیں رہتا، جب مفاد کی فکر ہوتی تو اپنے فائدے کے سامنے دوسرے کا خیال نہیں رہتا، اکثر خرابیاں اسی وجہ سے رونما ہوتی ہیں جو ربا زاری اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ اسی مطلب پرستی کا نتیجہ ہیں، مگر دولت مشترکہ میں خوش حالی کی بنیادیں اخلاقی قدروں پر قائم تھیں، اگر ایک طرف شہری اپنی خوش حالی کے لئے زیادہ زیادہ کمانے کی کوشش کرتے تھے تو دوسری طرف کسی ضرورت مند یا قابل اصلاح شہری مدد بھی پوری خندہ پیشانی سے کر دیا کرتے تھے، اگر کسی نا فرض شناس شہری کی بے راہ روی کی وجہ سے دولت مشترکہ کے سرکاری خزانہ پر بے جا بار پڑتا تھا تو چین برجیں نہیں مچھنے، غلط کار افراد کے ساتھ شہریوں کا رویہ انتہائی نہ تھا، بلکہ بہتر دانتھا، ماننا پڑتا ہے کہ فوجا انسانی فطرت کی خوبیوں کو بروئے کار لانے کا کامیاب ترین لائحہ عمل وہی ہے جو دولت مشترکہ اختیار کر رکھا تھا یعنی ڈنڈے کے ذریعے نیک بنانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ للہا کو خوش ذمہ دار بنا کر ایسا سازگار ماحول پیدا کر دیا جائے کہ فطری خوبیاں بغیر کسی روک ٹوک کے پھل پھول سکیں، اس طرح انسانی کردار فطری سانچہ میں ڈھلتا ہے، در نہ نیکی ریاکاری کے عہد سے آگے نہیں بڑھتی، یہی وجہ تھی کہ نا فرض شناس اور مجرم افراد کے ساتھ دولت مشترکہ شہری عدالت کا اخلاقی معیار ہمیشہ واضح اور مکمل رہا ہے، جوہوں کے فیصلے کبھی اس خیال متاخر نہیں ہوئے کہ ظالم مجرم سے شہریوں پر بار پڑتا ہے اور ظالم سے نہیں، بلکہ فیصلہ کار ہمیشہ ایک رہا یعنی مجرم کی اصلاح۔ اگرچہ دولت مشترکہ کے نظام میں اقتصادیات کو پورا اہمیت حاصل تھی، پھر بھی اخلاقی تدریس روپیہ پیسہ کے ترازو میں نہیں تھلا کرتی تھیں دولت مشترکہ کے شہری مالی منفعت سے بالاتر ہو کر بھی طرز عمل اختیار کر لیا کرتے تھے۔

ابتدائی دشواریاں | دولت مشترکہ کی مختصر سی زندگی میں سب سے زیادہ دلی چپ بہت ابتدائے چند ماہ کا زمانہ تھا، شروع شروع میں تقریباً پندرہ ایسے لوگ تھے اور لوگ کیاں جمع کئے

کسی نہ کسی جہم میں مانو ڈھتے، ان طلباء پر حکومت خود اختیاری کا تجربہ شروع کیا گیا، یہ طلباء صرف معاشرتی قدروں سے نااہل ہی نہ تھے بلکہ ایک طرح سماج دشمن حرکات کے عادی ہو چکے تھے گھٹی ہوئی لندی آبادیوں میں جنم لیا اور اسی گھنٹاؤں نے ماحول میں پرورش پائی، ہر طرف سے طاقت اور اقتدار نے ان کو اس طرح کس رکھا تھا کہ اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا تھا، ایک طرف سے والدین کا دباؤ تو دوسری طرف سے پولیس کا خوف اور تیسری طرف سے اسکول کے ذمہ داروں کی کڑی نگرانی اور سخت ضوابط، نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں اپنے آپ پر تابو یا کی صلاحیت رہ چکی تھی، ان کی حالت ایک مسئلے ہوئے پودے کی سی تھی، جب تک اسے سہارا ملتا ہے سیدھا رہتا ہے اور جب ٹیک ہٹالی جاتی ہے زمین پر لیٹ جاتا ہے، جب تک کسی صاحب اقتدار کی کڑی نگرانی میں رہتے بڑے منظم اور پرسکون نظر آتے اور ادھر نگران کی نظر چوکتی اور ادھر ان کی تحریریں کا ردائیاں شروع ہو جاتیں، وحشی انسانوں کی طرح اقتدار کے مقابلہ میں تعاون پر فوراً آمادہ ہو جاتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب تک الگ الگ رہتے بڑے دبے دبائے رہتے، اور ادھر ان میں یکساں جہتی پیدا ہو جاتی اور ادھر جارحانہ سماج دشمن حرکات شروع ہو جاتیں حقیقت یہ ہے کہ ان کی شخصیت غلط تربیت کی وجہ سے کچھ دھماکے کی طرح الٹو کر رہ گئی تھی، اس کا سلجھانا بڑا دشوار مسئلہ تھا۔

دشواریوں کا علاج | ان بگڑے ہوئے فوجیوں کے اور لڑکیوں کا مرض کچھ اس طرح جوڑ پکڑ چکا تھا کہ غیر معمولی ذرائع کے بغیر علاج ناممکن تھا، شروع شروع میں جب دولت مشترکہ کے زندادوں نے ان سے کھلے فغلوں میں یہ کہہ دیا کہ تم اپنے طرز عمل میں بالکل آزاد ہو، تم جو کچھ چاہو کر سکتے ہو تو یہ غلط کچھ اس طرح پس چکے تھے کہ ذمہ داروں کی بات پر یقین کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے، جب تک استاد یا نگران موجود رہتے، دبے دبائے اور سہمے ہوئے رہتے اور جب تنہا ہوتے تو ان میں زندگی کی لہر پیدا ہو جاتی، مگر عموماً اس زندگی کا رخ تخریب کی طرف ہوتا تھا، توڑ پھوڑ، لڑائی جھڑائی، دغا فساد اور شور و شران کی پسندیدہ حرکات تھیں، ایسا لڑکا ان کا محبوب سرگرو

بن جایا کرتا تھا جو سب سے زیادہ غلیظ زبان استعمال کر سکتا تھا یا تخریبی کارروائیوں میں پیش پیش رہتا تھا اور لڑوں کے مقابلہ میں تو بین آمیز طرز عمل اختیار کر سکتا تھا اظہار ہے کہ ان کے نظریات سے فیصلہ کی سماج دشمن تھے، یہ نظریات اتنے پختہ ہو چکے تھے کہ ان کا بدلنا ٹیڑھی کھیر تھی۔

بچوں کے تصورات اور نظریات بدلنے کے دو طریقے ہیں ایک رسمی اور دوسرا منطقی، رسمی طریقہ قویہ ہے کہ بچہ کی ناپسندیدہ حرکات کو طاقت سے دبا دیا جائے اور سزا یا انعام کے ذریعے نئے نظریات کی طرف مائل کیا جائے، ہمارے ملک میں عام طور سے بچہ کی اصلاح اسی عنوان سے کی جاتی ہے، مگر جبر یا رشوت کا بچہ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا، جبر یا سزا سے بچہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے نیز جھوٹ یا فریب کا عادی بن جاتا ہے، انعام کو بچہ رشوت سمجھتا ہے اور رفتہ رفتہ ضد اعدہ کا عادی ہو جاتا ہے، لہذا ان بگڑے ہوئے لڑکے اور لڑکیوں کی اصلاح کے لئے دولت مشترکہ کے اہم ہومرلین نے اصلاح کا منطقی عندیہ اختیار کیا، یعنی دولت مشترکہ کے طلباء کی تخریبی حرکات کی اس حد تک ہمت افزائی کی کہ تخریب سے ان کی دل چسپیوں کا خاتمہ ہو گیا اور نتیجہ میں ان کے معاشرتی نظریات خود بخود بدل گئے، ہومرلین نے نہ صرف ان کی تخریبی کارروائیوں کی ہمت افزائی کی، بلکہ خود ان میں شریک ہو گیا، اس طرح تخریبی کارروائیوں کی سادی دل چسپیاں ختم ہو گئیں، آدمی رات کو چھپ چھپ کر ٹکیوں سے جنگ ہوتی تھی، راتوں کو نوشہ خانہ پر حملے ہوتے اور دوسری توڑ پھوڑ کو عملی جامہ پہنایا جاتا تھا، ہومرلین نے ان حرکات میں دلچسپی لینا شروع کی، شروع شروع میں لڑکے جھجکے مگر رفتہ رفتہ ہومرلین خود اسی گروہ کا ایک فرد بن گیا، ان کے مشوروں میں شریک ہوتا اور خود ٹکیوں کی جنگ میں حصہ لیتا، جب لڑکوں نے دیکھا کہ دولت مشترکہ کے سب سے بڑے ذمہ دار نے نہ صرف تخریبی کارروائیوں کی اجازت ہی دے رکھی ہے، بلکہ خود بھی عملی حصہ لیتا ہے تو ان حرکات میں جو خطرے کا عنصر تھا ختم ہو گیا، یہ حرکتیں لڑکے اس لئے کرتے تھے کہ ممنوع تھیں، مگر جب کوئی رکاوٹ ہی نہیں تو ایسے افعال میں مزہ اسی کیا رہا، لہذا تخریب سے کوئی وجہ بھی باقی نہ رہی، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں تخریبی ذہنیت کی بیج کنی ہو گئی، اب تعمیر کی کام بہت کچھ آسان

دیکھا تھا، طلبہ کے نظریات بالکل بدل چکے تھے، وہ خود اپنی اصلاح کی طرف مائل تھے، رفتہ رفتہ
 نئی زندگی کو باقاعدہ بنانے کے لئے ان کو یہی قواعد و قوانین کی ضرورت محسوس ہونے لگی، غلط
 بیت کے نتیجہ میں ان کی صحیح فطرت مسخ ہو گئی تھی، ہوم لین نے اسی فطرت کو پھر اصلی راہ پر ڈال
 یا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ طلبہ نے خود ایک قسم کا پارلیمانی نظام قائم کر لیا اور اس پارلیمینٹ نے
 اس قانونین وضع کر لئے، اب قانون دشمن عناصر قانون دوست بن چکے تھے، پھر بھی کچھ نئے
 راہ آتے رہتے تھے جو اپنی پرانی عادتوں کو کچھ دلوں تک دولت مشترکہ میں بھی دہراتے رہتے
 تھے، ان کی روک تھام اور اصلاح کے لئے طلبہ نے ایک عدالتی نظام بھی قائم کر لیا، مختصر یہ ہے
 بچوں کی دولت مشترکہ صحیح معنوں میں دولت مشترکہ بن گئی ۛ

امید رُسو کی تعلیم

توقیر زمانہ نقی سلسلہ نمبر ۱۹

یہ بیان کرتے کرتے کچھ کی فرصت کے طویل ادھاکو کس طرح صرف کیا جائے میں ایسی تفصیلات میں چلا گیا جو بادی النظر میں بہم اور فضول معلوم ہوتی ہیں، آپ کہیں گے ”واہ یہ عجیب قسم کی تعلیم ہے کہ آپ خود اس کی نکتہ چینی کر رہے ہیں یہ تو محض مہی سکھاتی ہے جس کے سیکھنے کی کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے۔ بھلا اس علم کے حصول میں دقت ضائع کرنے سے آپ کو کیا فائدہ جو بلا کسی دقت یا محنت کے از خود حاصل ہو جاتا ہے؟ بارہ سال کی عمر کا کیا کوئی ایسا بچہ بھی ہو سکتا ہے جو اپنے استاد کی دی ہوئی تعلیم سے واقف ہونے کے باوجود بھی ان امور سے لاعلم ہو جو آپ اپنے شاگرد کو سکھانا چاہتے ہیں“

جناب عالی آپ کو تسامح ہو رہا ہے میں اپنے شاگرد کو ایک ایسا ہنر سکھا رہا ہوں جس کے حصول کے لئے بہت دقت درکار ہوتا ہے، اور جس سے آپ کا طالب علم قطعاً محروم ہے، یہ ہنر جاہل رہنے کا ہنر ہے۔ کیوں کہ کسی ایسے شخص کا علم جو اپنے حقیقی ذاتی علم کے متعلق محض یہی خیال رکھتا ہے کہ وہ جانتا ہے ایک نہایت ہی معمولی چیز ہے، آپ سائنس پڑھاتے ہیں چلئے بہت اچھا ہے، میں اس کے حصول کے لئے ضروری اوزار تیار کرائے میں مشغول ہوں، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وینس والے سینٹ مارک کے گرجا کے خزانوں کا مظاہرہ سپانولوی سفیر کے دوبارہ ذکر رہے تھے، سفیر نے محض ایک یہ فقرہ کہا - UT NOH RADICE پس میں جب کبھی کسی استاد کو اپنے شاگرد کی قابلیت اور علمیت کا مظاہرہ کرتا دیکھتا ہوں تو مجھے بھی ہمیشہ اس کے دوبارہ ہی الفاظ دہرانے کی ترغیب ہوتی ہے۔

برہہ شخص جس نے قدیم یوگوں کی طرز معاشرت پر غور کیا ہے ان کی جسمانی اوسدو مافی قوتوں جن کی بندہ
 ورجانہ کے لوگوں سے بہت متاثر تھے ان کی طبعی ورزشوں سے قصف اور متعلق کرتا ہے، مونڈگنی
 (MONTAG) اس خیال پر جو زور دیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دل پر بھی اس کا بہت
 بڑا اثر تھا، بار بار وہ اس طرف ہی رجوع کرتا ہے، بچے کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔
 غ قوی کرنے کے لئے آپ کو رگ اور پھٹوں کو مضبوط کرنا ضروری ہے، بچے کو محنت اور مزدوری
 عادت ڈال کر آپ معائب و آلام برداشت کرنے کے لئے تیار کر دیتے ہیں۔ میچ۔ ریاحی دروازہ
 برلوسی بیماریوں کی تکالیف برداشت کرنے کے قابل بنانے کے لئے اس کو جسمانی ورزشوں اور
 نیتوں کی سختیوں میں ڈالنا نہایت ضروری ہے۔“ فیلیف لاک (LOCK) سزر رولن۔
 رول (ROLL) لائق تلیوری (FLURY) اور خود نما کر اوزاس (CROVJUS) سب کے سب
 ایس میں کتنے ہی مختلف خیال ہوں لیکن محض بچوں کی جسمانی ورزش کے ایک معاملہ میں
 کل متفق ہیں۔

یہی ان کی معقول ترین نصیحت ہے اور اسی ایک کو یقینی طور پر منظر انداز کیا جاتا ہے میں
 کی اہمیت پر کافی روشنی ڈال چکا ہوں، اور چونکہ لاک کی کتاب سے بہتر اور معقول دلائل
 بھ اور کہیں نہیں ملے، اس لئے میں چند اپنے ذاتی خیالات کے اضافہ کے ساتھ انھیں کو نقل
 نے پراکتفا کرتا ہوں۔

بازر تعلیم بچے کے اعضا کو اس کے لباس کے اندر ملنے جلنے کی آواز دی ہوتی چاہئے
 ان کی روئدگی اور نقل و حرکت کی مزاحمت نہ ہونے پائے، انہیں کوئی تنگ
 درجہ سے چٹا ہوا لباس نہ پہنانا چاہئے کسی قسم کی پیٹی و فیرو نہ یا ندھنی چاہئے۔ قرانیسی طرز کا
 لباس جو لوگوں کے لئے تکلیف دہ اور مضر صحت ہوتا ہے، بچوں کے لئے بالخصوص نہایت ہی مضر
 ہے جبکہ س یا ٹھہرا ہوا پسینہ جس کی روانی بند ہو چکتی ہے، سکوت کی حالت میں سڑ جاتا ہے
 در عمل عہدی اور معمول زندگی میں بہت جلد جلد ہوتا رہتا ہے جس کے باعث فساد پیدا ہو کر کھلی

یا غارش کی بیاریاں نمودار ہو جاتی ہیں، یہ بیاریاں جو ہم میں روز بروز ترقی پکڑتی جا رہی ہیں ان قدیم لوگوں میں جن کا لباس اور طریقہ معیشت انہیں ان سے محفوظ رکھنا تھا بالکل معدوم تھیں۔ گھوڑے سواروں کا لباس اس کی کمی کو پورا کرنے کی بجائے اس میں اور اضافہ کر دیتا ہے اور چند فینٹوں کو ترک کرنے کی خاطر بچے کے سارے جسم ہی کو کس دیتا ہے، بہترین طریقہ یہ ہو گا کہ بچوں کو حتی الامکان فراک پہنایا جائے، پھر بالبعد ڈھیلے ڈھالے کپڑے زیب تن کرائے جائیں۔ کوئی وضع معین کرنے کی سعی نہ کی جائے اور نہ بچے کو بد شکل بنانے کا یہ دوسرا طریقہ ہو گا، بچوں کی جسمانی اور دماغی تمام سرامیوں کی بنیاد محض ایک ہی خواہش یا شوق میں پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ بچوں کو قبل از وقت آدمی بنا دینا۔

بعض رنگ بھراک دار اور شوخ ہوتے ہیں اور بعض صوفیانے اور ہلکے، بچہ ہمیشہ شوخ اور بھراک دار ہی رنگ پسند کرتا ہے اور وہ اس کے لئے موزوں بھی ہوتے ہیں۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ اس فطرتی موزونیت کا کیوں خیال نہ کیا جائے، لیکن جس وقت بھی کسی شے کو محض اس وجہ سے بچہ ترجیح دینے لگتا ہے کہ وہ بیش بہا اور قیمتی ہے تو اس وقت اس کا دل عیاشی کے تحیل سے متاثر ہو چکتا ہے اور وہ فیشن اور خوش وضعی کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔ پس یہ ذہنیت قفا اس کی ذاتی نہیں ہوتی ہے، یہ بیان کرنا مشکل ہے کہ لباس کے اس شوق کا تعلیم پر کیا کچھ اثر پڑتا ہے، اور اس مذاق کی نیت کیا ہوتی ہے، نہ صرف کوتاہ اندیش ماہر اپنے بچوں کو زیورات بلکہ رانعام دیتی ہیں بلکہ بعض اتالیق بھی ایسے احمق ہوتے ہیں کہ اپنے شاگرد سادہ اور موٹا جھوٹا لباس محض سزا پہنواتے ہیں۔ اس فقرے سے اگر تم سبق اچھی طرح یاد نہ کرو اور اپنے لباس کی ٹھیک حفاظت نہ کرو گے تو تم کو اس کسان کے بچے کی طرح کے کپڑے پہنا دیئے جائیں گے۔ یہ مراد ہوتی ہے کہ ”یاد رکھو! آدمی لباس ہی سے بنتا ہے“۔ اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ہمارا نو عمر اس سبق سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سوائے لباس کے دوسری کسی چیز کی پروا نہیں کرتا، اور صرف ظاہر ہی کو دیکھ کر وہ کسی کی بھلائی برائی کا اندازہ لگاتا ہے۔

دہ لباس کی ترغیب دینے کا سبق | مگر اس طرح کا بگڑا ہوا کوئی پہن مجھے درست کرنے کو ملے تو
 میں یہ انتظام کروں گا کہ اس کا عمو سے عموہ لباس ایسا
 لراؤں گا کہ اس میں وہ ہمیشہ اکڑا بندھا اور ہر طرح سے بے چین رہے، آزادی اور آرام اس کی
 ن شوکت کے باعث پران ہو جائیں، اگر وہ زیادہ سادہ لباس پہنے ہوئے بچوں کے کھیلوں میں شریک
 اچا ہے تو سارے بچے کھیل چھوڑ کر بھاگ جائیں، اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں ٹھانڈا ہاٹ
 نشان و شوکت سے نکلا کر اس کو ایسا عاجز کر دوں گا کہ سنہرے فیتوں کے کوٹ کو وہ اپنی زندگی کا
 خون خیال کرنے لگے گا جتنی کہ اندھیرے گپ چیل خانے کو بھی دیکھ کر اتنا خوفزدہ نہ ہو گا جتنا
 دُشکار کی تیاری کے سامان کو دیکھ کر دہشت کھائے گا، ان اثرات کی غلامی کا طوق پہننے کے قبل
 کی فطرتی خواہش ابتداءً ہمیشہ آزادی اور سکون حاصل کرنے کی ہوتی ہے، وہ ہمیشہ ایسے سیدھے
 دھ لباس کو پسند کرتا ہے جس میں اس کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو سکے۔

بہت سی عادتیں جسمانی بھی ہوتی ہیں بعض کا یہاں زندگی کے لئے سزاوار اور بعض مجہول اور کمزوری
 لئے موزوں ہوتی ہیں، آخر الذکر زندگی رطوبتوں کے لئے معتدل اور ہم دلدرا دہ پیدا کر دیتی ہو
 اس میں جسمانی حفاظت کی غرض سے سردی گرمی کی احتیاط لازم ہے، اول الذکر میں کام کے بعد آرام
 گرمی کے بعد سردی سے گذرنا ضروری ہوتا ہے، پس ان تغیرات کا جسم عادی ہونا چاہئے، لہذا
 لوگ دفتری یا بیٹھے بیٹھے کام انجام دیتے ہیں، ان کو ہمیشہ گرم لباس استعمال کرنا چاہئے، تاکہ حتیٰ
 وقت اور ہر موسم میں اپنی جسمانی حرارت کا درجہ یکساں رکھ سکیں، لیکن بہر حال جو لوگ دھوپ، ہوا اور
 نش میں چل پھر کر زیادہ محنت اور مشقت کرتے ہیں اور زیادہ وقت کھلے میدانوں میں گزارتے ہیں
 ان کو ہلکا لباس استعمال کرنا چاہئے، تاکہ موسمی تبدیلیوں کے عادی ہو جائیں اور ہر درجہ کی حرارت اور
 ٹھنڈک بلا تکلف برداشت کر سکیں، میں ہر دو کو مشورہ دیتا ہوں کہ تبدیلی موسم کے ساتھ وہ کبھی اپنا لباس
 تبدیل کریں، میرے شاگرد اسماعیل کی تو کم از کم یہی عادت ہو گئی، اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ عہدید
 اتندہ موسم گرما میں بھی گرمائی لباس ہی استعمال کرے گا، بلکہ میرا کہنا یہ ہے کہ وہ گرمائی لباس موسم گرما

میں بھی محنت اور جفاکش لوگوں کی طرح استعمال کرے گا، سراسعاً نیوٹن کا مستغلاً ہی طریقہ تھا اور وہ اسی سال تک زندہ رہا۔

برس کے بارہ بیسے اسمبلی نکلے سر ہی رہے گا، قدیم مصری ہمیشہ برہنہ سر ہی پھر کرتے تھے، نازک والے بھادی بھادی کلینوں دار کلا ہیں استعمال کرتے تھے، اور اب بھی بڑے بڑے شیلے باندھتے ہیں، جو جادوین کے قول کے مطابق وہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے ضروری اور موزوں ہیں، فادس والوں اور مصریوں کی کھوپڑی کے درمیان ایک لڑائی کے موقع پر حیر و دوش نے جس فرق کا مشاہدہ کیا ہے اُنکا میں نے کہیں اور ذکر کیا ہے، کیوں کہ دماغ کو ضرر سے محفوظ رکھنے ہی کے لئے بلکہ اس کو نزلے و کامرہ اور ہوا کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی کھوپڑی کی ہڈیاں زیادہ سخت اور ٹھوس ہونی چاہئیں۔ نازک اور سام دار نہ ہونی چاہئیں، اس لئے اپنے بچوں کو سردی گرمی ہمیشہ ننگے سر رہنے کا آپ عادی بنائیں، اگر رات کے وقت آپ اس موضوع سے ان کو ٹوپی پہنانا چاہتے ہیں کہ ان کے بال صاف سترے ہیں تو ٹوپی کا کپڑا نہایت تھلا اور جالیدار یا جھجھرا ہوا چاہئے جیسا کہ باسک (BOOGUC) اپنے سر کے بال دھانکنے کے لئے استعمال کرتی تھی، یہ میں جانتا ہوں کہ اکثر و بیشتر مائیں میرے دلائل کے متقابل میں جادوین کی رائے کو ہی ترجیح دیں گی اور خیال کریں گی کہ ہر جگہ کی آب و ہوا فادس ہی جیسی ہوتی ہے، لیکن میں ایک یورپین خاگرد کو ایشیائی بنانے کے لئے منتخب تھوڑے ہی کیا ہے۔

بچوں کو بالخصوص آغاز سن میں بچہ کپڑوں سے اکثر لاد دیا جاتا ہے، ان کو گرمی کی بجائے سردی کا عادی بنانا چاہئے، شدید سردی بچوں کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی، بشرطیکہ کافی کم عمری میں ہی ان کو باہر نکالا جائے لگے، لیکن ان کی کھال نہایت ملائم اور نازک ہونے کی وجہ سے پیچھے کے لئے بالکل آزاد راستہ چھوڑ دیتی ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ شدید گرمی سے بھی وہ بے اختیار کم تعداد چھوڑتے رہتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ ماہ اگست میں بچوں کی اموات کا اوسط سب سے زیادہ ہوتا ہے اور یہ کہ جنوبی یورپ کے باشندوں کا مقابلہ کرنے سے یہ واقعہ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ شدید گرمی برداشت کرنے کی نسبت شدید سردی برداشت کرنے سے زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے، لیکن جوں جوں بچے کا جسم

دونہا پاتا چاہئے۔ اور اس کے رگ اٹھ پھول میں قوت آتی جائے، بنا برتج آپ اس کو سو سو ج کی
بافیں برداشت کرنے کا بھی عادی بناتے رہیں اور پھر آہستہ آہستہ اس کو اس قدر سخت جان
دیں کہ منطقہ عارہ کی جھلستی ہوئی دھوپ کا بھی وہ بنا خوف و خطر مقابلہ کر سکے۔

لاکھ ہم کو معقول و مردانہ مشورہ دینے کے دوران میں اس قدر مختلف اور بے ربط ہو گیا
ایسے معاملہ مفکر سے پیشکل ہی کوئی ایسی توقع کر سکتا ہے، وہی شخص جو بچوں کو ٹھنڈے پانی سے
غسل کرانے کا قائل ہے، ان بچوں کو جبکہ وہ گرم گام گم ہوں، یا سیلی ہوئی گھاس پر لیٹے ہوں
ٹھنڈا پانی پیئے تک سے منع کرتا ہے، لیکن وہ ان کو کبھی بوساتی جوتے استعمال نہیں کرتے دیتا
رجب بچہ ٹھنڈا ہونے کے بجائے گرمایا ہوا ہو تو زیادہ پانی کو وہ کیوں داخل ہونے دے اور
تقریباً وہ ہاتھ پاؤں گرم اور چہرے کے متعلق نکالتا ہے۔ کیا ہم بھی پاؤں اور جسم کے متعلق وہی نتیجہ اخذ
ہیں؟ اگر وہ آدمی کے چہرے کو اس قدر اہمیت دیتا ہے تو مجھ پر یہ الزام کیوں ٹھایا جاتا ہے کہ میں
و کے پاؤں کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں؟

لاکھ کہتا ہے کہ بچہ جب گرم ہو تو اس کو ٹھنڈا پانی پینے کے قبل روٹی کا ایک ٹکڑا کھانے کی
ادت ڈالنی چاہئے، یہ عجیب بات ہے کہ جب بچہ پیاسا ہو تو اس کو روٹی کھلائی جائے، میں تو
یہ دیکھو کا ہو گا تو فوراً پہلے پانی پلاؤں گا، اس معاملہ میں آپ مجھے کبھی قائل نہیں کر سکتے
ابتدائی فطرت ایسی بے قاعدہ ہو سکتی ہے کہ زندگی کو خطرے میں ڈالے بغیر ہم اس کی تکمیل نہیں
رہ سکتے، اگر ایسا ہوتا تو آدمی زندہ رہنا سیکھنے کے قبل کسی مرتبہ ہلاک ہو جاتا۔

جب کبھی سہیل پیاسا ہو گا، اس کو جیسی حالت میں بھی ہوتا وہ پانی پلا یا جائے گا، کوڑا کرنا
بالوں یا پسینے کی حالت میں بھی پانی کی ٹھنڈک کم نہ کی جائے گی، میں صرف اتنی ہی احتیاط سلوک کرنا
لیہ دیکھ لوں کہ پانی کہاں کا اور کیا ہے۔ اگر پانی بہتہ دریا کا ہو گا تو پیاسا ہی اس کو پلا دوں گا
اگر کسی چشمہ کا ہو گا تو اس کو تھوڑی دیر ہوا میں رکھ کر پلاؤں گا موسم گرم یا سرد یا پانی بھی گرم ہو جائے
جسے کا پانی ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس کو ہوا نہیں لگتی، پس چشمے کے پانی کے لئے آپ کو اتنی دیر انتظار

کرنا چاہئے کہ اس کا درجہ حرارت ہوا کے درجہ حرارت کے مائل ہو جائے، جاڑوں میں چشمے کا پانی دریا کے پانی کی نسبت زیادہ محفوظ ہوتا ہے، بہر حال جاڑوں میں پسینہ آنا ایک نہایت غیر معمولی اور خلاف فطرت بات ہے، بالخصوص کھلی ہوائیں تو اتنی نہیں سمکا کیوں کہ ٹھنڈی ہوا جلد کو گلک کر لینے کو اندر کر دیتی ہے اور سمات کو اس قدر کٹا دے ہوئے نہیں دیتی کہ پسینہ باہر نکل سکے میرا زادہ، کھیل کو اب آگ کے قریب درخش کرانے کا نہیں ہے، بلکہ میں تو اس کو میدان کی برف میں دوزخ کراؤں گا، برف میں کھیلنے اور اس کے گولے بنانے میں اگر وہ گرا جائے اور اس کو پیاس لگے تو پانی پینے دیجئے اور پھر کھیل میں لگ جانے دیجئے، آپ کو کسی نقصان کا خوف نہ کرنا چاہئے، اور اگر کوئی دوسری درخش کرتے وقت اس کے پسینہ آجائے تب بھی جاڑوں میں اس کو ٹھنڈا ہی پانی پلائیے اس فقط اس کا خیال رکھئے کہ پانی پینے کے لئے دھو دھو ہی کافی ٹھنڈا ہو جائے گا، سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ ان تدابیر کو اس سے پوشیدہ رکھنے کی احتیاط کی جائے میں تو چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تندرست رہنے کی بجائے وہ کبھی کبھی بیمار بھی پڑا کرے۔

نیچے دن بھر کثرت سے درخش کرتے رہتے ہیں اس لئے ان کو ہینڈ کی بڑی سخت ضرورت ہوتی ہے، ایک فعل دوسرے فعل کی کمی کو پورا کر دیتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فعل ضروری ہیں رات کا وقت قدرت نے آرام کے لئے مختص کیا ہے، یہ مافی ہونی بات ہے کہ جب سوج افق کے نیچے چھپ جاتا ہے تو نیند زیادہ تسکین بخش اور آرام دہ ہو جاتی ہے، اور یہ کہ جب سوج کی کرنیں گرہ ہوائی لوگ ماتی ہیں تو ہمارے حواس بھی ساکن نہیں رہتے، یقیناً صحت کے لئے بہترین عمل یہی ہے کہ سوج نکلنے کے ساتھ اٹھو اور اسے غروب کے ساتھ ہی بستر میں گھس جاؤ، پس ہمارے ملک میں لوگ اور ان کے ساتھ ساتھ جملہ حیوان گرمیوں کی نسبت سردیوں میں نیند کے زیادہ خواہاں ہوتے ہیں، لیکن شہری تمدن ان کے پیچیدہ اور خلاف فطرت اور اتفاقات و تغیرات کا اس قدر تابع ہے کہ انسان کو کسی روزمرہ کی ایسی عادت کا فرغ ہو جانا کہ اس کے بغیر کوئی کام ہی نہ چل سکے، عقلمندی نہیں ہے، قواعد و اصولوں کی پابندی بلا شک انسان پر لازم ہے، لیکن اہم ترین اصول یہ ہے کہ بوقت ضرورت قاعدہ توڑنے کے عادی نہ بنو، لہذا آپ کہیں ایسا نہ کریں، اپنے شاگردوں کو پوری نیند سلاسل کو آرام طلب اور نازک مزاج بنائیں

ابتدا میں بغیر روک ٹوک آپس اس کو قدرتی قانون پر عمل کرتے ہیں، لیکن یہ فراموش نہ فرمائیے ہمارے حالات کے لحاظ سے اس قانون سے بے نیلہ ہو کر اس کو احتیاط و پرہیز کیا، اس کو بدیر سونے سویرے اٹھنے، یکایک جاگ اڑنے، حد بلکہ صفر اثرات و اثرات ہر جاگ کر گزار دینے کا عمل کیا بنائیے، یہ کام آغاز سن میں ہی جلدی شروع کر دیکھئے، اندازہ آہستہ آہستہ موقع سے ایک ایک قدم بڑھاتے تو ساخت جسمانی انہی حالات کی مطابقت کرنے لگے گی جو اگر سن رسیدہ آدمی پر یہ عمل لائے جائیں تو اس کو خدا اور برباد ہی کر دیں۔

اس کے بعد اس کو سخت اور کھٹک دہ پھونٹوں میں سونے کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ ہر قسم کا پھونکا اس کے لئے آرام دہ ہو جائے یا بالفاظ عام یہ یاد رکھئے کہ جب تکلیف اور معیشت کے ہم ایک مرتبہ ہو کر ہو جاتے ہیں تو ہمدردی پر لطف تسکین بخش تجربات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ کہ پریشانی زندگی کا تقاضا۔ مناسب انداز آرام کی رہنمائی کرتی ہے، جو لوگ ناز و نسیم کے پلے ہوتے ہیں ان کو نرم نرم لٹ جین یا پروں کے لعل ہی پر تیرا سکتی ہے، اور جو کھڑی زمین اور تختوں پر سونے کے عادی ہوتے ہیں، ان کو ہر جگہ نیند آ جاتی ہے، پس جس کو نیند آتی ہے، اس کے لئے سخت پھونکا وغیرہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جب کوئی نرم نرم گدوں والے پھونکوں میں استراحت کرتا ہو تو یہ قول شخص نے کے صفر اثرات اور ملائم پھونکے اس کا نرم نرم اور ملائم بستر کے اندر ڈھیلے پڑ کر گھلنے لگتا ہے، دل گردے اور اندرونی حصوں اگر زیادہ گرمائی میں محسوس رہتے ہیں تو ان پر نرم نرم ہے، پتھری اور اس قسم کی دوسری بیماریاں اسی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں، اور اس سے ساخت جسمانی بھی لازماً نازک ہو جاتی ہے جس سے تمام جہان کی بیماریوں اور درد و کھ کی تخم ریزی ہوتی جن پھونکے میں ہم کو خوب سانس کی نیند آئے وہی بہترین پھونکا ہوتا ہے، اسمیل اٹھیر دونوں مل کر اپنے اپنے لئے دن کے وقت اسی قسم کا پھونکا تیار کریں گے، ہمارا پھونکا پھلنے کے لئے ہم کو کسی ایرانی غلام کی ضرورت نہ ہو گی کیوں کہ جب ہم مٹی کھودتے ہیں تو گویا ہم اپنے لئے گدے تیار کر لیتے ہیں، یہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ تندرست بچے کو جب چاہے سلایا اور جکایا جاسکتا ہے

اس کی اتنا اس کی باتوں سے تنگ ہو کر اسے کچھ نے پر لٹا کر جب کہہ دیتی ہے "بس اب سو جاؤ" تو اس کی گویا ایسی ہی مثال ہوتی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو تو اس سے کہہ دیا جائے۔ "اچھے ہو جاؤ" جناب علی صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو خود بخود نکل جانے دیجئے اور اس سے اتنی باتیں کیجئے کہ وہ اپنی زبان بند کرنے کے لئے مجبور ہو کر فوراً خود بخود سو جائے، پس درد و فزع کا کم از کم ایک فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے جھولا جھلانے کے ساتھ ساتھ آپ اس کو غلط بھی نہ سکتے ہیں لیکن اگر یہ خواب آور نسخہ آپ رات میں استعمال کر لیں تو لیسہ دن کو دم فرمائیے، اس وقت اس کو استعمال نہ فرمائیے گا۔

بہا اوقات میں رات کے وقت اسماعیل کو جگا دیا کروں گا، اس غرض کے لئے نہیں کہ وہ زیادہ سویا نہ کرے بلکہ محض اس لئے کہ ہر رات حتیٰ کہ اچانک جاگ اٹھنے کا بھی وہ عادی ہو جائے وہ ازیں اگر میں اس کو خود بخود جاگ جانے کا ایسا عادی نہ بنا سکوں کہ وہ بغیر جگائے خود بخود اپنی مدہمتی سے اٹھ جائے تو میں اپنے اس پیشے کے لئے نابل ثابت ہوں گا۔

اگر وہ بہت سویرے اٹھ بیٹھے گا تو میں اس کے لئے صبح کرنا بڑا کٹھن اور شاق محسوس کروں گا۔ بلکہ متنازعہ وقت بھی وہ نیند میں گزار سکے اس کو قیمت خیال کرے، اگر وہ دیر میں سوئے گا تو صبح اٹھنے پر میں اس کو کوئی مرغوب ترین کھانا دے گا، جب میں اس کو کسی عینہ وقت پر بیدار کرنا چاہوں گا تو میں اس سے کہوں گا، صبح چھ بجے میں مچھلی کے شکا میں جا رہا ہوں، یا فلاں فلاں مقام پر جا رہا ہوں کیا تم بھی چلنا چاہتے ہو؟ وہ چلنے کو تیار ہو جائے گا اور مجھ سے استدعا کرے گا کہ اس کو وقت پر جاؤں، میں موقع کے لحاظ سے کبھی وعدہ کروں گا کبھی نہیں کروں گا، پس اگر وہ دیر میں اٹھے گا تو مجھے نہیں پائے گا پس اب بھی اگر وہ از خود اٹھنا نہ سکے تو ضرور اس میں کچھ نہ کچھ خرابی ہوگی۔

برائے ہر اگر شاد و نادر کہیں ایسا اتفاق ہوگا
عیش پرستی اور کامیابی سے محفوظ کرنا اور دکھ درد کا عادی بنانا
کہ آرام طلب اور عیش پرست پیچہ بہت ہی

ہوتا ہے قناس کے اس بھان کو جو پکڑنے کا آپ موقع نہیں کیوں کر یہ اس کو بحسن بنادے گا بلکہ میں حدت پیدا کرنے والی اشیاء استعمال کر کے نیندا پاٹ کر دیکھئے اور اس امر کو ذہن نشین رکھئے کہ چہرہ و مال کرنے کا یہاں کوئی کام نہیں ہے، بلکہ بچے میں ایسی اشتہا پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو عملی زندگی رف اس کی وہ نہائی کر سکے اور یہ اشتہا یا خواہش اگر قدرت کے مفید اور مقررہ طریقوں کے ذریعے کی جائے تو چڑھائی اور دود کا مقولہ صادق آجائے گا۔

اگر ذرا بھی ہوشیاری اور سیٹھے سے کام لیا جائے تو میں نہیں خیال کر سکتا کہ بچے میں غر اور شک کے بغیر کسی قسم کا ذوق و شوق پیدا نہ کیا جاسکتا ہو: بچے کی سرگرمی اور نقالی کی فطرت از خود اس کام لئے کافی ہوتی ہے اور اس کی زندہ دلی سونے پر ایسے سہاگے کا کام دیتی ہے جس سے کسی دن آج تک فائدہ اٹھانے کی سعی نہیں کی ہے، ہر اس کھیل میں جسے بچہ فی الواقع کھیل ہی تصور کرتا ہے بے چون و چرا ہنسنے کھیلنے ایسے بڑے بڑے معائب جھیل جاتا ہے جو دوسرے موقعوں پر دوسری دنیاں پہانے کے لئے کافی ہو سکتے ہیں ان کم سن جھکیوں کے کھیل کود میں دیدہ زیب کھیلوں کا ساہنہ مار پیٹ کرنا، آگ میں جھلنا اور انواع اقسام کی تھکان اور ماندگی برداشت کرنا شامل ہے پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ دکھ درد کے اندر بھی ایک ایسا لطف اور دلآویزی ہوتی ہے جو اس کی تکلیف کو کر دیتی ہے، بہر حال ہر استاد اس کی لذتوں سے آشنا نہیں ہوتا ہے اور نہ ہر طالب علم منہ بسنے بغیر ان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے، لہذا مجھے خود بھی ذرا احتیاط ہی سے کام لینا چاہئے کہ کہیں پھر میں مستحیات کا بلنگ جائوں۔

آدمی کو دکھ درد، بیماری حادثات، مہمات یا خود موت کی غلامی ہرگز قبول نہ کرنی چاہئے۔ لہذا وہ ان کے تجلیات سے زیادہ آشنا ہو گا، اتنے ہی جلد وہ ان کے ان احساسات مزید بگاڑا جائے گا جو قوت برداشت کی ماضی کے باعث دردوں کی تکلیف میں اضافہ کر دیتے ہیں لہذا بیش شدہ تکلیف کو برداشت کرنے کا جس قدر جلد عادی ہو جائے گا، (بقول مانٹین (MANTEIGN) اتنے ہی جلد ان تکلیف اور دردوں کے ڈنک کو پیش زنی سے محروم کر دے گا، اور اس طرز عمل سے

اور اپنی روح کو مضبوط اور مضبوط بنالے، اور اس طرح خود موت کی آمد بھی جو فی الواقع موت نہیں ہوتی ہے محسوس نہ ہو سکے گی، وہ مرنے کا نہیں بلکہ بقول شخصے زندہ رہے گا یا مردہ اور بس اس کے سوا اور وہ کچھ نہ ہوگا اور جیسا کہ ماڈٹین نے مراقبہ کے بادشاہ کے متعلق بیان کیا ہے، اس بچے کے متعلق بھی ایسا ہی کہا جاسکتا ہے کسی نے آج تک اپنی زندگی کو اتنی لطافت نہ دی کہ وہ موت کی حد تک پہنچ گئی ہو ایک بچہ بہادری، قناعت، برداشت اور دیگر نیکیوں کا امیدوار ہوتا ہے، لیکن آپ ان نیکیوں کو بچوں کو نہیں سکھاسکتے ہیں بلکہ انہیں تجربات کے ذریعہ بالکل نا دانستہ طریقے پر سکھانا ہوگا، لیکن موت کے تذکرے کے ساتھ مجھے اپنے اسماعیل اور سینٹا ماما کے متعلق کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئیں؟ کم سنی ہی میں اسے ٹیکہ دلا دینا چاہیے یا سینٹا کے تدنہ تک انتظار کرنا چاہئے؟ ہمارے ملک اول الذکر صورت زیادہ مطابقت رکھتی ہے اس لئے کہ اس سے اسماعیل کی اس وقت کی زندگی جیکے تلیل القیمت ہوتی ہے ذرا سی جو کھمیں اس وقت کے لئے محفوظ ہو جاتی ہے جیکہ وہ بیش بہا ہو جائے گی، بشرطیکہ صحیح اور درست ٹیکہ اندازی کے لئے ہم نفع جو کھ استعمال بھی کر سکیں۔

لیکن آخر الذکر صورت میرے عام اصول سے زیادہ مطابقت رکھاتی ہے، یعنی اسماعیل کو قدرت کے سپرد کر دیا جائے اور قدرت خود ہی وہ تدبیر اختیار کرے جس سے وہ انسان کے دخل دیتے ہی دست بردار ہو جاتی ہے، قدرت کا پروردہ آدمی ہمیشہ حست اور ہر کام کے لئے تیار رہتا ہے، لہذا قدرت کو اپنا ٹیکہ خود ہی گلنے دیجئے۔ اس لئے کہ وقت اور موسم کا وہ خود ہی لحاظ رکھتی ہے۔

تعلیمی دنیا پر ایک منظر

لب و لہجہ

تعلیم و تدریس میں لب و لہجہ اہم ترین انداز گفتگو کا کیا مقام ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے متعلق انبادلوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور پلیٹ فارموں سے طرح طرح کی تقریریں ہو چکی ہیں، ایک قوی خواہ کے سلسلہ مکتوبات میں اس موضوع پر بعض بڑے دل چسپ نکات جمع ہو گئے ہیں، ان تحریروں میں قوی جذبہ وطنیت کا شدید احساس موجود ہے بعض ایسے سوالات بھی پوچھے گئے ہیں جن کا کوئی موزوں معقول اور مناسب جواب نہیں، آخر وزیربان بولنے سے کیا مراد ہے؟ میعاد کی انگریزی کسے کہتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ ایسے مباحث میں اگر مگر فی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، کسی صحیح نتیجے کی توقع کو ہوتی ہے، لیکن اگر موضوع بحث صرف اسکولوں میں اس کے صحیح عمل تک ہی محدود رکھا جائے تو اس سلسلے میں پہلے بہت کچھ رہ نہائی کی توقع رکھنی چاہئے، اور یہی دراصل اس گفتگو کا نقطہ آغاز تھا، ان تحریروں میں بعض ایسے نکات بھی ہیں جنہیں ممکنہ پالیسی کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے جہاں تک لب و لہجے کا تعلق ہے مثلاً درتی کونسل نے پرائمری اسکول کی رپورٹ میں اسے بالکل واضح کر دیا ہے کہ جس لہجے کو اسکاٹ لینڈ کے عوام نے اپنا مادہ دیہاتی اور مقامی انداز گفتگو تھا، اور یہی انداز اگے چل کر انہما خیال کا ذریعہ بن گیا، اس کی مثال برن (BURN) کی مقامی نملوں سے درج جاسکتی ہے اور کچھ عجیب بات ہے کہ رفتہ رفتہ یہی لہجہ ملک کی روزمرہ گفتگو میں عام ہو گیا، اردین شاہ اور اس کے فوجی علاقوں کے باشندے اسی لہجے میں بات چیت کرتے ہیں، اس کے علاوہ بعض دوسرے صنعتی شہروں میں بھی یہی انداز گفتگو رائج ہے، لیکن کسی علاقے کی تعلیم یافتہ آبادی کا یہ لب و لہجہ نہیں ہے، چنانچہ اس لب و لہجہ کو ذریعہ تعلیم اور ثقافتی ترویج کا وسیلہ بنا دنا درست نہیں ہے، دوسرے مقامات پر عوامی اثرات کی وجہ سے اس میں

استقام پیدا ہو گئے ہیں، زبان گھٹیا، انداز سو قیاد، غیر مربوط، بے ترتیب اور بے ڈھنگا سنا، اس پر معترضہ امر کی ہالی وڈ کے روزمرہ اور اس کے طریق گفتگو کی بے جا ٹھونس ٹھانس نے زبان کی اور مٹی پلید کر دی ہے، رپورٹ نے اسکولوں سے سفارش کی ہے کہ وہ اس متبذل زبان کے خلاف احتجاج کریں اور منظم طریقے سے اس کو مٹانے کی کوشش کریں۔

اس لئے کونسل نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مدرسوں کا یہ فرض ہے کہ بچوں کو میاڈی انگریزی بولنا سکھائیں تاکہ انہیں اس پر قدرت حاصل ہو سکے، رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عوامی بولی سوسائٹیز کو کوئی سروکار نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ اس کی تحقیر نہ کریں، اور اس بولی کے ناگوار اور مضر اثرات اور غلط طریق گفتگو کی عادت ڈالنے سے بچنے کے لئے اسکولوں کو اس کے خلاف فوری اور سانداز ہم جادی کرنی چاہئے، اسکاٹ لینڈ کے محکمہ تعلیم کے رسالے "اسکاٹ لینڈ میں ابتدائی مدارس" میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ بچوں کو انگریزی زبان بولنے اور اس کے استعمال کرنے کی تربیت دینی چاہئے جسے وہ آسانی اور احتیاط سے اپنے مشرف میں لاسکیں، اس رسالے میں اساتذہ کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بعض اضلاع میں بچوں کی توجہ کسی عموہ اسکاٹش مفرد یا مرکب لفظ یا ترکیبوں کی طرف بھی لائی جاسکتی ہے، جسے وہ خود جانتے ہوں اور جو عام بول چال میں مستعمل ہوں، اساتذہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بچوں میں ایسی فہم و بصیرت پیدا کر دیں کہ وہ اچھے اور بُرے اسکاٹش الفاظ میں تمیز کر سکیں معیاری انگریزی زبان کو رواج دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مدرسوں میں اسکاٹش لہجے کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔

ان بیانات اور تشریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تدریس میں کن کن مقامات پر زور دینا چاہئے صحیح انداز گفتگو اور صحیح تلفظ کے لئے بڑی کاوش کی ضرورت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رابرٹ بریجز (ROBERT BRIAGES) جیسی مستند شخصیت کا بھی یہی ایمان ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان، ان کا لہجہ ان کا انداز گفتگو جزوی انگریزی سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔

اگر ہمارے مدرسوں میں بھی مدرسین بہت و حرات سے کام لیں اور بچوں کو صحیح اردو اور روزمرہ

کھانے کی کوشش کریں، اور جا بجا صاف ستھرے مقامی محاذوں کی بھی آمیزش کرتے رہیں تو اس سے بان و ادب کی بھی خدمت ہوتی رہے گی اور ہمارا طرز تکلم بھی صاف ستھرا اور نکالی ہو جائے گا۔

عمارتی منصوبے

آج کل مدرسوں میں عمارتوں کی تعمیر کی رفتار بہت سست ہے، اس کی ایک وجہ تو عمارتی سامان کی کمی ہے لیکن بڑھتی ہوئی قیمتیں اور ماہرین کی کمی کا بھی اس سے براہ راست تعلق ہے، اگر مدرسوں کی عمارتوں کو وقتی ضروریات کو پورا کرنا ہے تو ان عمارتوں کی تعمیر کی رفتار کو تیز کرنا ہوگا، اور عمارتی ساز سامان کی قیمتوں کو بھی گرا کرنا ہوگا، اس کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ زمین کے ایک ایک انچ سے اد سامان کے ایک ایک جزو سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ انجمنستان کی وزارت معارف کی تعمیراتی اعلان میں ان مسائل کی پوری تفصیلات درج ہیں، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وزارت معارف کے شعبہ تعمیرات نے ان مسائل کے حل کرنے کے لئے کیا کچھ اقدام کیا ہے، لیکن صرف کاغذی کارروائیوں سے ان مسائل کو حل نہیں کیا جاسکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ مدرسہ کی عمارتوں میں نئے طریقے اور نئے نوئے استعمال کئے جائیں، وزارت معارف کے ہندسوں نے بک شائر کاؤنٹی کونسل کے جدید منصوبوں سے اتفاق کرتے ہوئے دو مکمل شائر میں ۱۹۵۰ نئے مدرسے تعمیر کئے، ان عمارتوں کے بعض حصے چھانڈنڈ ہیں، ان کے منصوبے اور نقشے ۱۹۵۰ء میں مرتب کئے گئے تھے، اور اب یہ عمارتیں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں، اس اعلان میں مقامی تعلیمی حکومتوں کے لئے تکنیکی معلومات کے متعلق کافی قیمتی مواد موجود ہے جو تعلیمی اور فنّی نقطہ نگاہ سے یہ منصوبے نہایت عمدگی سے تیار کئے گئے ہیں، اس دور میں اگر ایک عمارت جو ہر اعتبار سے موزوں ہو، صرف ۲۴ پونڈ میں تیار ہو جائے تو اسے ایک کارنامہ کہنا چاہئے۔

سرکاری حسیدہ کے اعلانات

شعبہ اسکول

ای/۵۷۷۸ م محمد حفیظ اللہ ایک امیدوار معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول لفظوال (بشاہہ
۲۵۔ ۱۔ ۲۰۔ ۱۰۔ ۱۳۰) م جمال الدین کی جگہ مقرر ہوئے۔

تاریخ حاضری سے

محمد جمیل بی ایس سی بی ٹی۔ م منظر حسین بھٹی بی ایس سی بی ٹی کی جگہ سائنس
گورنمنٹ ہائی اسکول شری پور (شیخ پورہ) مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)
م محمد شفیع معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول کھاریاں م محمد صادق ایم اے بی ٹی کی
جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول سپر مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)
م آئی سی۔ ایل ایک عیسائی امیدوار م محمد شفیع کی جگہ سائنس ماسٹر گورنمنٹ ہائی
کھاریاں (گجرات) مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)

م عبدالکریم قریشی بی اے بی ٹی معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول بکھر (میانوالی)
ایس ذوالفقار علی بی اے بی ٹی کی جگہ بحیثیت معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول
تبدیل ہوئے۔

ملک عبداللطیف، ایس سی، ٹی ایک امیدوار م عبدالکریم قریشی کی جگہ حاضری
انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول بکھر مقرر ہوئے۔ بشاہہ ۸۰ روپے کل تاریخ حاضری
م نذر محمد اے ڈی آئی ایس ملتان چودھری غلام رسول کی جگہ اے ڈی آئی ابر
نظمی مقرر ہوئے (بشاہہ خدا) تاریخ حاضری سے

- م محمد اقبال بی بی بی ٹی معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول کوٹ اٹو (منظر گڑھ)
- م نذر محمد کی جگہ لے ڈی آئی ایس ملتان مقرر ہوئے۔
- م سعادت ستہ قریشی لے ڈی آئی ایس برائے تربیت جسمانی جھنگ م فتح محمد کی جگہ لے ڈی آئی ایس منٹگری مقرر ہوئے تاربخ حاضری سے۔
- م سردار مسیح معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول منٹگری شیخ صدر علی دجن کا انتقال ہو گیا ہے کی جگہ لے ڈی آئی ایس منٹگری مقرر ہوئے۔
- ایس محمد مفتی شاہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول کمالیہ چودھری محمد اقبال کی جگہ لے ڈی آئی ایس لائل پور مقرر ہوئے بشاہہ خود۔ (تاریخ حاضری سے)
- م رحمت علی حلیم معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول پاکپٹن ایس شمیر علی شاہ کی جگہ لے ڈی آئی ایس لائل پور مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)
- م عبدالرزاق معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول منظر گڑھ م رب نواز کی جگہ لے ڈی آئی ایس ملتان مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)
- م تاج محمد معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول رینا لہورد (منٹگری) دوست محمد خاں کی جگہ لے ڈی آئی ایس ڈیہ غازی خاں مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے)
- شیخ منیر الدین معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول بحیرہ مفتی محمد اقبال کی جگہ لے ڈی آئی ایس شاہ پور مقرر ہوئے۔ (تاریخ حاضری سے)
- م نیاز احمد خلیل معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول سری (عارضی) ملک محمد صادق کی جگہ قائم مقام لے ڈی آئی ایس راولپنڈی مقرر ہوئے۔ (تاریخ حاضری سے)
- م تہذیب الحسن ایک امیدوار ایک خالی آسامی پر معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول کہوٹہ (راولپنڈی) مقرر ہوئے (تاریخ حاضری سے) ۳۷۹۰/۱۱
- م محمد اعجاز اکبر ایک امیدوار ایک خالی آسامی پر معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول بھیر ۴۳۵۵/۱۱

(شاہ پور) مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے

ای/۵۹۹

م خلیق احمد صدیقی ایک امیدوارم علی اختر زیدی کی جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول
کہوڑہ (راولپنڈی) مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے

م نبی حسن خیال ایک امیدوارم ایس غلام الثقلین ایم اے بی ٹی کی جگہ معلم انگریزی
گورنمنٹ ہائی اسکول کہوڑہ (راولپنڈی) مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے

م عبدالحمید ایک امیدوارم امیر بخش خان کی جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول ساہیوال
مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے

ایس اختر حسین کاظمی م محمد خان کی جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول نوشہرہ
مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے۔

م محمد سلیم ایک امیدوارم مشتاق احمد چوہان کی جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول
بوجھال کلاں (جہلم) مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے۔

م بشیر احمد مٹھی ایک امیدوارم عبدالنعیم قریشی کی جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول
بوجھال کلاں مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے

م محمد شریف ایک امیدوارم سرور کی جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول جہلم
کلاں مقرر ہوئے۔

شعبہ — کالج

زید/۵۵۵

ڈاکٹر محمد جہاں گیر خاں ایم اے پی ایم ڈی (کنیٹ) ڈپٹی ڈائریکٹر آف پبلک انٹرکشن
پنجاب۔ م وکرامت صاحب کی جگہ پی ای ایس (اول) سلیکشن گریڈ ۱۵۰۰۔ ۵۰۰۔ ۱۳۵۰
حاضری سے متعلق پی ای ایس اول سلیکشن گریڈ ۱۵۰۰۔ ۵۰۰۔ ۱۳۵۰ میں منتقل ہوئے۔

ای/۶۵۶

م محمد حسین ایم ایس سی قائم مقام لکچرار گورنمنٹ کالج جھنگ مقرر ہوئے۔
م محمد حسین ایم ایس سی قائم مقام ٹیکمیر طبیعیات گورنمنٹ کالج جھنگ ایک نئی آسانی پر قائم

پنجاب ایجو کیشنل جرنل

اور

آموزش (اردو)

۱۔ پاکستان بھر میں یہ دوہی تعلیمی رسالے ہیں۔ جنکو سرکاری سرپرستی اور امداد حاصل ہے۔

۲۔ پاکستان بھر میں یہی دو تعلیمی رسالے ہیں۔ جو مرکزی اور صوبائی درسگاہوں اور تعلیمی حلقوں میں منبرل ہیں۔

۳۔ ان رسالوں کے متعلق ادارتی خطوط اور چھپنے والے مضامین ایڈیٹر (پرنسپل) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کو بھیجے جائیں۔ ان رسالوں میں چھپے ہوئے مضامین، کیلئے معاوضہ دیا جاتا ہے۔

۴۔ یہ رسالے ہر مہینے کے دوسرے ہفتے میں چھپتے ہیں اور ان کا چندہ آٹھ روپیہ (انگریزی) اور چھ روپیہ (اردو) ہے۔ جو کہ منیجر کو بھیجنا چاہئے۔

۵۔ ان رسالوں میں اشتہار دینے سے آپکی اشیاء مقبول ہونگی۔ لیبارق معاملات کیلئے خط و کتابت منیجر سے کریں۔

پنجاب ایجو کیشنل جرنل
آموزش

منہجگر

۲ کچھری روڈ۔ لاہور (پاکستان)

امروز

[مارہ ۱]

لاہور

[اپریل ۱۹۵۳ء]

اس شمارہ میں

ادارہ	:	ادارہ
پروفیسر بشیر ہاشمی	:	اسلامی نظریہٴ حیات
ناظر حسن سلیم	:	جامعہ لندن
نذیر احمد	:	مدرسہٴ عمل میں عملی مشاغل
انتصار مہدی	:	ہومرلین اور اسکی تعلیمی خدمات (نسط نمبر ۷)
توقیر مرزا رزقی	:	ایمیل یا روسو کی تعلیم (سلسل ۲۰)
ادارہ	:	تعلیمی دنیا پر ایک نظر
ادارہ	:	سرکاری جریدہ کے اعلانات

عبدالغفور چودھری
معاون نذ

: بشیر ہاشمی

1

2

3

4

تعلیمی ماہنامہ

آموزش

لاہور

سالانہ چہ شدہ

اپریل ۱۹۵۳ء

پاکستان کے لئے ۴ روپے

۴

جلد

غیر مالک کے لئے ۸ روپے

۱

شمارہ

« قیمت فی پرچہ دس آنے »

پبلشرز

یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور

اعتذار

ہمیں افسوس ہے کہ آموزش کا یہ شمارہ کاغذ کی قلت کی وجہ سے بروقت شائع نہ ہو سکا۔ بازار میں کاغذ نایاب و تھا۔ اس لئے حکومت سے کاغذ کے حصول کی خاطر لائسنس کے لئے درخواست کی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ لائسنس مل گیا ہے اور اب انشاء اللہ اگلے شمارے وقت پر شائع ہوا کریں گے۔

ادارہ

ایچ ڈی خالد پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں طبع کرا کے نیو یورک بک اینڈ پمپری ڈوٹ
لاہور سے شائع کیا

ذہنی حلقہ بندی

۲۵ مارچ ۱۹۵۲ء کو ڈاکٹر بشیر احمد صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے راول پنڈی میں اے۔ پی۔ پی کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔ ”پنجاب میں تین نئی یونیورسٹیوں کے قیام کے متعلق صوبے کے اربابِ عمل و عقد کے درمیان بات چیت ہو رہی ہے، تعلیم کا یہ بنیادی طوطا علم و فن کے کسی خاص شعبے یا چند مخصوص شعبوں میں اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کریں گی اور طلبہ کے لئے تحقیق کا سامان بہم پہنچائیں گی، ان میں سے ایک یونیورسٹی سہالہ ضلع راول پنڈی میں تعمیر کی جائے گی، جہاں صرف سائنس اور طبی علوم کی تعلیم و تدریس پر زور دیا جائے گا۔ دوسری یونیورسٹی لائل پور میں قائم کی جائے گی، جہاں علم و زراعت کی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست ہو گا، تیسری یونیورسٹی ملتان میں قائم ہو گی جو علم و طب کی تحصیل اور اس کے مختلف شعبوں کی توسیع کے لئے مخصوص ہو گی، اور موجودہ پنجاب یونیورسٹی علم و ادب اور سماجی علوم کا گہوارہ ہو گی۔“ وائس چانسلر صاحب کا خیال ہے کہ قلتِ ذرائع و قوم کی ادنیٰ پستی ہماری رفتارِ ترقی میں نفع نہیں لائے گی، لیکن اتنی بڑی اسکیم کی تکمیل کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے، اور ان تعلیم گاہوں کو جدید ساز و سامان آگاہ کرنا ضروری ہے کہ اس کے چار پانچ سال لگ جائیں گے۔“

نئی تعلیم گاہوں اور تحقیقی اداروں کا قیام برحق لیکن انہیں علم و فن کے چند شعبوں کے لئے مخصوص کر دینا محسن نہیں۔ ایک نئی تعلیم و تدریس کچھ اتنا مفید ثابت نہیں ہو سکتی جس خاص علم میں مہارت پیدا کرنے کے لئے فکر و تدبیر اور احتیاط کی ضرورت ہے، اگر اس مہارت کی تکمیل میں عقل و فہم کا سودا کرنا پڑے تو اس میں ہمیں بہت بڑا خسارہ ہو گا، انسانی علوم کے مختلف شعبوں میں مہارت پیدا کرنے اور انہیں

ہم آہنگ اور مربوط رکھنے کے لئے بنیادی اشتراک و تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، یہ درست ہے کہ کسی خاص موضوع پر تحقیق کرنے والے یا کسی خاص مضمون میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لئے طبعی اور سماجی علوم کو یک جا کرنا ممکن نہیں لیکن مختلف کلیوں اور شعبوں کے طلباء کے لئے دوسرے علوم و فنون کے متعلق کچھ نہ کچھ جاننا نہایت ضروری ہے، ورنہ ان کی دنیا محدود ہو جائے گی اور وہ اپنی اس ممکنہ سے نکلنے کی کبھی کوشش نہیں کریں گے، اس ذہنی حلقہ بندی اور تنگ نظری سے نجات پانے کا مرکزی رہنما ہے کہ طلبہ کو ان کے اپنے شعبوں کے علاوہ دوسروں کی معلومات سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور یہ تاکہ یہ محدود نظریات ختم نہیں ہوں گے سائنس اور دوسرے علوم کی رسائی جاری رہے گی۔ اور یہ نظریہ کہ سائنس اخلاق سے بے تعلق اور انسانی اقدار حیات سے نا آشنا ہے، علمی حلقوں میں بدلتا رہا ہے۔

انگلستان کے ایک شہر کیٹل (اشیورڈنٹائر) میں پچھلے چند سال سے اس قسم کا ایک تجربہ کیا جا رہا ہے، یہاں جو یونیورسٹی کالج قائم کیا گیا ہے۔ وہ آگے چل کر بجائے خود ایک یونیورسٹی بن جائے گا۔ اس کے بی۔ اے اور بی۔ ایس سی۔ کے لئے جو نصاب تعلیم مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے پہلے سال میں چند ایسے مضامین بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جن کا براہ راست علم کی اس تلاش سے کوئی تعلق نہیں جس میں متعلم منتہی ہونا چاہتا ہے، لیکن اس کی ذاتی معاشری اور قومی زندگی سے اس کا گہرا تعلق ضرور ہے تعلیم کی غرض و غایت ایک فنی طریقے سے انحراف اور انسان کے ذہنی افق کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا ہے اور فی الواقع انسانی تہذیب و ثقافت کی بقا کے لئے ہیں آج سب سے زیادہ اسی الزامات اور ہم آہنگی کی ضرورت ہے، اگر ہم انسانی علوم کی حدود دیوں ہی متعین کرتے رہے، اور ہر شخص اپنے حلقہ فکر کو محدود کر دے تو اس ہمارے دشواریاں کم نہیں زیادہ ہوتی رہیں گی۔ اعلیٰ تعلیم کا ہوں میں طلبہ کے لئے علوم و فنون کی تدبیریں تحقیق کے مواقع ہم پر پھیلنے چاہئے ضروری ہیں، علوم طبعی کے پہلو بہ پہلو سماجی علوم اور زبان و ادب کی تعلیم و تدبیر کا اہتمام طلبہ کی زندگی کو زیادہ مربوط اور ہم آہنگ بنا سکتا ہے جس کا براہ راست اثر ہمارے سماجی، قومی اور بین الاقوامی زندگی پر پڑ سکتا ہے، چنانچہ ایک فنی ادوار کا قیام ہمارے تعلیمی پس منظر کا علاج نہیں، ہمیں تو ایسے کثیر الغنوں ادوار کی ضرورت ہے، جہاں طلبہ مل جل کر مختلف علوم و فنون کی

بل میں معروف رہیں۔ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اپنے محسوسات سے دوسروں کو
 آگاہ کریں۔ علم کی ہر شاخ اور ہر شعبے کا جائزہ لیں اور پھر اپنے اپنے رجحانات اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے
 باطن اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی خاص مضمون کو منتخب کر لیں۔

دو اکادمی

حکومت پاکستان نے اردو کی توسیع و ترقی اور اس کی ترویج کے لئے اردو اکادمی کے قیام کا فیصلہ
 کیا ہے، حکومت کا یہ اقدام نہایت مبارک اور ہماری قومی زندگی کے لئے قابل نیک ہے، پاکستان
 اردو کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسے ہماری سماجی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں ایک اہم حصہ
 ہے، اس اکادمی کے چلانے کے لئے ملک کے معروف اور ممتاز ادیبوں کی ایک کمیٹی منتخب کی جائے گی
 اردو کی توسیع کے لئے مختلف طریقے استعمال کرے گی۔ اردو رسم الخط کے متعلق اب تک انفرادی طور پر
 نہیں بیسیوں تجویزیں پیش ہو چکی ہیں بعض اہل فکر و لطیفی رسم الخط کے حق میں ہیں، اور بعض ہجو
 م الخط میں تھوڑی بہت ترمیم کے خواہاں ہیں، اور بعض حضرات چھاپے کے لئے خط نسخ کے استعمال کو اردو کی
 قی کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن اب تک یہ مسئلہ کسی فیصلہ کن مرحلے تک نہ پہنچ سکا۔ اس اکادمی کے
 کام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اردو رسم الخط میں مناسب ترمیم و تفسیح کے بعد اسے مختلف آوازوں اور
 تلفظوں کے ادا کرنے کا اہل بنایا جاسکے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اردو پاکستان کی قومی زبان بننے کی حق دار اور اہل ہے لیکن اس کے باوجود
 اب تک اس زبان میں مستند کتب حوالہ مرتب نہیں ہو سکیں، اس سلسلے میں جو نجی یا نیم سرکاری کوششیں
 لیں وہ خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں۔ اس وقت اردو میں سنا اور حوالے لئے کتابوں کی ترتیب و تدوین
 نہایت اہم ہے، اس اکادمی کے قیام کا دوسرا مقصد کتب حوالہ اور کتب اسناد کا ایک سلسلہ جاری کرنا
 ہے جس سے زبان معیاری بن سکے۔

کچھ دنوں پہلے پاکستان تعلیمی مشاندتی بورڈ نے ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی سرکردگی میں ایس ایچ

مشکل ایک اردو کمیٹی مقرر کی تھی، اس کمیٹی کا احاطہ کار اس اکادمی کے قیام کے امکانات کا جائزہ لینا تھا چنانچہ کمیٹی نے جو سفارشات پیش کیں تعلیمی مشاورتی بورڈ نے انہیں منظور کر لیا، اس اکادمی کے انصرام اور اس کے جملہ کاروبار کو چلانے کے لئے زبان و ادب کے چالیس مستند عالموں اور ماہرین تعلیم مشتمل ایک مجلس انتظامیہ کا قیام عمل میں آئے گا جو اس ادارے کے منظم و نسق کی ذمہ دار ہوگی، پاکستان کے وزیر معارف اس مجلس کے صدر ہوں گے، اس کے علاوہ حکومت ایک نائب صدر اور ایک سیکرٹری بھی مقرر کرے گی۔

ہمیں امید ہے کہ اردو اکادمی کا قیام اردو زبان و ادب کی ترقی و توسیع اور ترقی کے سلسلے میں ایک ایسا مضبوط اقدام ہے کہ اگر عزم و ہمت سے کام لیا گیا تو اردو بہت جلد دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں شمار ہونے لگے گی۔

سلامی نظریہ حیات

(ایک تبصرہ)

فیسر بشیر ہاشمی

۱۹۴۷ء ہمارے لئے اور ہمارے ہندوستانی بھائیوں کے لئے سانحہ خیز ثابت ہوا۔ انقلاب
ماہونے سے پہلے ہی ہمیں ایسے حادثات سے دوچار ہونا پڑا جنہوں نے انسانی قدروں کو
ثابت کر دیا، پوری فضا خوف و ہراس سے معمور تھی۔ زندگی اذراں اور بے وقیع۔ دیانتداری
ایمانداری ہمل اور بے معنی اور پاکیزگی جسد بے روح جس کا اخلاقی پہلو مدت ہوئی نذر تغافل چلے
حالات میں پاکستان قائم ہوا، ہم ایک آزاد قوم کہلائے، اور جمہوریت ہمارا سیاسی مسلک پایا،
یوں تو جمہوری اصولوں پر نظم و نسق کا انصرام اتنا مشکل، صبر آزما اور ہمت شکن نہیں ہوتا
نہیں صحیح جمہوری نظام کا قیام ہنگامی نہیں ارتقائی ہوتا ہے، خواہ یہ کسی سماجی انقلاب کا ہی نتیجہ
نہ ہو۔ لوگوں کی زندگی میں اس کا اثر رفتہ رفتہ ہوتا ہے، کسی قوم کی اخلاقی تعمیر کے لئے ایک دو
نہیں طویل مدت درکار ہوتی ہے اور یہ مدت انتظامی اداروں کے قیام سے کہیں زیادہ طویل
تی ہے، عبوری دور میں لوگ محض ایمان دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر انھیں ایمان داری سے
نی سروکار نہیں ہوتا، زبان پر ملک و ملت کی خدمت کے بلند بانگ دعوے ہوتے ہیں، لیکن ان کے
نظر ان کا اپنا ذاتی مفاد ہوتا ہے، عیا جمہوری ہوتی ہے، لیکن اس کے اندر چھپا ہوا
ل ذاتی منفعت کا طالب، ہمت و مردانگی جرات و بے باکی اور ذاتی قربانی کا بہانہ ہوتا ہے، مگر مقصد
وزمہ و فرائض کی انجام دہی سے عداوت و احترام ہوتا ہے، ہر سعادت جمہوری تعاملوں اور امتداد زمانہ کے

ساتھ ساتھ جمہوریت کی بنیادی قدیں اپنے اہلی رنگ و روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور زندگی بے مقصد اور مترنزل مدد کو پار کر کے اپنے لئے سازگار ماحول تلاش کر لیتی ہے، جمہوریت میں ایک فطری لچک اور یہ ہمیشہ مائل بہ ترقی رہتی ہے، اس لئے لوگوں کی زندگی میں اخلاقی، مدنی اور سیاسی انقلاب آتے رہتے ہیں، اور قومی زندگی کے صیغہ نظم و نسق اور ماحول میں ہم آہنگی اور مطابقت پیدا ہوتی رہتی ہے، اسی کو آپ حکومت کہہ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی جمہوریت اپنے لئے نئے آسمان اور نئی زمین تلاش کر سکتی ہے، اور بار بار آمریت یا ضابطہ پرست حکومت بن سکتی ہے، ایک شخص دوسروں سے اختیارات چھین کر عتبان اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے سکتا ہے یا عوام کے نمائندے ہی استبدادی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں عوام کو براہ راست یا بالواسطہ حکومت سے کوئی تعلق نہیں رہتا، اگرچہ یہ درست ہے کہ اس نظام کا وہیں اگر جمہوریت کا ہلکا سا پرتو بھی جھلکتا ہوا دکھائی دیتا تو آمریت کے قدم جھنے نہیں پاتے اور ضابطہ پرست حکومت بھی اصلاح حال کے لئے مجبور ہو جاتی ہے، ہمارے سامنے ایسی حکومتوں کی ایک نہیں بیسیوں مثالیں ہیں، لیکن عوام بالعموم بعض اہم معاملات میں بھی فکر و تدبیر سے کام نہیں لیتے، ان کے پیش نظر تو اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات ہوتی ہیں، اور ان کا حلقہ خیال بھی ان ضروریات سے زیادہ وسیع نہیں ہونے پاتا، اور اگر ان کی یہ ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں اور ان کے جمہوری پندار کو ٹھیس نہیں لگتی تو انہیں ایسا سکون خاطر نصیب ہوتا ہے کہ وہ اسی خود فریبی میں مبتلا ہو کر مغلوج اور محطط ہو جاتے ہیں، یا یوں سمجھئے کہ ان پر ایک سیاسی بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

تیسرے اب ذرا جمہوریت کے دوسرے رخ کو دیکھیں، اور دوسری ہم سایہ حکومتوں سے اس تعلق کا جائزہ لیں، اس دور میں طبعی اور انفعالی نامکن اصل ہے، دو بکریوں جیسے، آج سے کوئی دس سال پہلے کا ہی واقعہ ہے کہ حلیل القدر امریکی قوم دنیا سے الگ تھلک نہ رہ سکی بلکہ طبعی کے تصور کی بھی جرات نہ کر سکی، اسے اقوام عالم کی زندگی اور ان کے کاروبار میں براہ راست حصہ لینا پڑا، اب اگر

جمہوری حکومت دنیا سے تعلقات منقطع کر کے اپنا مرکزی نظام قائم کرنے کی آرزو مند ہے تو یہ خود کشی کا
دفعہ ہے۔

جمہوریت کیا ہے اور اسے کیا ہونا چاہئے اور کن چیزوں سے اسے اپنا دامن بچانا چاہئے۔ یہ
آئینہ عمل طلب ہیں، اور میں خود اس موضوع پر مزید بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اس وقت تو میں جمہوریت کی
یہ بیان کرنا بھی غیر ضروری سمجھتا ہوں، یہ ضروری نہیں ہے کہ میری تعریف یا بیانات کے عالموں کے
دیکھ بھی صحیح اور قابل قبول ہو، میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ دنیا جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں
لے سے زیادہ ہنگامہ خیز اور سیلاب صفت ہے، خواہ کسی ملک کا نظام حکومت جمہوری ہو یا غیر جمہوری
ان دور میں نظریاتی اختلافات واقع ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے
اس ایسے وسائل بھی موجود ہیں جن سے یہ اختلافات دور ہو سکتے ہیں، اور تنازعات دبائے جاسکتے ہیں۔
مگر میں ان مباحث کو سیاست دانوں کے لئے چھوڑتا ہوں۔ اس وقت مدرس کی حیثیت سے میں تو
یہ دیکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں تعلیم کون سا اہم پارٹ ادا کر سکتی ہے، آج دنیا کی دوسری قومیں یہ سمجھتی ہیں
کہ اگر ہم سلامتی کی شاہ راہ سے ہٹ کر کوئی راستہ اور اختیار کر لیں تو اس کا انجام صرف تباہی ہو سکتا
ہے، میرے خیال میں تعلیم ایک ایسا اختیار ہے جو جمہوری نظام کے چلانے میں مدد و معاون ثابت
ہو سکتا ہے، کام مشکل بھی ہے اور بہت تنگ بھی، لیکن اس کام کا معیار ادا اور اہم ہونا ہی ایک ایسی
دعوت عمل ہے جس کے قبول کرنے میں سعادت ہی سعادت ہے۔

شاید میری یہ بات پرانی اور فرسودہ سمجھی جائے۔ مگر اس کا دہرا ضروری ہے، ہمیں اپنے توجہ والوں
کو ایسی تربیت دینی ہے جو انہیں جمہوری طریق زندگی کا عادی بنا دے اور وہ دنیاوی حقائق سے
تنافل کے بجائے ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کر سکیں، ان میں سے کچھ ایسے حقائق ہیں جو ہماری
جغرافیائی حدود سے پار دوسرے ممالک سے بھی متعلق اور وابستہ ہیں، ہمیں بعض ایسی معنوعات کی
ضرورت ہوتی ہے جو دوسرے ملکوں میں تیار ہوتی ہیں اور ہمارے ملک میں بعض ایسی خام اشیاء
پیدا ہوتی ہیں جن کی برآمد کے لئے ہمیں منڈیاں دہرا ہوتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کے

رکنا کی حیثیت سے دوسرے ممبر ملکوں کے احساسات کو سمجھنا اور ان کے جذبات کا احترام کرنا بھی ہمارا قومی فرض ہے اور یہی نہیں کہ ہم صرف ان کے جذبات اور محسوسات کا احترام کرنا ہی سیکھیں بلکہ ہمیں ان محسوسات کو اپنی قومی ترقی اور پروگرام سے بھی مربوط کرنا ہو گا، المختصر اس وقت ہمیں ایک نئے نظریے کی تعمیر و تشکیل کے لئے جدوجہد کرنی ہے، اور اس کے لئے ہمیں اپنے فطری وسائل اور صلاحیتوں کا جائزہ لینا ہو گا اور بین الاقوامی حقوق و فرائض کو بھی نگاہ میں رکھنا ہو گا۔

یہ سب کچھ ہمارے گھروں، مدرسوں اور کالجوں میں ہو سکتا ہے، لیکن تعلیم گاہوں کو اس سلسلے میں سب سے پہلے اقدام کرنا چاہئے، بین الاقوامی افہام و تفہیم کے مسائل انھیں مدرسوں اور کالجوں میں طے ہوتے ہیں، اگر ایک مرتبہ ان تعلیم گاہوں کو مفید رجحانات کے تابع کر دیا جائے، اور اس خاکے میں معلوماتی آب و رنگ پھرنے کی کوشش کی جائے تو مجھے یقین ہے کہ گھروں میں بھی ان اقدامات کو فروغ ملے گا سامان ہیبا ہو جائے گا، اس سے میری مراد درست اور صحیح بین الاقوامی نظریے کا تعمیر و تشکیل میں گھر کے اثرات کو کم یا زائل کرنا نہیں ہے، میں تو صرف اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ مدرسہ معاشرے کا منظم ادارہ ہے، معاشری زندگی کی تعمیر و ترقی میں قیادت کا علم اسی کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے۔

اب تک ہمارے مدرسوں اور کالجوں نے ان مسائل کو سلجھانے کے لئے کوئی قابل قدر کام نہیں کیا، یہ ادارے مختلف ممالک میں جن میں پاکستان بھی شامل ہے، خالص تعلیمی مذاق پیدا کرنے پر تو کامیاب ہو گئے ہیں لیکن اس سے آگے کوئی مفید مطلب قدم نہیں اٹھا سکے، ظاہر ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں ایسی سطحی دل چسپی ہمیں بہت دور نہیں لے جا سکتی۔

اگر دنیا کے عام حالات کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت بین الاقوامی امن و جنگ یا امن کے بادل چھا رہے ہیں، ہر ملک میں دفاع اور اسلحہ بندی پر کثیر رقم خرچ کی جا رہی ہے اور ہر حکومت اپنی مادی اور انسانی طاقت کو آنے والی جنگ کی تیاری میں صرف کر رہی ہے، لیکن چون کہ ترقی یافتہ ممالک ہر جنگ کے خطرات اور اس کے اثرات سے ہر شخص واقف ہے، اس لئے ہر ملک جنگ سے مخالف ہو گا۔

ن کے نتائج بہت دور رس اور تباہ کن ہوں گے، اور اس میں فتح و کامرانی تو شاید ہی کسی کو نصیب ہو۔
جہاں سوز و تباہی و بربادی کا ہوا وہ ضرور کھل جائے گا، میں مانتا ہوں کہ ہر ملک اپنے سارے غم و غم
ی اور انسانی وسائل کو جنگ کی تیاری میں صرف کر رہا ہے۔ مگر ہر ملک اور ہر قوم دل ہی دل میں امن و آشتی
آرزو مند بھی ہے، یہ اسی کشاکش اور خوف و ہراس کا نتیجہ ہے کہ عالم گیر امن کے ذریعے اس تباہی
پنے کی کوششیں جاری ہیں، بحیثیت پاکستانی اور ادارہ اقوام متحدہ کے رکن کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض
ہم دوسرے ملکوں سے تعاون اور اشتراک عمل کہہ سکتے ان تنازعات کا لایہ حل تلاش کریں۔

یا اسے یوں سمجھئے کہ تیسری عالم گیر جنگ ناگزیر معلوم ہوتی ہے، اس میں شک نہیں کہ موجودہ
تباہ کن ہتھیاروں سے انسانی اقدار و تہذیب و ثقافت کو تباہ کیا جاسکتا ہے، آئیے ذرا ہم بھی سوچیں
کیا ہمارے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ ہم تباہی کے اس رخ کو کلیتہً موڑ سکیں یا دوبارہ فحاشی کے اس
سیلاب کا سد باب کر سکیں کیا دنیا کی دوسری قوموں کے باہمی تعلقات اور اشتراک و تعاون کے سلسلے میں
ہم کوئی ایسا ہم کام انجام دے سکتے ہیں جو بین الاقوامی مفاہمت، اتحاد اور اعتماد پیدا کر سکے، یہی جذبہ
تعاون جنگ کے امکانات کو ختم کر سکتا ہے، اور بالفرض اگر اس احساس کے دبائے میں ہودی کامیابی
ماصل نہ ہو تو کم سے کم اسے فی الحال بعید از قیاس تو ضرور سمجھ لیا جائے۔

دنیا اس وقت دو متنازعہ گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے، اگرچہ جنگ کا بھیاں تک تصور ان کے ذہنوں
جھایا ہوا ہے، لیکن پھر بھی ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں جس کا انجام خوفناک جنگ کے سوا کچھ
نہیں ہو سکتا، میں مانتا ہوں کہ یہ اختلاف رائے اور کشمکش محض نظریاتی اختلاف کا نتیجہ ہے اور
اس امر کا بھی یقین ہے کہ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے پاکستان کوئی مفید حل پیش کر سکتا ہے۔
پاکستان کے قیام کے سلسلے میں لوگوں کے دلوں میں جو جذبہ کا دفر مارا، وہ فی الواقع اسلامی
نظریہ حیات تھا، اور مقصد یہ تھا کہ پاکستان عملاً اس نظریے کو زندہ حقیقت ثابت کرنے میں کامیاب ہو گا۔
میں اسلامی نظریہ حیات کو دنیا کے دوسرے نظریات میں سب سے بہتر سمجھتا ہوں، اب تک اسلامی نظریہ
حیات اور موجودہ نظریات کا کوئی محققانہ خارجی اور طرانی تجربہ نہیں کیا گیا اور نہ ایک دوسرے کی

روشنی میں ان کا تعابلی مطالعہ کیا گیا، اس لئے میں اپنے بیان کے جواز میں منظم و منشر کے اقتباسات پیش نہیں کر سکوں گا لیکن پھر بھی اپنے فکر و مطالعہ کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام دنیا کے بیشتر مسائل کا بہترین حل ہے۔

لیکن جب یہ کلمات میری زبان سے ادا ہوتے ہیں تو مجھے اپنے دعوے کے کھوکھلے پن کا احساس ہوتا ہے، میری اس گفتگو کو خاید فخر و مباہات سے تعبیر کیا جائے، میرے سامنے ان مالک کا معیار زندگی بھی جو اسلامی طریق زندگی اور طریق حکومت کے سبکے بڑے داعی ہیں، ان مالک میں عوام کا طریق بود و ماند اور ان کا معیار حیات نہایت انوسناک ہے جہل تعلیمی پستی، بیماری، افلاس اور تنگ دستی ہی تو ان قوموں کے نقیب میں ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں جس عدل و انصاف، احترام آدمیت اور آزادی اور آزادی عمل کا معیار رسول برحقؐ نے قائم کیا تھا آج انسانیت ہو چکا ہے کہ ہم خود اپنے معترفین کے آگے جمل اور شرمندہ ہیں، میں نے بارہا سوچا کیا میں فی الواقع اسلامی نظریہ حیات کو موجودہ بین الاقوامی بیماری کا علاج قرار دے سکتا ہوں، اسلامی ملکوں میں بسنے والے تو سب سے زیادہ پس ماندہ، فلاکت زدہ اور بے بس ہیں، اسلامی نظریہ حیات کے خلاف ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ ایک ایسا خابطہ حیات ہے کہ جب اسے پھیلاؤ اور وسعت کا موقع ملا اور جب اسے پوری معاشری زندگی پر عملاً جاری کیا گیا تو اس سے اخلاقی، سماجی، معاشی، تعلیمی اور ثقافتی انحطاط رونما ہوا، کیا اس نام نہاد پکٹے کو جھٹلایا نہیں جاسکتا؟ اور یہی شبہہ کاتیسویں کی طرح، مجھے اس مسئلے کے قریب لایا اور میں نے غور کرنا شروع کیا۔ اس ایک غلیم شبہ سے جو سیکڑوں شکوک پیدا ہوتے ہیں کیا ہمارے پاس فی الحقیقت ان کا کوئی جواب ہے۔

میں دلی ہی دل میں اکثر یہ بحث کرتا رہا کہ پاکستان بھی ایک اسلامی مملکت ہے، یہ وہ موعود قطعہ زمین ہے جس کے متعلق بانی پاکستان کا یہ دعویٰ تھا کہ اس خطے میں لوگوں کو اسلامی شعائر اور اسلامی نظریات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا، ان کا طریق زندگی اور ان کا دستور اسلامی ہو گا، اسلامی نظریہ حیات کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے برصغیر کے مسلمانوں کے اس تجربے کی

ایسانی کے متعلق جو سو اس پیدا ہوتے ہیں کیا ان کی تردید کی جاسکتی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ قومیں جو اپنے نظریاتی اختلاف کی وجہ سے اس وقت جنگ کو ناگزیر سمجھتی ہیں، انہیں یہ سمجھایا جاسکے کہ اسلامی نظریہ حیات کے ملائے سے وہ بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں، اور اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھال کر نیا جوش اور ولولہ پیدا کر سکتی ہیں؛ یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے سوالات میں نے خود اپنے آپ سے پوچھے اور اس سلسلے میں سہیل غورو فکر کرتا رہا۔

پاکستان کے آغاز، اس کی تنظیم اور اس کی ترقی و توسیع کو میں نے ہمیشہ آرزو مند اور پرجوش سمجھا ہوں۔ ایک مرتبہ نہیں سیکڑوں بار اور سیکڑوں زاویے سے دیکھا، قیام پاکستان بھائے خود اسلامی نظریہ حیات کی دلیل اور اس کی قوت کا سب سے بڑا کرشمہ ہے، لیکن مجھے ابھی تک اطمینان خاطر نصیب نہیں ہوا، کیا میں خود اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کا اہل نہیں ہوں، یہ ممکن ہے کہ اسلامی ملکوں کی جملہ سماجی پرائیوٹوں کے باوجود اسلامی نظریہ حیات کے متعلق میرا احساس اپنے جواز میں بہت کچھ پیش کر سکے، لیکن روزانہ جو کچھ میں اپنے گرد و پیش دیکھتا ہوں اس سے مجھے بہت دکھ ہوتا ہے، اگرچہ اس سے میرے احساس کو تقویت ضرور پہنچتی ہے۔ مگر یہ احساس بہت جلد شرمندہ محسوس ہوتا نظر نہیں آتا۔

اس سے میری مراد اپنی سماجی زندگی کی بڑائیاں گننا یا اپنے سیاسی آزاد کامات کرنا نہیں ہے اور ان برائیوں کی طرف رجوع کرنا بھی مقصود ہے جو ہادی قومی زندگی کو گھٹن کی طرح دکھا رہی ہیں، اسلامی ملکوں کی نوے فی صدی آبادی عوام پر مشتمل ہے، ان کی افسوسناک حالت، مصنوعی مذہب پرستوں اور ناشکی مردان کاہن کی دیا کاریاں، ارباب اقتدار کی بے حس ہمارے سامنے ہے، اور ہم سب کو آگے نہ اٹھنے سے سابقہ پڑتا ہے، جو لوگ کچھ کام کرنا چاہتے ہیں وہ ان حالات کی روشنی میں ہی اقدام کر سکتے ہیں، لیکن میں جس چیز کو پورے شد و مد کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہوں وہ میرا پنا ذاتی احساس ہے، ہماری پس ماندگی کی ذمہ داری اسلامی نظریہ حیات پر مائد نہیں ہوتی، اس برائی کا منہج کوئی اور ہی مقام ہے۔

کیا کسی اتنے پیچیدہ مسئلے کا سبب اتنا معمولی ہو سکتا ہے۔ اور غالباً اس کے اسباب و مصل کو اتنا سادہ سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہو گی، اس وقت ان اسباب کی طویل فہرست پیش کرنا بھی غیر ضروری ہو گا۔ اس لئے میں صرف انہیں اسباب و مصل کی تفصیلات بیان کروں گا جنہیں میں ان تمام پرائیوں اور خواہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں۔

ہم میں سے جن اصحاب نے رسول پاک کی سیرت اور کلام الہی کی سورتوں کا بتدریج مطالعہ کیا ہے، انہیں معلوم ہے کہ رسول کریم بہت بڑے معلم تھے، آپ نے اپنی قوم کو تعلیم دی، اپنے ملک باشندوں کو تعلیم دی اور اس سے آپ کا مقصد اس تعلیم کو پوری انسانیت کے لئے عام اور فراوان کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے پورے پیغام کو رفتہ رفتہ نازل کیا، اور اس طرح یہ پیغام بھی لوگوں تک پہنچنے والا ہو چکا۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ پیغمبر مسلم ارشادات الہیہ کو اپنے پیروؤں تک اس طرح پہنچاتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کو اسی کے مطابق ڈھال سکیں اور دشواریوں کا مقابلہ کرنا سیکھیں، اور پھر آپ اپنی ذاتی مثال سے انہیں تربیت دیتے تھے، چنانچہ متعلمین اور معلم کی درمیانی تعلق کو پاٹنے کے لئے جو طریقے اور جو تکنیک آپ نے استعمال کی اسے بہترین اور کامیاب تکنیک کہنا بے جا نہ ہو گا۔ اس سے لوگوں کی سماجی اور اخلاقی اصلاح اس انداز میں کی جاسکتی ہے کہ وہ ان تعلیمات کو اپنی روزمرہ زندگی کا لازمی جزو تصور کر لیں، تعلیم انسان کامیابی جو بدوی سپاہیوں اور سیاست دانوں نے تربیت یافتہ افواج اور زیرک سیاست دانوں اور ان کی حکمت عملی کے مقابلے میں حاصل کی، اور مصل رسول برحق کے کامیاب معلم ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، آپ کے پیروؤں نے جو درس آپ کے قدموں میں رو کر پڑھا، اسے انہوں نے اس طرح اپنایا کہ وہ ان کی زندگی کا جزو بن گیا، یہ انسانیت کے سب سے بڑے معلم کے مکمل طریق تدریس کا زندہ ثبوت ہے، چنانچہ آپ کے پیرو جہاں کہیں گئے اور سماجی معاشی اور سیاسی تعلقات قائم کرنے کے لئے جن لوگوں سے انہیں سابقہ پڑا، ان کے مقابل کو ان کی برتری کا معترف ہونا پڑا۔

میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی نظریہ حیات کی ابتدائی کامیابی کے دو اسباب ہیں

نہیں کہ ہمیشہ ہر فرد نے سراہا ہے۔

(۱) پیغام کی تفصیلات اور وہ نظریہ جو اس پیغام نے پیش کیا۔ اور

(۲) اپنے پیروؤں کے لئے رسول کریم کا معلم ہونا۔

جہاں تک پہلے دو عوامل کا تعلق ہے وہ آج بھی سالم و ثابت ہیں، ہم میں سے جو شخص معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی اپنی نجی یا قومی زندگی میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان کے حقائق سے باسانی دونہاں ہو سکتا ہے، ہمارے ہادی برحق نے تو اپنی زندگی میں ہی اسلام کے بنیادی مقاصد کو بہت بخشنی اور جو معاملات مشکوک تھے اور یقیناً بہت ہی کم تھے، ان کی توضیحات ہمارے معروضہ نقبانے شرح و بسط کے ساتھ بیان کی ہیں۔ ہماری موجودہ برائیوں کی وجہ اسلامی نظریہ حیات کا تنزل نہیں ہے، رب کے بڑا سبب یہ ہے کہ بدلتے ہوئے قومی اور بین الاقوامی حالات میں اس نظریے کو مطابقت دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔

مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میرے اس بیان سے احتیابہ پیدا ہو جائے اور کہیں یہ خیال نہ کیا جائے

کہ میں اس نظریے کے خلاف شبہات پیدا کر رہا ہوں

اليوم اكملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام و دینا

(میں نے آج تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے، اور نعمتوں کو تمہارے لئے تمام کر دیا ہے اور اسلام کو

تمہارا دین منتخب کیا ہے)

اس سے قطع نظر ہم آج بھی دین کی حدود میں رہ کر درست و متقی، صاحب علم اور دیانت دار بزرگوں کے اجماع الامت اور قیاس کی روشنی میں اپنی مذہبی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں کو از میرتب مرتب کر کے، موجودہ حالات کے مطابق بنا سکتے ہیں۔

دوسرا اہم مسئلہ اپنے پیروؤں کے لئے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معلم ہونا ہے۔

یہ تو ایک مسلم امر ہے کہ حیثاتی لحاظ سے آپ ہمارے پاس موجود نہیں ہیں، اور ہماری انفرادی

سماجی، قومی اور بین الاقوامی زندگی آپ کی اس تعلیم سے محروم ہو چکی ہے۔ جس سے صحابہ کرام اور اس

عہد کے لوگوں نے براہ راست فائدے اٹھائے، دراصل جس چیز نے چند بددی قادیان کو ان کے زمانے میں انسانی یادداشت کا اعزاز بخشا، ہم میں آج اسی جذبہ کار کی کمی ہے، لیکن آپ نے فرمایا —
 انا لیسر مشکم — میں تہادی طرح انسان ہوں — اور اس لئے سنت اللہ کے تابع — اور میرا ایمان ہے کہ اسلام ہر وقت اور ہر زمانے کے لئے نازل کیا گیا ہے، اس کا مقصد صرف آپ کی زندگی میں ہی موثر اور قابل عمل ہونا نہیں تھا، یہ درست ہے کہ بیسویں صدی میں ہم رسول کریم کی شخصیت براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے لیکن محض معلم کے جسمانی وجود سے ہی انسان متمتع نہیں ہوتا، آپ کی پوری زندگی اور آپ کی تعلیمات ہمارے پاس ہیں، ان سب کا مطالعہ اور ان سے فائدہ اٹھانا کام ہے، یہ تعلیمات تدریسی تکنیک کا قیمتی اور جینا جاگتا نمونہ ہیں، اور ان کی مدد سے ہم آج بھی اسلامی نظریہ حیات میں ہم آہنگی پیدا کر سکتے ہیں اور اسے ایک ایسی شکل میں متشکل کر سکتے ہیں کہ اسلام ہمارے لئے بارخاطر ہونے کی بجائے ہماری اپنی زندگی میں ایک متحرک قوت بن جائے، اگر رسول کے قائم کردہ اصولوں پر عمل کیا جائے تو ہم آپ کے جسمانی لحاظ سے موجود نہ ہونے کا بدل پیدا کر سکتے ہیں ہماری بدقسمتی ہے کہ آپ کی تدریسی تکنیک کا جو مواد ہمارے پاس موجود ہے، اور جسے ہم سیرت اور آپ کی عملی زندگی سے حاصل کر سکتے ہیں، اس سے ہم ضرور واقعی فائدہ نہیں اٹھاتے اور ممالک میں اسلامی نظریہ حیات کی ناکامی کی سبب بڑی وجہ اس تمدنی تکنیک کا غلط استعمال ہے، آج کل اسلامی نظریہ حیات کو فکر و عمل کے متحرک اور زندہ سانچوں میں ڈھالنے کے ذمہ دار ہیں ان طریقے دور از کار اور ناقص ہیں۔

اسلامی نظریہ حیات کی ناکامی کا دوسرا سبب تقسیم بین الاقوامی ہے، مجھے اپنی اس معاشرہ کم زوری کا مکمل احساس ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو عملی نظریہ ہماری تاریخ کے ابتدائی زمانوں میں ہی پیدا ہو چکا تھا، ایک وہ گروہ جس کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار تھا اور ایک وہ جو دیر محافظ کہلائے، رسول کریم نے اپنی زندگی میں اس دو عملی کو پیچھے کا موقع نہ دیا، بلکہ ضرورت غزوات میں فوجوں کی قیادت آپ خود فرماتے تھے اور میدان جنگ میں صحابہ کے دوش بدوش

کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے لیکن قرونِ اولیٰ ہی میں خلیفہ قومی زندگی کی مادی اصلاح دینا دینی کا ذریعہ قرار پایا اور قوم کی دینی اور روحانی زندگی کی اصلاح فقہی، محدث اور صوفی کا حافظہ راگیا اور عہدِ بندگی ہماری اجتماعی زندگی کے لئے بے حد ہلک ثابت ہوئی۔

یہ دو عملی نظریہ ہماری سماجی زندگی میں باہر پھیلنا نہایت مشکل نہ تھا۔ ان کے لئے ایک نیا نظام وضع کیا گیا اور حکومت ایسی مرتب کرنا شروع ہوئی کہ اس کے علاوہ لوگوں کی زندگی کے دوسرے سماجی اور مادی پہلو پر رکھنا حکومت کا کام تھا، یا یوں سمجھئے کہ یہ ان کے فرائض کی صف بندی تھی، اس قسم نے اس طبقے کے دل میں یہ جذبہ ابھارا کہ محفوظ دین اور عوام کی اخلاقی اور روحانی اصلاح ان کے فرائض میں داخل ہے۔ اور یہی اصل مسئلہ تھی یا تھا۔ اور مزید کے ساتھ ساتھ اس میں شدت پیدا ہوتی گئی، چنانچہ اس طبقے نے اپنے آپ کو محض علم و فن کا دوسرا سہارا نہ بنا کر دین کے محافظ فقہیہ محدث اور صوفی بھی رفتہ رفتہ محسوس کرنے لگے کہ ان کا حلقہ عمل محدود رہے، یا خالصتاً

کی چار دیواری سے باہر نہیں ہے، اس طرح یہ دو عملی نظریہ وسیع پیمانہ پر پھیل گیا اور ہماری قومی زندگی میں ایک ایسی ترقی بن گیا جس کا پائنا شکل ہو گیا، یہی نہیں بلکہ عوام کے لئے آوازِ امر کی تلاش کا مسئلہ بھی اتنا اہم ہو گیا کہ وہ اسی میں گم ہو کر تباہ ہو گئے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اپنی سماجی اور سیاسی زندگی کی اصلاح اور وہ نہائی کے لئے کس کی طرف رجوع کریں اور کون انہیں منزل مقصود کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو ملا (علمائے سو) نے اسلام کا ایسا محدود اور متعصبانہ نظریہ پیش کیا

اور دوسری طرف سیاسی رہنمائے اسلام کی ایسی بہیم اور زمانہ ساز تشریح کی کہ عوام الناس اس کشاکش کا شکار ہو گئے۔ اول الامر کوں ہے؛ اس کے واضح اور متعین تصور کی عدم موجودگی میں ان کا انہیں تصورات میں الجھ کر رہ جانا یقینی تھا، یہ خدا وندانِ سیاست اور دینی آموزگار۔ وہ طاقت ور گروہ اور ایک دوسرے کے حلیف عوام کو سماجی کٹھن تلی جلنے میں کامیاب ہو گئے، اب وہ کبھی سیاست دان کے ہاتھوں میں ایک کھلونا تھا اور کبھی محافظہ دیکھ لے ایک نل خوش کن خنجر۔ اس طرح وہ عوام جو قرونِ اولیٰ میں اسلامی مساوات کے ذریعہ دستِ دکن تھے، آج معاشرے میں غیر فرومایہ اور غیر پسندیدہ عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ملک و ملت کے لئے ان کا وجود غیر سودمند

اور بے گاد سمجھا جاتا ہے۔

عام مسلمانوں کو ذلت زدہ منظر عام سے ہٹا دیا گیا، امداد یا سہولت دالوں اور دین کے محافظوں کے درمیان ان کی حیثیت سماجی کردی کی بھی نہیں رہی، اس کے بعد مرنے والوں کے دونوں گروہ بھی علیحدہ علیحدہ دعاؤں میں بہنے لگے، ہر گروہ نے اپنے آپ کو منظم کیا، اور اپنے آپ کو کثیف اور کفیل بنانے کی ہم شروع کر دی۔ یہ اکتفا سے ذاتی، محض سیاسی اور معاشی نہیں تھا بلکہ ثقافتی اور دینی بھی پھیل چکا تھا۔ سیاسی رہنماؤں اور دینی پیشواؤں میں قیادت کی ٹانگ دو دو جاری ہو گئی اور وہ ایک ایسے ثقافتی اور دینی نظام کے قیام کی کوشش میں مصروف ہو گئے جس سے ایک دوسرے پر فوقیت حاصل ہو سکے۔ یہ ثقافتی اور دینی نظام جو اپنی تعمیر و تشکیل میں ان دونوں گروہوں کا رہن منت ہے، اپنی دفع اور ساخت میں فی الحقیقت اپنی اپنی جگہ دونوں کے ذاتی اور فرد کی کما کما رکھنے کے لئے مرتب کیا گیا تھا۔ ان میں سے کسی نظام میں عوام کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی، اور اگر کوئی گنجائش تھی تو شہر کے پیادے ہرے کی سی، ادیب ایک عجیب حیران کن بات ہے کہ ان سیاسی اور دینی رہنماؤں نے اپنے نظام اقدار میں عوام کے لئے جو بہت مقام مخصوص کر دیا، عوام نے اس ذلت و رسوائی کو بآسانی قبول کر لیا، لیکن غالباً سماجی شعور یا ثقافتی بعیرت کی کمی نے اسے منہ زل رکھا اور وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ ان دو طاقت ور گروہوں میں کس کی اطاعت لازمی ہے اور بدقسمتی سے وہ ان دونوں نظریات کے درمیان معلق رہا۔

اسلامی معاشرے کی ان تین متضاد اور متباہن گروہوں میں تقسیم ہندوؤں کی ذات پات کی تقریبی کے مترادف ہے اور اسلامی نظریات کے منافی۔ رسول کریمؐ نے اپنی سماجی سے اور اپنی موثر قیادت میں ایک ایسے معاشری نظام کی بنیاد ڈالی جس میں سیاسی، دینی یا اور کسی قسم کی قیادت کے لئے کسی شخص یا گروہ پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی تھی، جو معاشرہ آپ نے تعمیر کیا وہ مربوط اور منظم تھا۔ اور اس سماج کے ممبر کی شخصیت اور اس کے کردار میں ایسی صلاحیتیں موجود تھیں کہ اگر انہیں ترقی کرنے اور بڑھنے کا موقع ملے تو ان میں سے ہر شخص بڑی سے بڑی دینی، سیاسی اور عسکری ذمہ داری اٹھانے کا

اہل ہو سکتا تھا۔

لیکن جب تقسیم اسلامی معاشرے کا جزو بن گئی اور اس کا احاطہ روز بروز وسیع ہوتا گیا تو صدیوں کے اس اختلاف نے ان تینوں گروہوں کو تین مستقل طبقات میں تقسیم کر دیا اور انہیں تینوں طبقات نے تین قسم کے شہریوں کی صورت اختیار کر لی جو اپنی اپنی نوع اور اپنے اپنے کاموں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہی نہیں تناد و آوارہ پیکار بھی رہتے ہیں، ان میں ہر گروہ انتہا پسند ہے، ہر کسی شہری کا ایک سے زیادہ گروہوں سے متعلق ہونا ناممکن ہو گیا، اسے ہم دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک حکمران، دوسرا دینی مفکر اور تیسرا عام مسلمان جو ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک میں مشکل سے داخل ہو سکتا ہے۔

معاشرے کی اس تقسیم اور انتشار نے ایک اور اہم انتشار کا دروازہ کھول دیا، آغاز کار میں اسلامی نظریہ حیات ایک مربوط کلی سمجھا جاتا تھا اور اس سے ہمیشہ ایک صحت مند اور متحرک سماجی زندگی مراد لی جاتی تھی، یہی مربوط کلی تندرست و طبعہ طبعہ و جموں میں منقسم ہو گیا جو اپنے نظام عمل میں غیر متحرک اور تنگ نظر واقع ہوئے ہیں، وہ طبقہ جسے اپنی حکومت اور اپنے عدل و انصاف پر ناز ہے، اس مربوط نظریے میں سے اسی جزو کو اپناتا ہے جو اس کے لئے سب سے زیادہ مفید و مطلوب ثابت ہو سکے، علماء کا طریق کار بھی یہی ہے اور عوام ان دونوں گروہوں کے مقاصد کی تکمیل اور ان کی خدمت کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔

اس تقسیم کار نے عوام میں اخلاق کش مسئلہ قدردان احساس کم تومی کا جذبہ پیدا کر دیا جس کے منفرد اثرات صدیوں سے ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے مقسوم ہو چکے ہیں، اس نے ان سے اجتہاد و فسر اور بندہ نرزشی چھین لیا اور بالآخر اس بندہ مغلوب نے حکمران کی خدمت و امتدین رہ نما کی تقدیس کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا اور اپنے سیاسی رہبر اور پیر معنوی کے التفات و فراوان، الفاظِ مہم اور کرم گسری کے طفیل زندگی بسر کرنے لگا، جیسے اس کی زندگی کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے، عوام کی یہ تقدیر پرستی اور یہ قدردان احساس کم تومی، اس کے حکمرانوں اور دینی پیشواؤں کا پیدا کردہ ہے جو اس کے دل و دماغ میں

پیوست ہو چکا تھا اور میں اس جذبہ فردوسی کو انسانی سماج کی تخریب، اتھری، کج روی اور تنزل کی بڑھتی ہوئی صورتوں میں سے زیادہ نمایاں ہے۔

فقہ فقہ مسلمانیوں کی موجودہ افسوسناک صورت حال کی ذمہ داری اسلامی نظریہ حیات پر نہیں بلکہ منہ نبوی سے انحراف پر مامد ہوتی ہے، ہم نے رسول پاک کے معمول اور آپ کے طریق کار کو چھوڑا ہے اور آپ کے قائم کردہ اصولوں سے ہم جس قدر دور ہٹتے جاتے ہیں اور اسلامی نظریہ حیات کو عملاً اپنی روزمرہ زندگی سے مربوط اور ہم آہنگ کرنے سے ہم جس قدر گریو کرتے ہیں، اسلامی معاشرے میں اتنا ہی انتشار پھیلتا جاتا ہے اور اس معاشری انتشار نے اسلامی نظریہ حیات میں بھی تفرقہ انگیزی اور الجھاؤ پیدا کر دیا ہے، حتیٰ کہ ان ملکوں کی نوے فی صدی آبادی کو اپنی بے ماہی اور پستی کا پورا پورا احساس ہو گیا، اندہم بالائے تریک کہ وہ نہایت ذلت و رسوائی سے یلانی زندگی اپنے سیاسی آقا کی خدمت میں بسر کر دیتے ہیں یا جیل و محبت اپنے دینی پیشوا کی پرستش کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

جب تک اسلامی معاشرے میں اس قسم کی تقسیم موجود ہے ہم اپنی اس کھوئی ہوئی زندگی اور اس کھوئی ہوئی قوت کو اندر فرو حاصل نہیں کر سکتے، جسے انسانیت کے عظیم الشان رہنما ہونے کی حیثیت سے رسول کریم نے دنیا کے سامنے ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا تھا، اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہماری تاریخ کے اس نازک دور میں اس کا کچھ مدد دیا جاسکتا ہے، کیا سماج کی اس کوتاہی اور اس انتشار اور اس تفرقہ انگیزی کو دود کیا جاسکتا ہے، اور کیا پورے اسلامی معاشرے کو دوبارہ ایک مربوط کل کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

جب میں اپنے گرد و پیش دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے اس سوال کا بہترین جواب اقوام مغرب کے پاس ہے، جواب، فی الحقیقت یہی ہے۔

ان اقوام کے تعلیمی نظام کا خاص مطالعہ کیجئے، انھوں نے اپنے درسوں کا لہجہ اور یونیورسٹیوں کو کس طرح منظم کیا ہے، اور تعلیم گاہوں پر کیا موقوفات انھوں نے اپنے پورے معاشرے کو کس طرح مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے، اگر آپ انھیں نزدیک سے دیکھنے کی کوشش کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ

ن کے پورے نظام کا میں ایک ہی خیال اور ایک ہی جذبہ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے اور جذبہ کا یہ ہے کہ اپنے فلسفہ زندگی کو برقی جن اپنی روزمرہ زندگی سے مربوط کیا جائے تاکہ ہرگز تراک اور تعاون سے ایک ایسے معاشرے کی تعلیم کی جاسکے جس میں ہر رکن اسی فلسفہ حیات کے مابقی اپنی زندگی کو مربوط اور ہم آہنگ بنا سکے۔

میں اس وقت جرمنی یا انگلستان کی مثال پیش نہیں کروں گا۔ بلکہ دو ایسے ملکوں کی مثالیں پیش کروں گا جن سے اس وقت لوگ سب سے زیادہ متاثر ہیں، یعنی امریکہ اور سوویت۔ امریکہ میں تعلیمی رقیوں کے اتفاقاً اور مصائب تعلیم کے مندرجات کا بنیادی نظریہ امریکی طریق زندگی ہوتا ہے، جہاں تک امریکی نظام تعلیم کے طریق تدریس اور اس کی تعمیر و تکمیل کا تعلق ہے، اقتدار حیات اور امریکی نظریہ جمہوریت ہی ان کے لئے فیضان کے سرچشمے ہوتے ہیں۔

دوس میں اشتراکیت امریکی طریق زندگی کی جگہ لے لیتی ہے اور روسی حکومت تعلیمی طریقوں تعلیمی اداروں کو ایک ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے کہ جو شخص ان تعلیمی اداروں میں تعلیم پاتا ہے اور انہیں مخصوص تعلیمی طریقوں کے ذریعہ تربیت پاتا ہے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اسے اپنی معاشرتی زندگی کا پورا پورا احساس ہوتا ہے اور وہ ان معاشرتی تقاضوں کا احترام کرتا ہے۔ اسے اور زیادہ واضح اور سلیس الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ امریکی مالک نے حسبِ فیصلہ امریکی طریق عمل پر اپنی خود فکر سے کام لیا ہے اور مزید خود فکر کے لئے اپنے بہترین ذہنوں کو ان امور کے تجزیے پر مامور کیا ہے۔

۱۔ سماجی رابطہ

۲۔ انفرادی تعلقات

۳۔ اجتماعی قوت محرکہ

۴۔ ثقافتی رابطہ

۵۔ موثر قیادت

ان محققین کا کام ان بنیادی مگر سادے طریقوں کی ماہیت معلوم کرنا ہوتا ہے، یعنی کسی مسئلے

الفاظ کا بیکس طرح پہنایا جاتا ہے اور پیش کرنے والا اسے کس انداز میں پیش کرتا ہے کس طرح اس مسئلے کا تنقیدی جائزہ دیا جاتا ہے، اور پھر کس طرح اسے متعلقہ افراد کے سامنے عملی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

میں یہاں سماجی علوم کے مغربی ماہروں کے طریق کار کی تفصیل بیان نہیں کروں گا کہ انہوں نے اپنے فنی نظریات کو عوام کی روزمرہ زندگی سے کس طرح ہم آہنگ اور مربوط کر لیا ہے، یہ خیال ہم صرف اتنا کہنا کافی ہو گا کہ یہ مغربی ماہرین آج اسی صبر و استقامت، ہمت اور شجاعت ہی سے کام لے رہے ہیں جس طرح ہمارے رسول پاکؐ نے صدیوں پہلے اپنے روحانی اور وجدانی انداز میں صبر و استقلال سے کام لیا تھا۔

اگر ہم اسلامی نظریہ حیات کو پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں جاری کرنا چاہتے ہیں اور اسے ہر شخص کی زندگی کا ضروری جز و بنانے کے آرزو مند ہیں تاکہ ہم ایک مربوط اور ہم آہنگ معاشرے کی بنیاد ڈال سکیں تو اس کے لئے ہمیں ایک غیر بہم طریق عمل اختیار کرنا ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قِيٰمًا دَّقْعُوْهُ دَعٰى جَنُوْبَہُمْ

(اٹھتے بیٹھتے اور کھڑے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو)

اور جس میں ہر رکن دیانت داری سے کہہ سکتا ہو۔

اِنَّ صَلٰتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(مے فک میری عبادت، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا

پالنے والا ہے)

اور جس میں ہر رکن کے پیش نظر ایک بلند مقصد ہو اور وہ خدا کے حضور میں کہہ سکے۔

وَاٰجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

(اور ہمیں ان کے لئے ایک نمونہ بنا جو نیک اور صالح ہیں)

دیون اور اسلامیات کی تدبیریں کا مقصد اگر محض معلومات ہی بہم پہنچانا ہے تو یہ ہمیں کسی

تک نہیں پہنچا سکتا اور مغرب کے لباس اور معاشی نظام کی تقلید بھی نہیں منزل کے قریب
لا سکتی۔ اس کے حصول کے لئے تو

۱۔ ہمیں سنن نبوی کا مطالعہ کرنا ہوگا اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ رسول پاکؐ کے ارشادات الہیکہ
اپنے صحابہ تک کس طرح پہنچاتے تھے، کس طرح وہ ان الہامی حقائق کو اپنے پیروں
کی زندگی سے ہم آہنگ کرتے تھے اور کس طرح انھوں نے ایک معاشرے کی بنیاد
ڈالی جس کا ایک ایک فرد ہر شعبہ زندگی میں قیادت کا بارسنبال سکتا تھا خواہ
دینی ہو یا فوجی، معاشی ہو یا سیاسی۔

۲۔ ہمیں پاکستان میں سماجی علوم (SOCIAL SCIENCES) کا ایک ایسا ادارہ قائم کرنا
ہوگا جہاں سماجی تعلیم، انفرادی تعلقات، اجتماعی قوت محرکہ، ثقافتی روابط اور قیادت
وغیرہ کے مطالعے کا اہتمام جدید ترین مغربی تکنیک کی روشنی میں کیا جاسکے۔

ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالنے اور اسے مناسب طریقوں پر چلانے کے لئے ہمیں مغرب سے
ربن علوم مستعار لینے پڑیں گے، لیکن اس سے جو فائدے مجموعی طور پر ہمیں حاصل ہوں گے
دوسرے امور پر بھاری ہیں، مجھے تو یہ کہنے میں بھی باک نہیں کہ سماجی علوم کے اس ادارے کے
م کے لئے ہمیں فوری اقدام کرنا چاہئے، خواہ اس کی تعمیر میں زرد کشیر ہی خرچ کرنا پڑے، میرا
ال ہے کہ اس قسم کے ادارے پر جو لاگت آئے گی وہ کسی تکنیکی ادارے کی لاگت سے کم ہوگی۔
رسول پاکؐ کی تعلیمات اور ان کے طریق عمل کے مطالعے کو اپنے طریق کار کی بنیاد قرار دے کر
درجہ دوم سماجی علوم کے ماہروں کی تکنیک سے نائدہ اٹھا کر ایک کارآمد، صحت مند اور موثر ادارہ
اٹھایا جاسکتا ہے جس میں انسان کی جملہ تخلیقی اور روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جاسکتا
ہے۔ اس سے میری مراد وہی صلاحیتیں ہیں جنہیں امریکہ والے انسانی نقشہ پسندی
(HUMAN ENGINEERING) سے تعبیر کرتے ہیں، اگر ہم بھی اپنے نوجوانوں کو اس نظام کار کے
یا اثر تعلیم و تربیت و مینا شروع کریں تو مجھے امید ہے کہ انسانی نقشہ بندی کے لئے ہم پاکبند

ماہرین پیدا کر سکتے ہیں، امداد ماہروں کی اس جماعت سے صرف ہمارے تعلیمی ادارے ہی متمتع نہیں ہوں گے، بلکہ انتظامی دفتروں، قانون ساز مجلسوں، تجارتی ایوانوں، کارخانوں، وزارتوں، تفتیش و تحقیق کے محکموں، مسجدوں، خانقاہوں اور بازاروں میں وہی لوگ نظر آئیں گے جو صرف اسلامی نظریہ حیات کے حامل ہی نہیں ہوں گے بلکہ ہمیں یہ محسوس ہو گا کہ اسلامی نظریہ حیات ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکا ہے۔

اگر ہم کسی ایسے نظام حیات کی تعمیر و تشکیل میں کامیاب ہو جائیں تو مجھے یقین ہے کہ ایسے مہتمم بالشان کام میں ہمیں خسارہ نہیں ہو گا، اس سے ہم صرف پاکستان میں ہی سماجی، اقتصادی، معاشی اور ثقافتی انقلاب لانے میں کامیاب نہیں ہوں گے، ہماری یہ مثال دوسرے اسلامی ممالک کے لئے بھی چراغِ راہ بن جائے گی اور لوگوں کو معلوم ہو سکے گا کہ ہم اپنے اسلامی اور مشرقی ورثے کو بطریق احسن صرف میں لا سکتے ہیں، اور انسانی تعلقات کے نیاں نواں رستہ خطوط کو مفید اور سوچ بچی انسانی کوششوں کے اہل ہاتھ ہوئے سرخ زادوں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

اگر ہم اپنی اس مہم میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ عرب، ایشیائی اقوام کے رکن ہونے کی حیثیت سے ہم ادارہ اقوام متحدہ کے کاروبار میں کہیں زیادہ اہم جگہ لے سکتے ہیں، اس وقت ہم محض موبہوم اور خیالی باتیں کرنے والے متعسف نہیں ہوں گے، آج چوں کہ مختلف مسائل کے ماقبہ سے ہم خود واقف نہیں ہوتے اور مسئلے کی معقولیت کا خود ہمیں بھی پورا پورا احساس نہیں ہوتا اس لئے ہماری باتوں میں نہ زورِ بیان ہونا ہے اور نہ قوتِ استدلال اور نہ ہم دوسروں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں، لیکن جب ہم مختلف مسائل کو حل کر کے اپنے نظریہ حیات کی روح اپنی معاشرتی زندگی میں پھونک دیں گے، اور اسے ایک زندہ حقیقت بنا دیں گے تو ہم اپنے مافی الضمیر کو نہایت اعتماد اور وضاحت کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان کر سکیں گے، اس وقت ہماری حیثیت ہی کچھ اور ہو گی، ہمارا شمار ان لوگوں میں ہو گا جو نظریاتی خلا میں معلق نہیں، بلکہ اپنے نظریات کو زندگی کے حقائق میں تبدیل کر چکے ہیں۔

جامعہ لندن

ناظر حسن سلیم

برطانیہ کی مختلف درس گاہیں اپنی جدا جدا خصوصیتوں کے لئے ممتاز ہیں، ان میں گلاسگو اور ڈیرین جیسی تیز رفتاری پر مشتمل بھی ہیں جن میں عین اُس دور کے بعد تعلیم و تعلم کا آغاز ہوا تھا، جو یورپ میں ثقافتِ ثانیہ کے نام سے معروف ہے اور جن میں درس و تدریس کا سلسلہ کم و بیش چھ صدیوں سے قائم ہے۔ ان ہی میں آکسفورڈ اور کیمبرج کی جامعات ہیں جن کا نام لیتے ہی ذہن میں اس شانِ شکیں متانت اور پروفا و عظمت کا تصور آتا ہے جو ایک امیرانہ لیکن سخت گیر اور باضابطہ نظام کے سائے میں نشوونما پاتی ہے، اسی سلسلے میں جامعہ لندن کا بھی نام لیا جاتا ہے اور یہی آج مضمون کا موضوع ہے جامعہ لندن کا نام آکسفورڈ یا کیمبرج کی کسی جذباتی کشش یا ادوانتی عظمت نہیں رکھتا۔ تاہم برطانیہ کی یہ عظیم ترین درس گاہ اپنی ہم گیری اور افادیت کے اعتبار سے تمام جامعات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کے فارغ التحصیل طلباء نہ صرف ادبی اور تعلیمی دائروں میں بلکہ صنعتی، تجارتی، اقتصادی، طبی اور فنی اور سائنسی حلقوں میں دنیا کے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں علوم و فنون کی اتنی دھماکارنگی ہے کہ ہر علم و فن کے ابتدائی اور انتہائی مدارج اُلے کئے جاسکتے ہیں اور اس جامعیت میں دنیا کی کوئی اور درس گاہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جامعہ لندن کی تاریخ مختصر ہے، اس کا قیام فرمانِ شاہی کی رو سے ۱۸۲۶ء میں ہوا۔ اور اس وقت یہ دو تعلیمی اداروں یعنی نیو ریسٹی کالج اور کنگز کالج پر مشتمل تھی، فرمان کی رو سے یہ ”الربابِ علم و دانش کی ایک جماعت“ تھی جو امتحان لینے اور ڈگریاں عطا کرنے کے لئے

تائم یونی تھی، اسی سال سے اس میں باقاعدہ طالب علموں کے دوش بدوش بیرونی طلبہ شامل بھی تائم ہے یعنی ایسے طلبہ جو بیرونی ذرائع سے تعلیم حاصل کر کے مختلف مرکزوں میں یونیورسٹی کے امتحانات میں شریک ہوتے ہیں اور ڈگریاں حاصل کرتے ہیں، اس کے علاوہ دو باتیں اور بھی ہیں جن میں اس جامعہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے، یعنی سائنس کے شعبے کا تائم اور عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش شریک تعلیم ہو کر ڈگریاں لینے کا حق جو ۱۸۷۸ء میں دیا گیا اس جامعہ کی غفلت کا کچھ اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اس کے اعلیٰ مدرسین یعنی پروفیسروں اور ریڈروں کی تعداد پونے پانچ سو اڑسٹھ اساتذہ کی تعداد نو سو سے متجاوز ہے۔ ہر سال اوسطاً اٹھارہ ہزار باقاعدہ اور تیس ہزار بیرونی طلبہ اس سے مستفید ہوتے ہیں، اس کے بعض ادارے مثلاً یونیورسٹی کالج بجائے خود بعض یونیورسٹیوں سے بڑے ہیں، اس کے غلامان کتب خانے میں پانچ لاکھ کے قریب کتابیں، یادداشتیں، مسودے اور مخطوطات محفوظ ہیں جامعہ لندن کے قیام کے بعد سے اب تک اس کے فرائض اور ذمہ داریوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے، اس لئے اس کے قواعد و ضوابط میں بھی تبدیلیاں ہونا لازمی تھا، چنانچہ موجودہ ضابطہ درج طے کرتا ہوا دسمبر ۱۹۷۱ء میں "قانون جامعہ لندن" کے نام سے پاس ہوا۔ اور دو سال بعد یعنی مارچ ۱۹۷۳ء میں شاہی منظوری کے بعد نافذ ہوا، اس قانون سے ایک خاص تبدیلی بیرونی کرایوان (COURT) کا قیام عمل میں آیا، اب تک یونیورسٹی کا مالی انتظام سینٹ کے ہاتھ تھا جو یونیورسٹیوں کے لئے سرکاری عطیات کی مجلس (UNIVERSITY GRANT COMMITTEE) سے امداد وصول کرتی اور اسے مختلف کالجوں میں تقسیم کرتی تھی، اب یہ کام بھی ایوان سے متعلق یونیورسٹی کے نظم و نسق کی موجودہ صورت پر تشریح ذیل ہے۔

- ۱۔ چانسلر۔ یونیورسٹی کے جملہ امور کا مختار مطلق ہے اور تعلیمی نیز دیگر اہم امور میں جو ذریعہ دست مبارک میں طے ہوں۔ اس سے رجوع کیا جاتا ہے۔
- ۲۔ ایوان (COURT) ریٹائرڈ ارکان پر مشتمل ہے، چانسلر، وائس چانسلر اور صدر کانفرنس مستقل

ریپازڈ دوسرے عہدہ اس کے رکن ہوتے ہیں، باقی تیرہ ارکان میں سے چھ سینٹ کے۔ پارلیمانی
مذہب لندن کاؤنٹی کونسل کے اداہیاتی ایک ان سب کا باہم تجویز شدہ ہوتا ہے۔ ایوان
نی دسٹی کی جائیداد اور مالیات کا منتظم ہے۔ سرکاری مجلس علیات، لندن کاؤنٹی کونسل، تقریبی
نسل کی کونسل اور یونیورسٹی کے نجی ذرائع آمدنی مثلاً فیسیں وغیرہ وغیرہ یہ سب وہ ذرائع
ہیں جن سے جامعہ کی اقتصادی بنیاد استوار رہتی ہے، ایوان مختلف کالجوں کو جو رقم دیتا ہے۔ وہ
سینٹ یعنی عالمہ کے توسط سے ہی دی جاتی ہے، اور اس معاملے میں ایوان و عالمہ کے درمیان
بھی کوئی حریفانہ کشاکش نہیں ہوتی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایوان میں عالمہ کے جو چھ ارکان
ہوتے ہیں ان کا انتخاب عالمہ کافی ہوش مندی سے کرتی ہے ادنیہ ارکان نہایت تدریج سے عالمہ کے
مفاد اور وقار کا خیال رکھتے ہیں۔

عالمہ (سینٹ) تعلیمی اور انتظامی امور کا انضباط اس سے متعلق ہے، وائس چانسلر اور پرنسپل کا انتخاب
بھی یہی کرتی ہے، اس کے ارکان پچاس یا پچپن کے قریب ہوتے ہیں جن میں سے سترہ کانوکیشن
کے نمائندے سترہ یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے صدر، چار باہر منتخب کردہ اور باقی چند اسکولوں کے
صدر ہوتے ہیں۔ کانوکیشن کے نمائندوں کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔

۱۔ کانوکیشن جامعہ کے زیرِ مشورہ گریجویٹ اس کے ارکان ہوتے ہیں، یہ ضابطے کے تحت یونیورسٹی
مختلف امور پر بحث کرنے اور اپنی تجاویز ایوان اور عالمہ کو پیش کرنے کی جاتا ہے۔

۲۔ سینٹ - اس کی ۵۳ کمیٹیاں ہیں جن سے مختلف امور متعلق ہیں۔

جامعہ لندن کا دائرہ عمل نہایت وسیع ہے، اس کے بعض ادارے مثلاً امپیریل کالج آف
سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اسکول آف اکاؤنٹس، مدرسہ السنہ شرقیہ و افریقیہ، مدرسہ امراض مادہ۔
ادارہ آثار قدیمہ، ادارہ عمرانیات وغیرہ وغیرہ عالم گیر شہرت کے مالک ہیں۔

۳۔ اسکول عجیب سی اصطلاح ہے، اس سے یونیورسٹی کے نہایت اہم ادارے اور کالج مراد لئے جاتے ہیں
باری زبان میں اس کے لئے مدرسہ، ایک مناسب متبادل لفظ ہے۔

میں تعلیم لٹان کام کے باوجود جو جامعہ کے مختلف اداروں میں جوتا ہے، علوم و فنون کے روز افزوں مسائل اور مسائل کی متفرق شاخیں باریک س بات کی تحقیقی میں کہ جامعہ کے اداروں میں مریدانہ ذہن اور مدرسوں کی تعداد بڑھائی جائے، بیرونی جتنا بدل کش اور دل چاہی ہے، آٹھویں شکل بھی ہے، جامعہ لندن کام پہلے ہی اتنا زیادہ بڑھا ہوا ہے اور انتظامی امور پہلے ہی انتہائی محدود سے گزرنے لگے ہیں اب مریدانہ بد نظمی اور بد پرگندگی پیدا کر دے گا۔

ان وقتوں کا ایک حل یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ جامعہ لندن کو دو علیحدہ علیحدہ یونیورسٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے تجویز بادی النظر میں کافی سہل معلوم ہوتی ہے لیکن غور و فکر کے بعد یہ اندازہ کرنے میں قوت ہوگی کہ ایسا کرنے سے دو ذاتی مرکزیت جو دنیا کے گوشوں سے طلبہ کو کھینچ لاتی ہے تقسیم ہوتے ہیں خیر ہو جائے گی مختلف ادارے جو اپنے میں ایک کل کا جزو سمجھتے ہیں اور باہمی تعاون کرتے ہیں رقابت کش کش میں مبتلا ہو جائیں گے اور جامعہ لندن کی مرکزیت کا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا، یہ درست ہے کہ دوسرے ملکوں بلکہ خود برطانیہ میں ایسی مثالیں ہیں کہ ایک شہر میں دو مختلف جامعات یا ادارے منور ہیں، مانچسٹر میں جامعہ کے ساتھ ساتھ ہاں کالج آف ٹیکنالوجی معروف عمل ہے، نیویادک میں براؤن دو جامعہ کو لیا یونیورسٹی اور نیویادک یونیورسٹی موجود ہیں، جن کے طلبہ کی تعداد تیس تیس ہزار ہے اور جن کے اساتذہ دو ہزار سے لے کر تین ہزار تک ہیں لیکن ان سب کی مرکزیت پہلے سے ہی جا بجا نہ جامعہ لندن کو اگر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے تو یہ تجویز نہ صرف بے نتیجہ بلکہ سخت مضر ہوگا۔

ان سب سوانح کے باوجود ادویہ تسلیم کرنے کے باوصف کہ پچھلی جماعتوں (UNDERGRADUATE) میں طلبہ کا اضافہ یا ان کے اداروں کی تعداد بڑھانا ممکن نہیں رہا، یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ جماعتوں (POSTGRADUATE) کی تعلیم نیز تحقیقی سرگرمیوں کے لئے جامعہ لندن کی آغوش ابھی کافی وسعت رکھتی ہے، اگر کبھی یہ فیصلہ کرنا ناگزیر ہو کہ یونیورسٹی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو غالباً اعلیٰ تعلیم کے اداروں اور تحقیقی مرکزوں کو اس سے تعلق نہ ہوگا، اور تقسیم محض پچھلی جماعتوں کے طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کو جلد دینے کا فرض ادا کرے گی ۵

مدرسہ عمل میں عملی مشاغل

نذیر احمد شیخ

عملی مدرسہ کا پہلا مقصد یہ ہے کہ بچے کی قوت تخلیق کو متحرک کرے، دوامتی طریقہ تعلیم کا نقص یہ ہے کہ یہ طلباء کی دماغی قوتوں کو متحرک کرنے میں بڑی طرح ناکام رہتا ہے، خواہ بیدار قوتوں کو بیدار نہیں ہونے دیتا، معلم اپنے علم اور اپنی معلومات کے نشہ میں سرشار سب کچھ بتائے چلا جاتا ہے، اور طلباء کا اکثر و بیشتر حصہ سویا کاسریا رہ جاتا ہے، کامیاب طرز تعلیم وہ ہے جو تلامذہ کی دماغی اور جسمانی قوتوں کو اجاگر ہونے کا موقع دے اور اس حیثیت آزادی کے کارفرما ہونے کے مواقع بھی فراہم کرے، جو ہر فرد کی فطرت میں مضمر ہے، فطری طبع پر ہر طالب علم چاہتا ہے کہ کتاب علم میں اپنی راہ اختیار کرے، جو معلومات طالب علم کی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہوں گی، بہت عرصہ تک دل و دماغ پر نقش رہیں گی، وہ ان کے حصول پر ایک گونہ خوشی محسوس کرے گا، افسوس کہ ہمیشہ فخر و مباہات کا اظہار کرتا رہے گا، ہر انسان میں ایک قوت عمل موجود ہے، اگر مومنوں کا حوصلہ پیدا کر دیا جائے تو یہ قوت خود بخود سرگرم عمل ہونے کی کوشش کرتی ہے، معلم کا فرض سادہ و سادہ عمل پیدا کرنا ہے، جس میں بچہ اس قوت کو بروئے کار لائے۔

ظاہر بچہ سادہ اور معصوم معلوم ہوتا ہے، لیکن معلم کے لئے ایک پُر پیچ گتھی ہے، جیسے اس کو اپنی حسن تدبیر سے سمجھانا ہے، اگر وہ اس کا بغیر غائر مطالعہ کرے گا تو اسے ان میں بے ساختہ قوت عمل کا ایک سرچشمہ مل جائے گا، جہاں کوئی ذمہ دل چسپی اسے سرگرم عمل ہونے پر مجبور کرتی ہے، اسی سرچشمے میں وہ مرکزی قوت ہے جس سے کل چلے گی، یہ وہ نقطہ ہے جہاں سے معلم کو اپنی تعلیم کا آغاز کرنا ہے۔ اسے ہم بے ساختہ دستی تھمیری یا زہنی مشاغل کہہ سکتے ہیں یا فطری رجحانات سے تعبیر کریں یا قدرتی وابستگیوں یا

دل چسپاں ٹھہرائیں، بہر حال انہیں رجحانات سے تعلیم کی ابتدائی تعلیمی لحاظ سے مؤثر ترین ثابت ہو گئی۔ یہ بچہ ایک قسم کا بیج ہے جس میں بڑھنے والے پودے یا پھلنے والے دخت کے تمام خصوصیات موجود ہیں جس طرح مانی بیج پودے کی پرورش کے لئے سازگار ماحول ہتیا کرتا ہے، اسی طرح معلم کا فرض ہے کہ بچے کی کھجی نشوونما کے لئے موافق ماحول پیدا کرے۔

فلارنسل نائیٹ انجینیل بچپن میں اپنی گریڈوں کو بستر استراحت پر لٹا کر ان کی تیار داری اور علاج معالجہ میں مشغول رہا کرتی تھی، ایک دن سیر کرتی ہوئی ایک پہاڑی پر سے گندہ سی تھی، جہاں اسے ایک کتے کے مدد سے کراہنے کی آواز سنائی دی، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ اس کی ٹانگ بڑی دردناک ہو گئی ہے، فوراً اس نے بٹی باندھی اور اس کا زخم مندل ہونے تک اس کی باتا عہدہ دیکھ بھال جاری رکھی، آخر الامر بچپن کی نرس جنگ کریسیا کے کراہتے ہوئے زخمی سپاہیوں کے لئے مستولری کے ہسپتال میں رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی، حقیقت میں اس کا یہ سنہرا کارنامہ سی جذبہ عمل کا مظہر تھا جس کا مظہر عالم طفولیت میں ہو چکا تھا، کلائیو جیسے ہندوستان میں فاتح پلاسی کہلانے کا فخر حاصل ہوا حقیقت میں دہی طفل مکتب تھا جو اپنی جماعت کو گروہوں میں منقسم کر کے میدان کا دربار گرم کیا کرتا تھا، مختصر یہ کہ فطری رجحانات اور دل چسپاں ہی کتاب زندگی کی آئینہ دار ہیں، یہ دل چسپاں عملی مشاغل کی صورت اختیار کرتی ہیں جن کی نشوونما کے لئے مدرسہ عمل ایک آماجگاہ ہے۔

عملی اور دستی کام حقیقی تعلیم کا ابتدائی قفل ہے، پستالوزی (PESTALOZZI) نے باقاعدہ طور پر دستی مشاغل کو اپنے مدرسہ کے نصاب میں شامل کیا، اس کا عقیدہ تھا کہ یہ عملی کام بچے کی ذہنی اور جسمانی قوت کی ترقی، اخلاقی اور اجتماعی تربیت اور نفسیاتی نشوونما کے لئے اذیت ضروری ہیں، لہذا اس نے انہیں حقیقی تعلیم کے مبادیات تسلیم کرتے ہوئے ذریعہ تعلیم قرار دیا۔

دستی کام بچے میں غور و فکر کو فروغ دیتا ہے، اشیاء کی ماہیت سمجھنے اور عملی کام سے ذہنی تربیت

غور سے دیکھنے، تفصیلات کا بغور مطالعہ کرنے اور مختلف پہلوؤں کے باہمی تعلق کو جانچنے میں مدد ملتا ہے، غور و پرداخت کے بعد اشیاء کی اصلیت معلوم کرنے کا سہہ پیدا ہوتا ہے

۲۔ دستی کام بچے کے ذہنی اتحاد کی تکمیل کرتا ہے اور اس کی نظر میں وسعت اور خیالات میں پختگی پیدا ہوتی ہے، وہ مختلف طبعی طاقتوں اور اپنے ذریعوں کا مقابلہ کرتا ہے، اس کے ہٹے اور دماغ ایک وقت معروف عمل ہوتے ہیں جس سے ایک متوازن شخصیت کا ظہور ہوتا ہے۔

۳۔ دستی کام اس کے تخیل کو فروغ دیتا ہے، جس چیز کو بناتا ہے وہ اسے پہلے اپنے دماغ میں مکمل کرتا ہے، پہلے تصور یہ پھر محسوس پیکر، اس طرح اس کے تصور میں تنوع پیدا ہوتا ہے، یہ ادنیٰ پیمانے پر ایک مکمل دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے، یہ اصول اور عمل کا اتحاد ہے کہ تجربے اور عمل سے اصول وضع کئے جاتے ہیں اور پھر عمل اصول کے ماتحت آجاتا ہے۔

عملی مشاغل سے بدن قدرتی طور پر جفاکشی کا عادی نہ ہوتا ہو
عملی کام سے جسمانی قوت کو فروغ | شکلات برداشت کرنے کا ملک پیدا ہوتا ہے، زندگی میں کھٹن
 منزلیں بھی آتی ہیں ان کے عبور کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے، زندگی کی شاہ راہ پر مستقل مزاجی اور بردبار
 سے چلنے کی عادت پڑتی ہے، گنتی ماحول اور فرائض کے مبادیات بچے میں غور و پرداخت سے دیکھنے
 کی قوت پیدا کرتے ہیں، آنکھ میں تیزی اور ہاتھ میں صفائی آتی ہے۔

دستی کام بچے کو ایک طبعی نظام کا علم سکھاتا ہے اور اسے مادے
دستی مشاغل سے علمی ترقی | کے قریب تر لاکر اس کے خواص سے روشناس کرتا ہے، اس سے
 وہ ایک ابتدائی صنعتی نظام کی واقفیت حاصل کرتا ہے، قدرت کی پیدا کردہ خام اشیاء کے سود بخش
 استعمال پر غور کرنے لگتا ہے، اور اس میدان میں اپنی دل چسپی کے دائرے کو وسیع کرتا جاتا ہے۔
 یہ کام اسے صرف صنعتی مقاصد اور سود بخش اشیاء سے ہی آشنا نہیں کرتا بلکہ صنعتی آلات سے بھی پوری
 طرح واقف کر دیتا ہے جن آلات کو خود استعمال میں لایا جائے انہیں صاف کیا جائے اور تزیینے سے
 رکھا جائے، دل میں ان کی عزت سی پیدا ہو جاتی ہے، اگر بچہ مختلف آلات کی عزت کرنا سیکھ جائے
 تو وہ مرد و زور اور دست کار کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے، مجلسی امور اور دست کاری کے مسائل
 کے متعلق اس کا رویہ منصفانہ اور بہدر دانہ ہو گا۔

عام نفسیاتی اوصاف کی مکمل (۱) دستی کام تمام قوتوں میں اشتراک عمل پیدا کرتا ہے۔ یہ تمام خواص اور اعضا کی تمام قوتوں کو معروف عمل رکھتا ہے، کسی خاص قسم کا دستی کام کرنے سے بیظم اور ترتیب طریقے پر کام کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔

۲- دستی شامل بچے کی قوت ایجاد کو ابھارتے ہیں، خواہ وہ عمل ایجاد میں مشغول ہو یا خواہ مستقبل قریب میں پیش آنے والی مشکلات پر عبور حاصل کرنے کے ذرائع سوچ رہا ہو ہر حالت میں وہ ترقی کی راہ پر گامزن نظر آتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بچے میں اپنی خیالی تصویروں کو عملی صورت میں لانے کا شوق بے پناہ ہوتا ہے۔ اس کے اس شوق کو اگر پوری جہولانی کے مواقع میسر آجائیں تو یقیناً وہ اپنی زندگی کو زیادہ قابل بنائے گا۔

۳- احساس جال۔ اپنے ہاتھ سے پیدا کردہ اشیاء میں ایک خاص دل چسپی ہوتی ہے انہیں سوارنے اور بہتر بنانے کا خیال ہر وقت دامن گیر رہتا ہے اس سے اس کا احساس جال جاگ اٹھتا ہے اور اس کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

۱- اخلاقی نقطہ نظر سے بھی یہ طریق تعلیم احساس دل کی مکمل کے لئے بڑا کامیاب ہے۔ یہ بچے کو اس امر کا احساس دلاتا ہے کہ کس طرح تقسیم کار۔ امداد باہمی اور متحدہ کوشش ہر شعبہ زندگی میں موثر لائحہ عمل ہے، اور مجلسی کل میں کس طرح ہر پوزے کے لئے دوسرے کی مدد ضروری ہے۔

۷- دستی کام خلوص کو ترقی دیتا ہے، ٹھوس کام کے لئے کمر دیا اور ددوغ کو چنداں دخل نہیں حقیقت پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی بچے کے اخلاقی پہلو کو جانچنے کے لئے استاد کے سامنے دستی کام سے بہتر کوئی حربہ نہیں۔

۳- دیگر افراد جماعت کے ساتھ مقابلہ یا اپنے سابقہ طریق کار کے ساتھ موازنہ سے بچہ میں تساہل پیدا نہیں ہو سکتا، غرور اور نخوت کے پیدا ہونے کے لئے بھی چنداں گنجائش نہیں۔

۴- اچھا کام کرنے کی صورت میں خود اعتمادی حاصل ہوتی ہے، جو زندگی میں مزید کامیابیوں

۱۔ بچے زین بن جاتی ہے، کسی سودمند چیز کو جو دین لانے سے جو اہل ان بچے کو حاصل ہوتا ہے۔ دینے
 اس کی آئندہ ترقیوں کا پیش غمید بن جاتا ہے، دستی کام جہاں تک کہ کوئی نہ تابعی میں سمجھ دینا نہ کرنا نہ کرنا
 ۵۔ عمل بلوغ ترین و عادی سے بہت بلند و بالا ہے، عملی کام زبانی جمع خرچ کی بجائے ٹھوس کام کا کار
 بناتا ہے، دکھا دے گا کام حقیقی کام نہیں حقیقی کام وہ ہے جو خاموشی سے دوسروں کی نظروں سے
 اوجھل با حسن وجہ انجام دیا جائے۔

اس ضمن میں سر آرک رائیٹ ایک انگریز ماہر نفسیات کے خیالات قابل ذکر ہیں وہ کہتا ہے۔
 ۱۔ دستی کام اور دماغی ساخت میں ایک یقینی رشتہ ہے
 ۲۔ دماغی ارتقاء کی تکمیل کا دار و مدار اعصابی مرکز کے درمیان رشتہ قائم کرنے پر ہے اور دستی کام
 ان رشتوں کو قائم کرنے میں بڑا معاون ہے۔

۳۔ چار سال سے پندرہ سال کی عمر تک بچے کی قدرتی نشو و نما کا دھندلکا دستی کام ہے، اُسے
 تازہ قوتیں عطا کر کے قدرت خود اس کی راہ نمائی کرتی ہے۔

تعلیم بالعمل سے آغاز تعلیم اور قانون ترقی کی آزادانہ نمائش کے بنیادی اصول کو سمجھایا وہ اس کی
 بجائے زبان پر تعلیم کی بنیاد نہیں رکھے گا، اس کا طریقہ منطقی نہیں نفسیاتی ہو گا، وہ باہر سے آئندہ نہیں
 اندر سے بیرونی اظہار پر شروع کرے گا، صرف ماحول کو درست کرے گا، فرد کی آلات ہیا کر
 نشیب و فراز سے بچا کر صحیح راہ پر لگا دے گا، ہم ہی طریق تعلیم جو وقت سے پہلے شروع کرنے سے بے دلی
 اور نفرت پیدا کرتا ہے، صحیح وقت پر بچے کی خوشنودی اور دل چسپی کا باعث بن سکتا ہے، اکثر دیکھا
 گیا ہے، بچہ کھیل کود تنہید سے شروع کرتا ہے، پھر کوئی سودمند چیز جو دین لانا چاہتا ہے، ہمیں اسے
 تمام جائز خواہشات چاہنے کا موقع دینا چاہئے، بچے کو اجازت دیجئے کہ اس کا تخیل اپنے تمام
 سامنے لائے اور پھر ان کے حصول کے وسائل پیدا کرے، انھیں یا دین جہاں کی عمر تک اسے جستجو
 کرنے دیجئے، اور مشکلات سے دست درگیاں ہونے کے مواقع فراہم کیجئے، تجربہ اسے سکھاتا ہے

کہ کیا ممکن اور کیا ناممکن ہے۔ باہر سے ایک طریقہ بچے کے سر ٹھونس دینے کا یہ مطلب ہے کہ بچے میں ہم قوت تصور، خود فکر اور قوت استدلال فرض کر لیتے ہیں جو ابھی اس میں موجود نہیں، افسوس تجربات سے حاصل ہوں گے، بہت کم بالغ ایسے ہیں جو اپنی خود آگاہ عقل سے کسی اصول کو استعمال کر سکتے ہیں، ہمارے جیسے سن رسیدہ لوگوں سے ایسی توقع کرنی ممکن نہیں تو پھر کم سن بچوں سے ایسی امید کیوں کر کی جاسکتی ہے، ایسا کرنے سے ہم کندھ بن بچوں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں راہ مواب یہ ہے کہ بچے کو پورا موقع دیجیے کہ اصول و فرع خود وضع کرے، ایسا کرنے سے وہ ان کی اصلیت اور حقیقت سے پورا واقف ہو گا اور ان کے استعمال سے کما حقہ کام لگا۔

کیا بچوں کو استاد کی رہنمائی کی ضرورت نہیں، جو جی میں آئے کرتے رہیں، نہیں یہ دوسری حد ہے، اگر استاد میں جو ہر قابل موجود ہے تو وہ ان کے ذوق تجسس کو پیدا کرنے کی کوشش کرے گا، وہ ان کے سامنے اپنی ذاتی مثال پیش کرے گا، ان کے لئے سازگار ماحول پیدا کرے گا اپنی ذاتی نعمت کی طرف مائل کرے گا۔ ان کا انتخاب مقامی حالات پر چھوڑا جائے، استاد کی

عملی ملے سے میں کس مشاغل پر درپا جائے

ذاتی قابلیت اور مقامی مخصوص دستکاری اس

فہم میں راہ دکھا سکتی ہے، بہت کچھ خام اشیاء کے ہیا ہونے پر موقوف ہے، مثلاً لکڑی میں کشمیر کی لکڑی کی بہم سانی سے کیلوں کے سامان کی دستکاری نمودوں پر ہے، وزیر آباد اور گوجرانوالہ میں آہستہ خاندانوں کی دہرے سے لہے اور پٹیل کی اشیاء تیار ہوتی ہیں، ملتان میں چمکنی مٹی دستیاب ہونے سے مٹی کے برتن اچھے بن تے ہیں۔

میڈیم مائیسوزی بچوں کے لئے مٹی کے برتن بنانے کی حافی ہے، وہ بچوں کی جبلت میں کھلونوں سے کیلئے اور انہیں بنانے میں ایک خاص جذبہ دیکھتی ہے، وہ اسے ماڈل وغیرہ بنانے سے بہتر سمجھتی ہیں، ان سے بچے کے احساس چھل کی کوترتی ہوتی ہے، وہ بچوں کے تعمیری شوق کو پورا کرنے میں مامور رہتے ہیں، البتہ جہاں ممکن ہو پودے لگانا اور پھوٹے بالود پالنا مفید ثابت ہو سکتے ہیں بہت سے طبی مسافین کو دستی کام سے مدد حاصل ہو سکتی ہے، مثلاً فن تحریر سکھانے کے لئے آزادانہ طور پر

ت مذکور مفید ثابت ہو سکتی ہے، ریاستہائے متحدہ امریکہ کینیڈا سوئٹزرلینڈ آسٹریلیا نیوزی لینڈ
 ہکیڈلووکیہ اور ارجنٹائن میں مبتدیوں سے آزادانہ اشکال بنانے کی مشق کرائی جاتی ہے اس
 ان کے سچوں کی ورزش ہوتی ہے، باقاعدہ تحریر سیکھنے سے پیشتر تیاری کی منزل آئندہ طریق کار میں
 بیش از بیش سہولت کا باعث بنتی ہے، ڈاٹن کا خیال ہے کہ اس سے پہلے کہ بچے کو حروف ذاتی کاوش
 سے لکھنے کے لئے کیا جائے، اُسے ان حروف کو ٹریس کرنا سکھانا چاہئے، تاکہ اس کے سچوں میں ان
 حروف کی باقاعدہ جن پیدا ہو جائے میڈم مانیسوری داعی ہیں کہ اگر بچوں کو ریگ مال یا گتے کے
 کٹے ہوئے حروف پر اٹھلی پھیرنے کی مشق کرائی جائے تو اس سے ان میں حروف کی شناخت پیدا ہوتی ہو
 اور جلد ہی وہ انہیں لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں، قصہ مختصر یہ کہ دستی کام تعلیمی مضامین کے لئے بہت
 مددگار کرتا ہے، اسٹاڈیو کیزی کا خیال ہے کہ جو شکلیں بچے تیار کرتے ہیں، ان میں وہ اپنے رجحانات اور
 فطرت کو بے ساختہ واضح کرتے ہیں، ماہرین نفسیات کا یہ بھی کہنا ہے کہ تحت الشعور خیالات کا پتہ
 آزادانہ ڈرائنگ سے کیا جاسکتا ہے، اس سے الجاہت سی نفسیاتی اور جنسی بیماریوں کا آسانی سے
 علاج کر سکتے ہیں۔ ان اشکال سے فوہالہ بچوں کے چلن کا رخ بھی معلوم ہو جاتا ہے، کیوں کہ شکلیں
 ان کے تخیل اور مذاق کا بے ساختہ منظر ہوتی ہیں۔ بولٹن کہتا ہے بچے کا صحیح چلن ڈرائنگ میں سبک
 زیادہ لہو پذیر ہوتا ہے، وہ اپنی فطرت اور رجحان کے مطابق کام کرنا اور خوبصورت چیزیں بنانا چاہتا
 ہے، وہ ایک آزاد جذبے کے تحت شکلیں کھینچتا ہے اور جو کچھ بناتا ہے اس سے لطف اندوز ہوتا ہے
 اور اطمینان طلب حاصل کرتا ہے، معلم صرف ایک شاہد ہے اور کبھی کبھی راہبر طالب علم اپنی مرضی سے اپنے راستے
 اپنے رجحان۔ طاقت اور فطرت کے مطابق کام کرتا ہے، نقاشی بھی ڈرائنگ کی طرح مفید ہو سکتی ہے۔ یہ
 طریق کار محض لفظانہ تکمیل نہیں، بارہ برس کی عمر تک چیزوں کا بغور مشاہدہ۔ ان کی اشکال کھینچنا اور ان کے
 مشی وغیرہ کے ماڈل تیار کرنا، تصور اور تخیل کے ارتقا میں بہت مدد دیتے ہیں، فرض کیجئے بچے پانچ
 زمانے کے گاؤں کا نمونہ تیار کرتے ہیں، وہ یقیناً گاؤں کے فن تعمیر اور گاؤں کے ہمنے والوں کے اخلاق و
 اسطرز و بادشاہ کے متعلق سوچیں گے، اور ان اسلاف کی زندگی کا موازنہ اپنی زندگی سے کریں گے

”سنہ ۱۹۰۶ء میں لندن کی نمائش میں میں نے دانیس کرڈ سو کی زندگی کے واقعات لکھ دیے۔ مٹی ریت اور مادہ گتے کی مدد سے واضح اشکال میں دیکھے، مجھے خیال پیدا ہوا کہ جن بچوں نے اس کام کی انجام دہی میں حصہ لیا ہوگا، انہیں دروازہ لادیں ذہنی اور دلی خوشی محسوس ہوتی ہوگی۔“

بڑے بچوں کے لئے تاریخ و ادب کی تعلیم میں ڈرامہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ تیلڈ ڈرامہ انہیں شیخ پر دکھانے میں چنداں فائدہ نہیں حقیقی فائدہ کی صورت یہ ہے کہ زمانہ سلف کی کسی بڑی شخصیت کی زندگی کے واقعات وہ خود ایک کھیل کی صورت میں پیش کریں، خود ہی اس زمانہ کے لباس پہنا کر ان کی کوشش کریں، وہ منظر تیار کریں گویا اپنی ہی کوششوں سے اس گمراہ زمانہ کو حیات تازہ سے آشنا کریں، جب بھی بچے ایسا کارنامہ ذاتی کاوش سے انجام دیتے ہیں، پیش کردہ زمانے کی تاریخ اور ادب میں بے حد دل چسپی محسوس کرتے ہیں، اگر یہ تمثیل کسی بڑے پایہ کے مصنف کا شاہ کار ہو تو ادبی لحاظ سے مفید و ضرور ہو سکتا ہے مگر بہتر یہی ہوگا کہ اساتذہ اور تلامذہ مل کر اسے تیار کریں، کہانی اور اس کے اجزاء کسی حد تک معلم کی راہ نمائی کے مہم جوں منت ہیں، مگر اس کے کردار طلباء کے تخیل کی تخلیق ہوں، اساتذہ کو دیکھنا چاہئے کہ وہ ڈرامہ زندگی کو صحیح رنگ میں پیش کرتے ہیں اور ادبی افلاط سے پاک ہے، اس پختہ اثر ہو سکتا ہے کہ ہر معلم میں یہ قابلیت نہیں ہوتی، لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہر ثانوی مدرسے میں ایسے اساتذہ موجود ہوتے ہیں کہ اگر انہیں روزمرہ کی گونا گوں مصروفیتوں سے کچھ فرصت دی جائے تو وہ بہت شوق سے اس کام کو باحسن وجود انجام دے سکتے ہیں، ایسے ڈرامے پیش کرنے سے مراد کوئی شاہ کار پیش کرنا نہیں ہوتا۔ صرف مذاق سلیم کے مظاہرے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر بچوں میں دل چسپی اور دلی خوشی پیدا ہو جائے تو مقصد پورا ہو جاتا ہے، اسکول میں ایسے مشاغل کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے بے روح اور بے کیف مردہ اوراق تاریخ کی بجائے زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی جائیں، جنہیں زندگی بخشنے میں انہیں بھی دخل ہو۔

بہت چھوٹی عمر میں سطح کے نقشوں اور گڑیوں کے کھلونوں سے شروع کر کے درمیانی عمر میں پکارتے ہوئے اسی طرح کی ابتدائی صنعتوں کے تجربے کرتے ہوئے بڑے بچوں کو کام تو ایسی اور

کے آلات کے تیار کرنے میں علم کو مدد ملانی کرنی چاہئے۔ ہر حالت میں استاد کو ایک بات نہیں بھولنی چاہئے
میں نزل پر وہ اجتماعی کام کی اہمیت کو فراموش نہ کرے، اور بچوں کے دل و دماغ میں ہر تعاون کے قصد سے
تالچ نقش کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے کیونکہ زندگی کی کش مکش میں یہ درس ان کا حقیقی روشن
مار ہوگا، جب وہ مدرسوں کی جانب ہم مدد کی گام ہاتھ بڑھائیں گے، دیگر افراد جماعت بھی ان کے ساتھ
اسلوب کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

موجودہ درسی کمروں میں ادراک و انشی سامان کی موجودگی میں جو کتابی تعلیم کے لئے بنائے گئے ہیں، ہم
نی کام نہیں کر سکتے، عملی مدد سے، کلاس روم ورک کتاب، قارئین کرتے ہیں، بڑے بڑے تختوں کے ڈریک
ریز بنائے جاتے ہیں، دیواروں کے ساتھ اوزاروں کے لئے الماریاں لٹائی جاتی ہیں، ان کے شعری
ماختہ اشیاء کے رکھنے کی جگہ بھی تیار کی جاتی ہے، غرض کچھ اس قسم کا زندہ ماحول تیار کیا جاتا ہے جس میں
بچے دلی خوشی سے کام کرنے میں راحت محسوس کرتے ہیں، اس میں مردہ اور بے حس دیواروں کے سامنے
کمرے ہو کر تقریر کرنے والے اساتذہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں، زبان کی تعلیم اور غور و فکر کے اوقات میں ہی
کرے خاموش اور پاکیزہ سماں پیدا کر دیتے ہیں۔

تکنیکی نقطہ نظر سے دستی کام کے متعلق دو باتیں ضرور ملحوظ خاطر رکھنی چاہئیں، پہلے یہ کہ بچہ خود بخود
اُس کام کی طرف مائل ہو، اگر بچے کا ذاتی رجحان اس طرف نہیں ہوگا تو وہ اُس میں کامیاب نہیں ہو سکتا
اور اُس کی بے ساختہ قوت تخلیق کے اظہار میں بہت دیر ہو جائے گی یا اُس کی وہ قوت بالکل نفا ہو جائے گی
دوسرے یہ کہ اس دستی کام کا مقصد پیشہ وکار نہ ہو۔ ابتدائی مدرسے میں روٹی کمانے کا خیال بچے سے
بہت دور رہنا چاہئے، اس ناک کا وہ بادی نظریے سے وہ روحانی مقصد قوت ہو جائے جو تعلیمی اوقات
کے پیش نظر رہنا ضروری ہے، ابتدائی تعلیم میں ایک کسب معاش کا فکر بہت حد تک نقصان دہ ہے۔
نیجی نگاہیں بلندیوں کو نہیں دیکھ سکتیں، اگر افسانہ کی وجہ سے ایک بد نصیب بچہ اسکول میں کسب معاش
کے وسائل کی تلاش پر مجبور ہے تو پھر بھی اسے کوشش کرنی چاہئے کہ مدرسہ میں اسے کچھ چین نصیب ہو
جہاں راحت بخش مشاغل میں وہ دنیا کی الجھنوں کو کچھ وقت کے لئے فراموش کر دے، جہاں اُس کا

فطری جستجو کی پیدائش ہو سکے۔

سائل یہ پیدا ہوتا ہے، آیا اسکول کے احاطہ میں آئندہ زندگی کے پیشے کو پیش نظر نہیں رکھنا؟ کیا بچے کے انفرادی دستی مشاغل اس کے فطری رجحان کا پتہ نہیں دیتے، کیا اس کے پیشے کا انتخاب اس کی ابتدائی دل چسپیوں سے نہیں کر سکتے۔ اگرچہ یہ بہتر ہو گا کہ چودہ سال کی عمر تک پیشہ و طرز خیال تعلیم نہ ہو لیکن اس اہم زندگی کے مسئلے کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اکثر طالب علم ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے صحیح مذاق اور ان کی صحیح قابلیت کا اندازہ ان کے دستی کام سے اچھی طرح لگایا جاسکتا ہے ایمیل کے پیشے کا انتخاب کرتے ہوئے دوسو کہتا ہے کہ ہیشہ معزز اور سوسمند ہو، اس کے انتخاب میں ہمارا مہر و روح ہونی چاہئے، جب ہم بچے کی جستجو کو اس کے اپنے قدرتی اور فطری راستے پر چلنے کے لئے آزاد ہیں تو بچے کے مذاق اور رجحان کا مطالعہ کرنے کا ہمیں کافی موقع مل جاتا ہے، اور ہم اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں کہ اُس میں جو مہر قابل موجود ہے یا نہیں، صحیح مذاق کا اندازہ ہم ہنگامی اور وقتی حالات سے نہیں لگا، ایک ہنگامی اثر کو مستقل جوہر نہیں سمجھ لینا چاہئے، محض تعلیم کو صحیح قابلیت سمجھ لینے کی غلطی نہیں کرنا چاہئے، دنیا ایسے کاری گروں اور دست کاروں سے بھری پڑی ہے، جن میں حقیقی قابلیت کا شائبہ نہ ہو نہیں اور انہوں نے موجودہ پیشہ محض اس لئے اختیار کیا ہے کہ بچوں میں وہ اس میں ڈال دیئے گئے کیوں کہ بزرگوں نے ان کے لئے یہی بہتر سمجھا، اپنے موجودہ پیشے کی طرح کوئی اور پیشہ بھی ایسی ہی اختیار کر لینے، اگر ان کی بھیل اس طرف موڑ دی جاتی، ایک بچہ فوجی کو کس و طبل کا پُر شکوہ ہنگامہ من کو فوجی افسر بننے کی طرف مائل ہو جاتا ہے، ایک خوبصورت عادت دیکھ کر سمار بننے کا شوق دل میں پیدا ہو جاتا ہے، غرض جو منظر بچوں کے لئے وقتی کشش کا موجب بنتا ہے وہ اسے اختیار کر لینا چاہئے ہر مگر کسی کام میں وقتی خوشی محسوس کرنے اور پائدار رجحان کے درمیان بڑا فرق ہے بچے کی صحیح قابلیت اور مذاق کا اندازہ لگانے کے لئے بہت غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس کی ہنگامی دل چسپیاں اس کے صحیح مذاق اور قابلیت سے زیادہ نمایاں ہوتی ہیں، اور ہم اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اُس کی ہنگامی دل چسپیوں کو صحیح مذاق سمجھ لیتے ہیں، اس ضمن میں دوسو نفسیاتی امتحانات پر زور دیتا ہے

میں چاہتا ہوں کہ کوئی سبب دار انسان ہمیں بچوں کے سمجھنے کا علم سکھائے، یہ علم بہت سچی دماغ
اساتذہ ابھی اس کے مباحثات ہی جانتے ہیں۔

بچہ اپنے دماغی مشاغل کے ذریعہ اُس مذاق کا اظہار کرتا ہے جو اس کے پیشے کے انتخاب میں مدد
کرتا ہے، وہ اپنے والدین اور معلمین کو صاف صاف بتا دیتا ہے کہ وہ کس میدان کا شاہ سوار بن سکتا
اور بنی نوع انسان کی بہترین خدمت کس طرح بجالا سکتا ہے، یہی طریقہ ہے جس سے وہ اپنی
دنیا کی خوشی میں اضافہ کر سکتا ہے۔

جولین کا خیال ہے کہ کسی فن یا پیشہ کے اختیار کرتے وقت نوجوانوں کو چاہئے کہ اس کا تعلق
انیت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرے، پھر فیصلہ کرے کہ اپنی قوت اور صلاحیتوں کو اپنی اس سوانحی
بہتری کے لئے کیسے استعمال میں لاسکتا ہے، یہ معاشیات کے سلجھاؤ کا راز ہے اور دنیا کے امن۔
لوگوں کے استحکام، اور فرد کی راحت کے لئے بہت ضروری ہے۔

ہر انسان سے وہاں کام ہو جہاں وہ اپنی قابلیتوں کو بہترین طریقے سے استعمال کر سکے، بالفاظِ مختصر
صح آدی صحیح جگہ، ایسا شخص تعلیم کے اختتام پر دوسروں سے زیادہ خوش۔ بہتر کاری گز، ذہین، بھلتی
قابل اور ایمان دار ہو گا۔

ہومرین اور اس کی

تعلیم

تعلیمی خدمات

انتصار ہمدی

ذیل میں چند دلچسپ واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ ان واقعات سے یہ اندازہ ہومرین کے تجربات

اور اس کے گما کہ بڑے ہومے چھوں کی اصلاح میں ہومرین کو کتنا کمال حاصل تھا مگر یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ محض ان مثالوں کے بل بوتے پر کسی بے راہ و درہجے کی اصلاح دینی اسی خطرناک ہوگی جیسے کسی طبیب کے چند نسخے رٹ کر طبیب بن جانا، ان مثالوں میں جا بجا بچوں کی آزادی کا ذکر آئے گا، اس سے یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہئے کہ بچہ شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے۔

بچہ ایک مسافر ہے اور والدین یا استاد اور ہیر۔ اس کی منزل شخصیت کی تکمیل ہے، اس میں شبہ نہیں کہ یہ راہ کافی پیچیدہ اور دشوار ہے، اگر ہیر کا فرض ہے کہ راستہ کی پیروی کیوں کر اس طرح سمجھائے کہ راہ کا ایک ایک پیچ و خم پورے طور سے ذہن نشین ہو جائے، ساتھ ہی ساتھ اس انداز سے سمجھائے کہ راستہ کی دشواریاں مسافر کی ہمت پرستہ نہ کریں۔ اگر زندگی کی نشاۃ راہ سے اسے چورہائی تفت نہ ہوگی تو مسافر کے ہٹک جانے کا اندیشہ ہے، اور اگر ان دشواریوں سے مسافر ہمت ہار گیا تو پیچھے کی طرف پلٹ پڑنے کا اندیشہ ہے، دونوں کا نتیجہ ایک ہے، اور اسی کو قانون کی زبان میں جرم اور شریعت کی اصلاح میں گناہ کہتے ہیں۔

اس بچی کا تعلق ایک خوش حال خاندان سے تھا، عمر بھی کوئی سا سال کے گھٹ

آگ اور کچھ اس کی طبیعت میں ایک انوکھی مگر پیدا ہوئی، اور وقت وہ آگ سے کیٹھنے کے لئے

نہ رہنے لگی، والدین کو ایسی (ELSA) کے جل مرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا، بچی کو آگ سے دور رکھنے
 مکن کوشش ہونے لگی، انگریزی نے آگ پتیل کا کام کیا، آخر والدین نے مجبور ہو کر سزا کا سہارا لیا۔ مگر
 اسے مرض کی شدت میں اور اضافہ ہوتا گیا، اور سزا کی شرت کے ساتھ ساتھ آگ سے کیسلنے کی لگن بھی تھی
 (جی۔ اب آگ کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا، سوتے جاگتے دیاسلائی کی تلاش اور اپنا شوق پورا
 کرنے کے لئے موقع کی جستجو۔ اس سے کچھ ایسی ناگوار حالت پیدا ہو گئی کہ اب صرف لڑکی کی جان ہی کا سوال
 تھا بلکہ یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر کسی دن بچی کو اپنا شوق پورا کرنے کا موقع مل گیا تو سارا گھر لاکھ کا ڈھیر
 بن جائے گا۔ والدین سخت گھبرا گئے، آخر تنگ آ کر ہوم لپین کی طرف رجوع کیا، ہوم لپین نے تمام
 بات معلوم کرنے کے بعد پورے وٹوق کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ لڑکی کو کوئی غیر آتش گیر لباس پہنا دیا
 جائے، اور تقریباً ایک درجن دیاسلائی کی ڈبیاں اور چند دوسرے کھلونے دے کر تنہا چھوڑ دیا جا
 سنے ایسا ہی کیا، دیاسلائی پر نظر پڑتے ہی لڑکی نے کر ڈیس بدلنا شروع کر دیں مگر جب ماں
 لہر چلی گئی کہ دل کھول کر اپنا شوق پورا کر دو۔ تم بالکل آزاد ہو تو کھلی آزادی مل جانے سے بچی کے
 دل میں وہ جنون تو باتی نہ رہا، بھر بھی جلد جلد یکے بعد دیگرے پینتیلیاں جلا لیں، جب دیکھا کہ اس
 میل میں نہ کوئی انوکھا پن ہے اور نہ کوئی دل چسپی تو دوسرے کھلونوں میں مشغول ہو گئی، اس طرح
 آگ کے جنون سے ہمیشہ کے لئے نجات پا گئی۔

ہوم لپین کو اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی پیش آیا، ایک چھپے سالہ لڑکے کو آگ سے دل چسپی پیدا
 ہو گئی، سرخ سرخ انگارے اور ہراتے ہوئے شعلے اس کی توجہ کا مرکز بن گئے، بچے کی ماں دہمی
 واقع ہوئی تھی اسے یہ وہم ہو گیا کہ اگر بچہ تنہا چھوڑ دیا گیا تو جل کر جان دے دے گا، نتیجہ یہ ہوا
 کہ ماں کسی وقت بچے کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی، یہ صورت حال ایک طرف
 ماں کے لئے معیبت تھی تو دوسری طرف بچہ کے لئے قید کا سامان، اہل میں بچے سے زیادہ ماں کا علاج
 مردی تھا مگر بغیر بچے کی اصلاح کے ماں کا دم کبھی دُور نہیں ہو سکتا تھا، ادھر بچے پر چون کہ سخت
 پابندیاں مایدہیں، اس لئے آگ کی خواہش میں شدت پیدا ہوتی گئی، ہوم لپین کی امداد طلب کی گئی

تو وہ خود بچے کے گھر پہنچا، اور انگیٹھی کے سامنے بیٹھ کر بچے کے ساتھ کیٹیلنے لگا، اسی دوران میں ایک سرخ سرخ اٹھکالا نیچے گرا، بچہ فوراً اٹھا کر اسے کی طرف پھینکا، مگر اس سے پہلے کہ بچے کا ہاتھ اٹھا کر تک پہنچے ہو مزلین نے پھرتی سے اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے پر رکھ دیا، اٹھکی پر ایک چھوٹا سا آبدھند وار ہو گیا مزلین ہاتھ پکڑ کر درد سے چیخنے لگا، بچہ بڑی دل چسپی سے کچھ دیر تک مزلین کی حالت اور ہانڈا چھالنا دیکھتا رہا، پھر بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ اٹھا کر اسے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا، ہاتھ کا اٹھانے سے لگتا تھا کہ ایک معمولی سا چھال پڑ گیا اور بچہ بھی درد سے چیخنے لگا، اب بچے کو ایک ساتھ آگ کے دو تجربے ہو چکے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ چھ بے بس کی سخت سے سخت پابندیاں جو کام نہ کر سکیں وہ اس ایک معمولی سے واقعہ سے انجام پا گیا اور بچہ ہمیشہ کے لئے آگ سے محتاط ہو گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر آگ سے بچے کو دل چسپی پیدا ہی کیوں ہوتی ہے، بات بالکل سیدھا سا دھی ہے، آگ کی گرمی سردیوں میں آرام دہ ہوتی ہے، اس کی روشنی مونیس تنہائی ہے، آگ کا رنگ نظر فریب ہے اور ناچنے اہل تے ہوئے شعلے جاذبِ توجہ ہیں، دوسری چیزوں کے چھوٹے اور ان پر قابو پانے سے بچے کو روکا نہیں جاتا تو آگ جیسی دل فریب چیز کو بچہ کیوں نہ اپنانے کی کوشش کرے لہذا بچہ فطری طور سے آگ کو پیچھے لے اور اس پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے، اب بچے کی تنبیہ تخریب ماں کے صبح یا غلط طرز عمل پر پوچھ رہی ہے، ماں اگر صبح دباہر ہوتی ہے تو بچے کو آگ کی جانب سمجھنے کا موقع ہم پہنچاتی ہے، جب بچہ آگ کی طرف بڑھتا ہے تو ماں آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ آگ کے قریب سے قریب تر لے جاتی ہے، یہاں تک گرمی ناقابلِ برداشت ہو جائے اور جلنے کی کیفیت پیدا ہو جائے، بچہ درد سے چیخنے لگتا ہے تو ماں اس کا ہاتھ چھوڑ دیتی ہے، اب بچے کو پھر کو معلوم ہو گیا کہ آگ دور سے تو قدر دیرہ زیب ہے، مگر قریب سے سخت تکلیف دہ ہے، اچوں کہ بچے تجربہ بھل ہو چکا ہے، اس لئے آگ کے قریب جانے میں اب اس کے لئے کوئی دل چسپی نہیں رہے لہذا اب صرف اسی ایک تجربہ پر اکتفا نہیں کرے گا، بلکہ دوسرا نیا تجربہ شروع کر دے گا۔ لیکن بد قسمتی اگر بچے کو ماں ایسی ملی ہے جو بچے کی فطرت سے بے خبر ہے تو آگ کی طرف بچہ کے بڑھے ہوئے

بچہ لیتی ہے، بچہ اگر زندہ کرتا ہے تو سزا دیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے تجربات کی راہ پر آگے بڑھنے کی بجائے بچہ راستے کے گھماؤ پھراؤ میں ہی الجھ کر رہ جاتا ہے، اور اس کی تمام توقعہ صرف اسی ایک تجربہ کی بل پر مرکوز ہوتی ہے جس قدر سختی بڑھتی ہے اسی قدر آگ میں اس کی دل چسپی بڑھتی جاتی ہے۔ ایک دن اسے اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع مل ہی جاتا ہے، اس کا نتیجہ بڑا بھیاناک بھگتا ہے، بچہ رنج و غم میں نہیں ملتا بلکہ اکثر حالات میں سارا گھر بھونک دیتا ہے، اگر خوش قسمتی سے جل جلا کر پک کی جان بچ بھی جاتی ہے تو سخت ڈر پوک ہو جاتا ہے، بچے کو اپنی ذات پر بھروسہ نہیں رہتا جب اس پاس نہیں ہوتی تو اسے یہی خطرہ دامن گیر رہتا ہے کہ کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائے جس طرح اس کی عدم موجودگی میں ہی تو وہ آگ کا شکار بن چکا ہے، یہ احساس سستی بچے کو ہمیشہ کے لئے ناکارہ مانتا ہے اور آگے چل کر وہ اپنی زندگی میں ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔

بعض بچوں کو جھوٹی عمر میں سگریٹ اور حقہ پینے کی بری عادت پڑ جاتی ہے یہ بات بات پر تبا کو نوشی اور بچہ قیس کہنے کے عادی ہو جاتے ہیں، آگ سے جالیاتی ذوق پورا ہو جاتا ہے اور مٹھائی سے زبان کا پٹھارہ حاصل ہوتا ہے، اگر تبا کو نوشی میں نہ کسی جالیاتی ذوق کی تسکین ہوتی ہے اور نہ کسی جسمانی خواہش کی تکمیل، بلکہ شروع شروع میں سخت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے، کھانٹے کھانٹے آئیں الجھ جاتی ہیں، سر پکڑنے لگتا ہے اور طبیعت بے کیف ہو جاتی ہے، پھر حیرت ہوتی ہے کہ آٹو بیک تبا کو نوشی کا شوق کیوں پیدا ہو جاتا ہے، وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب بد قسمتی سے بچہ ایسے ماحول میں پلپس جاتا ہے جہاں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، بات بات پر اسے جھڑکا جاتا ہے اور ہر فعل پر اسے سزا ملتی ہے تو وہ لازمی طور سے اس عذاب سے نجات پانے کے لئے آزادی اور خود مختاری حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ بڑی عمر کے افراد پر نہ سختیاں ہوتی ہیں نہ بات بات پر انہیں جھڑکا جاتا ہے وہ اپنے کاروبار میں آزاد ہیں، اور ہر شخص ان کا لحاظ کرتا ہے، بچہ بھی اسی قسم کے طرز عمل اور آزادی کا خواہش مند ہوتا ہے، اپنی عمر تو وہ فوراً بڑھا نہیں سکتا، لہذا آزادی اور عزت کے انتہائی میں بڑوں کی نقل آنا نا ضرور کر دیتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ بڑے حقہ اور سگریٹ پیتے ہیں، وہ زبان کا دھڑکے

ہیں۔ لہذا وہ بھی بات بات پر تسلیں کھاتا ہے اور تبا کو نوشی شروع کر دیتا ہے، اب اگر اس بری عادت کو لڑنے کے لئے سزا دی جاتی ہے تو عادت اور بچہ نہ ہو جاتی ہے، اس لئے کہ یہ عادت سزا ہی کا ردِ عمل ہے لہذا جتنی سزا بڑھتی جاتی ہے اسی قدر بچہ کا شوق ترقی پذیر ہو جاتا ہے۔ اگر والدین یا استاد میں سے بچے کو کسی ایک پر بھی بھروسہ ہو یعنی جس نے بچہ کو کبھی سزا نہ دی ہو اور اسے حقیر نہ سمجھا ہو تو اس کا صرف اثر یہ کہہ دینا ہی کافی ہو گا کہ بچوں کے لئے تبا کو منع ہے۔ بچہ تو لگا اس عادت کو ترک کر دے گا، لیکن بدستی سے اگر بچے کے گرد و پیش کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس پر بچہ کو مکمل بھروسہ ہو تو اس عادت بد کا چھوٹنا دشوار ہے۔

حکیم (GASANE) سولہ برس کا نوجوان تھا، انقباضی کی سنگین حالت طاقت کا غلط تصور میں گرفتار ہوا اور جبریٹ کی عدالت سے اصلاح کے لئے بچوں کی دولت مشترکہ میں بھیج دیا گیا۔ گھٹا ہوا جسم مضبوط ہاتھ پاؤں۔ مگر سماج کے لئے مستقل عذاب اور پولیس کے لئے دردِ سر۔ اپنی جسمانی طاقت کے بل بوتے پر اکھاڑوں میں خاصا نام پیدا کر چکا تھا۔ وحشیانہ طاقت آزمائی کو سرمایہ فخر سمجھتا تھا اور نہذیب و تمدن کی تمام نشانیوں سے متنفر تھا۔ مائی باندھنا یا اپنے جوتے صاف رکھنا سائیت تصور کرتا تھا، اور صاف ستھرے اچھے کپڑے اور خوبصورت برتن نزاکت کی نشانی سمجھتا تھا، یہ دولت مشترکہ کا اندازِ زندگی دور تھا، یہاں کی فضا جس کو پسند نہ آئی، بار بار بھاگ بھاگ کر ہر بار گرفتار ہو کر پھر دولت مشترکہ میں پس آگیا، ہومز میں نے اس کو بڑھتی گیری اور حملائی کی طرف بار بار متوجہ کرنے کی کوشش کی، مگر ان کاموں کو وہ اپنی طاقت اور قوت کی توہین سمجھتا تھا، اپنے اخراجات کے لئے ایسے چھوٹے چھوٹے سخت کام کر لیا کرتا تھا جن کے لئے طاقت آزمائی کی ضرورت ہوتی تھی اس کی وحشت اور طاقت آزمائی سے مرعوب ہو کر اس کے کچھ ساتھی بھی پیدا ہو گئے تھے، آگے چل کر وہ اس درجہ بے قابو ہو گیا کہ دولت مشترکہ کے قوانین توڑنے میں فخر محسوس کرنے لگا، مجبوراً یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ جین بچوں کی دولت مشترکہ کے بس کا نہیں ہے، اس کا اصلی مقام جیل ہے، مگر فطرتاً ہی اس کا رحم دل تھا چھوٹے بچوں اور حیوانوں کے ساتھ اس کا سلوک بڑا رحم دلانہ تھا، اس کی وحشت اصل میں ایک

دل تھا، حسین نے حالات سے مجبور ہو کر یہ خول پہن لیا تھا، جس سے اس کی اصلی شخصیت چھپ گئی تھی۔ اس خول کو توڑنے کی ضرورت تھی، تاکہ اس کی اصلی شخصیت نمایاں ہو جائے، آخر ایک دن ایسا موقع ابھی گیا کہ حسین کا معنوی خول چور چور ہو گیا۔

چائے کی میز کے گرد دولت مشترکہ کے شہری (ادارہ کے طالب علم) بیٹھے ہوئے ہیں، ایک سر پر جس اور ہومر لین پہلو پہلو بیٹھے ہیں، جس سخت رنجیدہ اور اکتا یا ہوا نظر آتا ہے، اگلے دن بھاگ نکلنے کی ایک اور کوشش ناکام ہو چکی ہے، یہ ایک ہومر لین حسین کی طرف متوجہ ہو کر بولا:-

”کیوں حسین کیا بات ہے؟ اتنے سست کیوں ہو؟ یہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب نہیں ہو اور اگر بھاگ بھی جاتے ہو تو پھر گرفتار ہو جاتے ہو، اور یہاں کا ماحول تمہیں پسند نہیں اس لئے پریشان رہتے ہو، مگر یہ مردوں کی نشان دہی نہیں، مرد سنا ساز حالات سے کبھی گھبراتے نہیں، بلکہ حالات کو اپنے منشا کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، تم تو مائٹا، الٹا یہاں بااثر بھی ہو، تمہارے کچھ ساتھی بھی ہیں، آئندہ انتخاب میں اپنے ساتھیوں کو منظم کر کے دولت مشترکہ کی حکومت پر قبضہ کیوں نہیں کر لیتے تاکہ یہاں کی فضا اپنے مزاج کے مطابق ڈھال سکے“

حسین نے کچھ ہچکچاہٹ کے بعد مادی کا اظہار کیا تو ہومر لین نے ایک اور سوال پوچھا:-
”یہ بتاؤ کہ تمہارا پہلا اصلاحی قدم کیا ہو گا؟“

اس سوال پر پہلے تو حسین گھبرا گیا اور کوئی مناسب جواب سمجھ میں نہ آیا، ادھر ادھر دیکھنے کے بعد جب اس کی نظر اپنے سامنے پڑی ہوئی چائے کی پیالی پر پڑی تو فوراً چیخ اٹھا، میں سب سے پہلے ان نزاکت نشانیوں کو چور چور کر ڈالوں گا، یہ عورتوں کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔

ہومر لین نے فوراً آگ کریدنے کا ہوا اس کے ہاتھ میں دے دیا اور بولا:- ”یہ لو ادا بھی اپنا شوق پورا کرو۔“

لوا ایک بار اوپر سے نیچے آیا ادا پیالی چور چور ہو گئی، اسی طرح دوسری اور تیسری، مگر جب چوتھی تر ہومر لین نے اس کے سامنے ایک پلیٹ بڑھادی تو اس کا ہاتھ ڈھیرا پڑ گیا، اس کے چہرہ گھبراہٹ کے

آشنا ظاہر ہونے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی سخت شکل میں پھنس گیا ہے، احساس شکل سے بچنے کے لئے سہارا تلاش کر رہا ہے، مگر مجبور تھا کہ تاک لیا۔ پلیٹ توڑ ڈالی۔ مگر اب نہ وہ پہلا سا جوش تھا نہ پہلی سی میرتی بلکہ ضرب ہلکی اور سست ہو گئی تھی، اس موقع پر اس کے ساتھی اس کے کام آئے امداد انہوں نے جین کو پکڑ لیا، جین اس شکل سے تو نجات پا چکا تھا، مگر کام ادا ہوا تھا، لہذا ہم دہلیں نے آگے بڑھ کر اپنی گھڑی جین کے ہاتھ میں دے دی مگر اب اس کی وحشت ختم ہو چکی تھی، ہمدردی نے بہت کچھ ابدار کیا، اکیسا اور نرم نا چکیاں لیں مگر جین گھڑی نہ توڑ سکا۔ بلکہ توڑنے کی بجائے گھڑی میز پر رکھ دی۔

دوسرے دن جین ان خود بلا حسی خانہ پہنچا اور کام سیکھنے کی خواہش کی۔ اب نہ اس کے چہرے پر وحشت تھی نہ وحشت بلکہ اپنی حرکت پر وہ آپ پشیمان نظر آتا تھا، اپنی کمائی سے توڑی ہوئی چیزوں کی قیمت بھی یاد کر رہا اور آگے چل کر بد معاشرے جین معاشرے کا بہترین فرد ثابت ہوا۔

سوچنا پڑتا ہے کہ آخر جین میں یہ وحشت اور بے جا اظہار طاقت کا مرض پیدا کیسے ہوا، اور صرف چند منٹ میں برسوں کا پانا مرض زائل کیسے ہو گیا، حقیقت یہ ہے کہ کچھ کبھی پُر سکون نہیں رہ سکتا، ہر وقت وہ نئے نئے تجربات کرتا ہے۔ اور نئی نئی معلومات حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے.... وہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے، بچے کی یہ حرکات اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے ہوتی ہیں، لیکن جب ان حرکات کی راہ میں کوئی دیوار عائل ہو جاتی ہے تو نتیجہ وہی ہوتا ہے جو پودے کی طاقت سے پھپکی ہوئی گیند کی راہ میں کسی دیوار کے آجانے سے ظاہر ہوتا ہے کسی کے ہاتھ سے جو طاقت گیند نے حاصل کی ہے وہ دیوار سے ٹکرانے کے بعد فنا نہیں ہوتی، بلکہ اسی طاقت سے گیند بچے کی طرف پلٹ پڑتی ہے، جین کے ساتھ بھی یہی میں کچھ ایسا ہو الیہ پیش آیا تھا، اس کے افعال اور حرکات کی راہ میں سزا اور سختی کی ٹھوس دیوار عائل کر دی گئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حرکات اچھائی کے رخ سے برائی کی طرف مڑ گئیں، یعنی اس کی وہ طاقت جو شخصیت کی تکمیل کے لئے صرف ہمدردی تھی اب شخصیت کی تخریب پر صرف ہمدردی لگی، جو دیوار اس کی راہ میں عائل تھی اسے وہ چور چور کر دینا چاہتا تھا، مگر اس میں اتنی طاقت نہ تھی لہذا لاف زنی پر اتر آیا۔ اور چل کر اس کا مقصد طاقت و اقتدار سے ہی حاصل ہو سکتا تھا، محض اظہار طاقت کو اس نے اپنا مسلح نظر نہ کیا۔ اب

اس کے افعال اور حرکات کا مقصد نئے تجربات اور معلومات حاصل کرنا تھا بلکہ ہر اس چیز کی تباہی اور بربادی
تھی جس کی حفاظت کے لئے اس کی راہ میں دیوار مائل کی گئی تھی، لہذا وہ توڑ پھوڑ پر اثر آیا تھا، لیکن جب
ہولم لین نے مناسب موقع پر یہ دیوار ڈھادی اور اسے صرف اظہار جذبات کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ
پوری ہمت افزائی اور مدد بھی کی تو اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جب چیزوں کے توڑنے پھوڑنے
کی اجازت مل جائے تو یہ کام سخت بے مزہ ہو جاتا ہے، اب چونکہ جلیں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ
تھی۔ لہذا اس رکاوٹ کا رد عمل بھی ختم ہو گیا، اب بجائے پیچھے پلٹنے کے اس کی قوت ارادی اسے
آگے بڑھا رہی تھی، یہی وجہ ہے کہ جلیں اپنی اصلی حالت پر ایک بار پھر پلٹ آیا اور اس کا نفسیاتی
مرض ذائل ہو گیا ۛ

امیل یا

روس کی تعلیم

— توقیر مرزا رذقی مسل عظم

آپ یہ نہ خیال فرمایا میں کہ میں ٹیکہ اندازی ہی کی مخالفت کر رہا ہوں، اس لئے کہ میرے شاگرد کوشش رکھنے لگے لائل آپ کے شاگرد پر بالکل مائد نہیں ہو سکتے ہیں، آپ کی تربیت بچوں ہی آپ کا شاگرد بننا ہونے والا ہو اے سینٹلا میں مبتلا ہونے سے بچنا نہیں سکھاتی ہے، اگر آپ اسے سینٹلا میں مبتلا ہو جائیں دیں تو خاندانہ مر ہی جائے گا میں دیکھتا ہوں کہ مختلف ممالک میں ٹیکہ اندازی کی مخالفت کا ناسخ ہو رہا ہے اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے اس سبب کے متعلق میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، وقت مقام اور حالات کے لحاظ سے جیسی بھی ضرورت ہو گی اسے ٹیکہ لگوا بھی دیا جائے گا اور نہ ہی لگوا یا جائے گا، اس لئے اس سبب کی حد تک یہ معاملہ بالکل غیر اہم ہے پس اگر ٹیکے سے اسے سبب ملے گی تو اسے یہ معلوم کرنے کا موقع ملے گا کہ تو فاع کیا رکھنی چاہئے اور یہ بیماری کیسی ہوتی ہے، اور یہ ایک اچھی بات اور اگر وہ قدرتی طور پر سینٹلا سے متاثر ہو گا تو اس کی وجہ سے وہ ڈاکٹروں کی دست درازیوں سے محفوظ رہے جو اور بھی زیادہ اچھی بات ہے۔

ایک طالب علم کی خصوصی تعلیم جو محض عوام پر فوقیت و امتیاز کس لئے دلائی جاتی ہے۔ سواری اور تیراکی اور اس شعبوں کی بجائے جو گو زیادہ مفید ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ گمراہ شعبوں میں مشغول ہوتی ہے، چنانچہ خصوصی تعلیم حاصل کرنے والوں کو گھوڑے کی سواری سکھائی جاتی ہے جو بڑی ہی

تی ہے۔ لیکن تیرا کی شاید ہی کسی کو سکھائی جاتی ہے، اس لئے کہ اس میں کوڑی کا بھی خرچ نہیں
 آتا ہے اور ایک کاریگری کا یاد نہ نکادو، بعد بھی اتنا ہی عمدہ تیر سکتا ہے جتنا کہ کوئی اور۔ ایک مسافر گھوڑے
 دار کا امتحان پاس کئے بغیر بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہونا، اس پر جم کر بیٹھنا اور اعلیٰ اغراض کے لئے کافی
 بھی طور پر سواری کرنا سیکھ جاتا ہے، لیکن اگر آپ پانی میں تیر نہ سکتے ہوں تو آپ ڈوب ہی جائیں گے
 تیرنا بغیر سیکھے آتا نہیں، پھر آپ کو موت کا ڈر سواری کے لئے مجبور نہیں کرتا ہے، لیکن ڈوبنے کے
 ایک خطرہ عام سے بچنے کا کسی کو بھی یقین نہیں ہوتا ہے، لہذا پانی میں اسمیل بالکل ایسا ہی بے دھڑک
 بڑے گاجیا کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے، وہ ہر عنصر میں رہنے کے لائق کیوں نہ ہو پس اگر وہ اڑنا
 سیکھ سکے گا تو وہ عقاب بن جائے گا۔ اور اگر گرمی آتش کو برداشت کر سکے گا تو میں اسے آگ کا بھی
 لڑا ہی بنا دوں گا۔

لوگ ڈرتے ہیں کہ تیرنا سیکھتے ہوئے کہیں بچہ ڈوب ہی نہ جائے، اگر سیکھنے کے دوران میں یا اس
 دورے کہ اس نے تیرنا نہیں سیکھا ہے وہ ڈوب جائے تو ہر دو صورتوں میں آپ ہی بذات خود
 قصور دار ہوں گے، حماقت دراصل ریاکاری اور خود کا نتیجہ ہوتی ہے، جب ہمیں کوئی نہ دیکھتا ہو
 تو ہم سے کوئی حماقت مرزد نہیں ہوتی ہے، ساری دنیا چاہے دیکھا کرے لیکن اسمیل کسی حماقت کا
 مزید نہ ہو گا، کیوں کہ ورزش کا انحصار اس کے خطرات پر نہیں ہوتا ہے، اس لئے اپنے آبائی بارغ کے
 چمٹے ہی میں اسمیل بلا خوف و خطر ہلپانٹ کو تیر کر عبور کرنا سیکھ جائے گا لیکن اسمیل کو خطرات کا مقابلہ
 کرنے کا مادی ہونا ضروری ہے تاکہ وہ ان سے خوفزدہ نہ ہونے پائے جس چیز کا میں نے ابھی
 ذکر کیا ہے وہ امیدواری کا جوہر ہے، علاوہ اس اسمیل کو میں اس کی قوت کے لحاظ سے خطروں میں
 ڈالوں گا، اور میں خود بھی اس کا شریک رہوں گا، تاکہ اگر میں اس کی زندگی کی بھی اتنی ہی فکر رکھوں
 جتنی کہیں اپنی زندگی کی رکھتا ہوں تو مجھے اپنی نادانی سے خوفزدہ ہونے کی فدا بھی ضرورت نہ رہے گی۔
 اس قسم کی تربیت

کہہ جاتی ہے لیکن اس کا مذاق بہت اعلیٰ ہوتا ہے اور مگر خوشبوؤں سے وہ بہت ہی کم متاثر ہوتا ہے۔
ان میں تیز آئنی ہی خوبی سے کرتا ہے، ہماری جملہ غایتوں میں ہمارے حواس ہی سے یہ
منجلی حاصل کرتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر انہی کو خطر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حواس سمجھانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ محض انہیں استعمال ہی کیا جائے، بلکہ ان کے
ذریعہ ہیں چیزوں کو جانچنا اور ان کا اندازہ لگانا یا سمجھنا ضروری ہے، یا بالفاظ دیگر ہمیں ان کے ذریعہ
محسوس کرنا یا سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ سننا دیکھنا اور چھونا ہم آتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا کہ ہمیں سمجھنا چاہئے
ان حواس کا ایک استعمال محض طبعی اور قدرتی ہوتا ہے جو قوت فیصلہ کو تقویت پہنچائے، نیز
طاقت دیتا ہے، تیز نا۔ دوڑنا۔ کودنا۔ اچھلنا۔ لٹو پھرانا اور تھپڑ پھینکنا یہ سب اچھی باتیں ہیں لیکن
ہاتھ پاؤں کو سوا ہمارے پاس، اور کوئی چیز بھی نہیں ہے، محض طاقت ہی کو رو بہ عمل نہ لائیے، بلکہ
اعضا کو جو قوت کی، ہمتائی کرتے ہیں کام میں لائیے اور ہر ایک کا بہترین استعمال کیجئے اور ایک عضو
مماصل کردہ تجربے کو دوسرے اعضا کے تجربوں سے جانچئے، ناچئے۔ تو لئے حساب لگائیے موازنہ
مقابلہ فرمائیے۔ جب تک مدافعت کا اندازہ نہ لگالیجئے قوت کو استعمال میں نہ لائیے، ذرا غلطی
کرنے سے پہلے ہی ان کے نتائج کا اندازہ لگالیجئے، بچے میں زائد ضرورت کو ششوں سے محسوس
رکھنے کی دل چسپی پیدا کیجئے، اگر آپ اسے اپنے افعال کے نتائج کا اندازہ لگا کر اپنی غلطیوں کی ترمیم
تجربات کے ذریعہ اس طرح کرنا سکھادیں گے تو کیا یہ امر واضح نہیں ہے کہ وہ جس قدر زیادہ کام
کرے گا اتنا ہی عقل مند ہو جائے گا،

کسی دزدی چیر کو سرکانے کا معاملہ لیجئے، اگر وہ کوئی لبا لیور لے گا تو یقیناً اس کی طاقت ضائع
ہوگی اور اگر چھوٹا لے گا تو وہ اپنی پوری قوت استعمال نہ کر سکے گا، صرف تجربہ ہی اس کو یہ سکھاتا ہے
کہ کس ناپ کا لیور استعمال کرنا چاہئے، یہ علم اس کی عمر سے بالا تر نہیں ہے، مثال کے طور پر کہ
بوجھ لیجئے، پس اگر وہ صرف بوجھ اٹھانا چاہتا ہے جتنا کہ اٹھانے کی اس میں استطاعت
اور اس سے زائد نہیں اٹھانا چاہتا جتنا وہ لے کر چل سکتا ہے تو اس وزن کا اندازہ کیا ہے

نہ کرنا چاہئے، کیا وہ جانتا ہے کہ ایک ہی مادہ کی مختلف الجھامت اشیاء کا موازنہ کس طرح کیا جاتا ہے، یا ایک ہی جہامت کے مختلف مادوں میں انتخاب کس طرح کیا جائے؟ پس ان کے مختلف ان کا اندازہ لگانا کیا کھانا اس کے لئے ضروری ہے، میں نے ایک نہایت تعلیم یافتہ نوجوان کو دیکھا کہ اس نے نباتات خود تجربہ کئے بغیر اس بات کا یقین کر لیا کہ شاہ بلوط کی پھینسیوں سے بھر ہوا ڈنڈا سادی الجھت پانی بھرے ہوئے ڈنڈے سے ہلکا ہوتا ہے۔

ہمارے کل حواس سادہ یا نہ طور پر ہمارے قابو میں نہیں ہیں، ان میں ایک سلسلہ جات کے تحت معرکوں کا دربتا ہے، وہ ہمارے جسم کی ساری سطح پر پھیلا ہوا ہے، اور سنتری کی مانند میں ہر اس سے سے آگاہ کرنے کے لئے جس سے ہمیں نقصان پہنچنے کا احتمال ہو رات دن چوکس کرتا رہتا ہے ہی تو ابھی مسلسل استعمال کے باعث تجربات کے ذریعے سب سے اول ہم اسی کا استعمال کرنا سیکھتے ہیں۔ اس کے لئے ہم کو خصوصی تعلیم کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اندعوں کی تاحسی ہمارے مقابلہ میں بہت زیادہ قابل وثوق اور لطیف ہوتی ہے، کیوں کہ مینائی کی روٹھائی دم ہو جانے کی وجہ سے وہ لمس کے ذریعہ ان کاموں کو بھی انجام دینے کے لئے مجبور ہوتے ہیں جن کو اپنی آنکھوں کے ذریعہ انجام دیتے ہیں، لہذا ان کی طرح اندھیرے میں پھرنا چلنا لمس کے ذریعہ چلنا اور اگر گرد کی اشیاء کی تمیز کرنا یا مختصر رات اور اندھیرے میں وہ کام دینا جو وہ بے دیکھے ان کو انجام دیتے ہیں ہم کو بھی کیوں نہیں سکھایا جاتا؟ دن کے اجالے میں ہم ان پر سبقت رکھتے ہیں لیکن رات کے اندھیرے میں ان کی باری آتی ہے کہ وہ ہماری روٹھائی کریں، پس اس لحاظ سے صف وقت ہم بھی اندھے ہی رہتے ہیں کیوں کہ حقیقی اندھے تو اس سے خوب واقف ہوتے ہیں کہ ان کو کیا کرنا چاہئے، لیکن ہم اندھیرے میں ایک قدم بھی ہلاتے ہوئے خوف کھاتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس روشنی ہے، ملاحظہ و لا قوت کیا آپ ہر وقت معنوی امداد پر بھروسہ رکھ سکتے ہیں یہ جھلس کس کو یقین ہے کہ بوقت ضرورت وہ روشنی ہمارا ساتھ بھی دے گی، میں تو چاہتا ہوں کہ سسٹم کی آنکھ کی روشنی چراغ بتی والے کی دکان میں ہونے کی بجائے خود اس انکلیوں کی ٹوکوں میں

میں ہوتی چاہئے۔

اگر رات کے وقت آپ کسی عمارت میں بند ہو کر تالی بجائیں تو تالی کی آواز سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ عمارت کشادہ ہے یا تنگ اور یہ کہ آپ بچوں کی طرح کھڑے ہیں یا کسی کنبے پر، دیوار سے لفٹ فٹ فاصلہ کی ہوا کا دوران چوں کہ محدود ہوتا ہے، تالی کی آواز سے ہوا پھٹ کر منتشر ہوتی ہے، اور آپ کے چہرے پر بالکل ایک مختلف قسم کا اثر ہوتا ہے، آپ خاموشی سے ایک مقام پر کھڑے ہو جائیں اور ادھر ادھر پر پلٹ کر نہ دیکھیں۔ تو آپ کو ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا، یا سانی بتا دے گا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے یا بند ہے، اگر آپ کشتی میں سفر کر رہے ہیں تو ہوا کے جھونکے سے جو آپ کے منہ کو لگے گا صرف آپ کو یہ پتہ چل جائے گا کہ آپ کی کشتی کدھر جا رہی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کشتی کو آپ کو تیز لے جا رہی ہے یا آہستہ، ایسے مشاہدات و تجربات اور اسی قبیل کے اور بھی بہت سے رات ہی کے وقت مناسب طور پر حاصل ہو سکتے ہیں، دن کے وقت ہم چاہے کتنا ہی غور و خوض کریں ہماری بینائی ان مشاہدات میں کمی اندیشی کر ہی دیتی ہے، اس لئے ہم صحیح نتیجہ نہیں حاصل کر سکتے ہیں پھر بھی ان مشاہدات میں نہ ہم ہاتھ استعمال کرتے ہیں۔ نہ لکڑی یا بنیر کسی شے کو چھوئے قوت حسی ذریعہ کس قدر علم حاصل ہو سکتا ہے۔

میں اسمیل کو اندھیرے میں بہت سے کھیل کھلاؤں گا، یہ مشودہ بادی النظری اہمیت کی نسبت کہیں زیادہ اہم ہے، لوگ اندھیرے سے قدرتنا خوف کھاتے ہیں اور اسی طرح بعض جاؤں بھی ڈرتے ہیں، ذاتی علم مستقل مزاجی اور دلیری کے باعث چند ہی لوگ اس مصیبت سے آزاد ہوں گے، میں نے ملہکین، دہریوں اور فیلسوفوں کو دیکھا ہے کہ یہ لوگ دن کے وقت تو بڑے بہادر اور جواں مرد ہوتے ہیں، لیکن رات کے اندھیرے میں ایک پتے کی طرح کھڑا ہٹ سنا کر عورت سے بھی زیادہ کانپتے اور لرزتے ہیں، خوفزدہ ہونے کی بنا آتما کی کہانیوں سے متعلق کی جاتی ہے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے، اس کا سبب تو قدرتی ہوتا ہے، ہرے کو تشنگی اور جنگلی کو تو ہر

ملہ سمدج گھرن کے وقت یہ وحشت بے حد نمایاں ہوتی ہے۔

کونسی چیز بناتی ہے، قرب و جوار کی اشیاء اور ماحولی حالات سے ہماری لاعلمی۔ مگر سب سے اہم
دیکھ کر ان کے اثرات کا اندازہ لگانے کی عادت کے باعث بالخصوص جبکہ میں دیکھ بھی نہ سکتا ہوں

۱۔ ایک فلاسفر نے اس کے متعلق ایک اور بھی بہت اچھا سبب بیان کیا ہے جو ذیل میں نقل کیا گیا ہے
اور یہ وہ فلاسفر صاحب ہیں جن کی دیکھ انگریز کا میں ہمید ممنون ہوں۔

جب ہم خصوصی حالات کے تحت حاصلہ واضح اندازہ نہیں لگا سکتے اور اشیاء کے متعلق محض ان کے زاویے کی ناپ
یا جسامت کے لحاظ ہی سے یا اس عکس کی بنا پر فیصلہ کرتے ہیں جو ہماری نگاہ پر پڑتا ہے، تو ایسی حالت میں ان اشیاء کے
متعلق ہم دھوکہ کھا جانے سے محفوظ نہیں رہتے اس چیز کا ہر شخص کو تجربہ ہو گا کہ رات کے سفر میں ہم اکثر ایک نہ دیکھ کی
چھوٹی سی جھاڑی کو ایک درخت یا درخت کا ایک شاخہ سمجھ لیتے ہیں اور اسی طرح اس کے برعکس بھی اتفاق
ہوتا رہتا ہے، پس اگر کوئی شے مشہورہ ایسی ہو کہ اس کی شکل صورت یا جسامت سے ہم ناواقف ہوں تو اسی کی مانند
اس کے متعلق بھی ہماری نظر و تخیل کو دھوکہ ہونے کا احتمال ہو گا، اگر ایک کبھی انجی بھر کے ناصطی پر ہماری آنکھ کے پاس
اڑتی ہوئی چلی جائے تو ایسا خیال گزرتا ہے کہ دور سے کوئی چڑیا اڑ کر گزری ہے، اگر درخت یا درخت کا ایک گھوڑا
کلے میدان میں ایسا خاموش کھڑا ہو جیسے بیڑ کھڑی ہوتی ہے تو جب تک ہم اس کو گھوڑا ہی محسوس نہ کریں
وہ ہم کو ایک بیڑ ہی نظر آتا ہے، لیکن جس وقت ہم یہ تمیز کر لیتے ہیں کہ کیا چیز ہے تو وہ جسم بغور گھوڑے کے
مانند ہی دکھائی دینے لگتا ہے اور ہم اپنے خیال کی اسی وقت اصلاح کر لیتے ہیں۔

رات کے وقت جب کبھی کوئی کسی ایسے اجنبی یا نئے مقام پر ہوتا ہے جہاں اندھیرے کے باعث
ہم حاصلہ کا اندازہ نہیں لگا سکتے تو ایسے مقام پر ان اشیاء کے متعلق جو ہمارے دیکھنے میں آتی ہیں
غلط رائے قائم کرنے کا متعلق خدشہ رہتا ہے، اندھیری راتوں میں جو اکثر اور بیشتر لوگوں پر دہشت
اور خوف طاری ہو جاتا ہے اس کی یہی وجہ ہوتی ہے، اور سفر و فساد بھوت پریت یا بڑی بڑی خوفناک اور
بے ناک صورتیں دکھائی دینے کی بھی بنیاد یہی چیز ہے، جو لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان سے
عزائم دیا جاتا ہے کہ ان کا وہم و خیال ہے، لیکن ممکن ہے انہوں نے ان چیزوں کو حقیقتاً دیکھا ہو
اور یہ بالکل ممکن ہے کہ جو وہ کہتے ہیں وہی انہوں نے فی الواقعہ دیکھا بھی ہو، اس لئے کہ جب ہم کسی چیز
کی جسامت کا اندازہ محض اپنی آنکھ کے ذریعہ کے خدو کرتے ہیں تو ہمیشہ یہ ایسا ہی ہو گا کہ ہم جوں جوں اس چیز
کے نزدیک پہنچیں گے وہ ہم کو پھولتی اور بڑی ہوتی نظر آئے گی اور جبکہ ناظر نے (باقی صفحہ ۵۴ پر طالع)

مجھے یہ فرض کئے بغیر کیا معجز ہے کہ میرے چادروں طرف ایسے حشرات الارض اور ہر اقسام کے حشرات کا هجوم ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں اور ان کے خلاف میں اپنی حفاظت کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتا، میرے لئے یہ خیال کر لینا بے سود ہے کہ میں اپنی جگہ پر محفوظ ہوں، اس حفاظت پر مجھے کبھی اتنا بھروسہ اور اطمینان نہیں ہوتا جیسا کہ بچشم خود کسی شے کو دیکھ لینے پر ہو سکتا ہے، لہذا ہر وقت خوف کا ساں بندھا رہتا ہے جو دن کو مفقود ہو جانا ہے، میں اس سے قلعی طور پر واقف ہوں کہ کوئی فریج کم خفیف سے خفیف آواز بغیر مجھ کو متاثر نہیں کر سکتا ہے، لہذا میں نہایت غور سے اس آواز کو سننے کی فکر میں رہتا ہوں، اور ناقابل الہام خفیف ترین آہٹ پر بھی حفاظت خود اختیار کی خواہش میرے سامنے ہر اس چیز کا نقشہ کھینچ دیتی ہے، جو مجھے حفاظت کے لئے خیر دار کر دیتی ہے اس لئے

(بقیہ ماشیہ مفقودہ ۵۴ سے آگے) تیس چالیس فٹ کے فاصلہ سے اس چیز کو کئی فٹ اونچا خیال کر لیا ہو تو چند فٹ کے فاصلہ پر قہر اس کو بے حد بڑی اور نہایت عجیب معلوم ہوگی پس جب تک وہ اس کو چھو کر نہ دیکھ لے کہ وہ کیا چیز ہے یقیناً وہ حیرت زدہ اور بے ہوش ہو جائے گا، کیوں کہ یہ معلوم ہوتے ہی کہ وہ کیا چیز ہے وہ تدار اور اتنو مند شے فوراً ہی سمٹ اور سکڑ کر اپنی اصلی حالت پر آجائے گی، لیکن اگر ہم ڈر کر بھاگ جائیں اور اس کے قریب نہ جائیں تو اسی نقشے کے تصور کے سوا جو ہماری آنکھ کے ذریعہ قائم ہوا ہو گا، دوسرا کوئی تصور ہم یقیناً قائم نہ کر سکیں گے، لہذا ادراج دیکھنے کا میلان قدر تاہم میں موجود رہتا ہے اور نیکلیں جلیا کہ سائنس دانوں کے ہاں اس کے متعلق تو ہمارے توہمات کی بنیاد پر وہ ہی نہیں ہوتی ہیں (بنیوں کی تاریخ قدرت (نیمبرس ہٹری) میں نے اصل معنوں میں یہ دکھانے کی سعی کی ہے کہ ہمیشہ یہ جبر واد ہمارے توہمات کی غلط فہمی سے ہیں۔۔۔ ان کے سبب سے متعلق جو متذکرہ بالا قول میں ظاہر کیا گیا ہے یہ واضح ہے کہ راتوں میں پھرتی عادت ہم کو ان اشکال میں مہج تیز کرنا سکھاتی ہے جو رات کو دکھائی دینے والی اشیاء کی صورتوں اور ہیئتوں میں بوجہ اختلافات مشابہت اور فصل نمودار ہوتی ہیں پس اگر ہوا اس قدر ملکی ہو کہ ہم چیزوں کا خاکہ ہی دیکھ سکیں تو ہمارے اور اس کے درمیان اگر وہ زیادہ فاصلہ پر ہوں ہوا لازماً زیادہ ہوگی اور وہ اگر ہم مادی ہوں تو اس مخالطہ یا قریب نظری سے ہم کو محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے جس کی تفصیل ایم بنون نے اوپر دی ہے آپ جو تشریح جی چاہے پسند فرمائیں براہِ قریب بھی کامداد اور موثر ہے اور تجربہ اس کی بالکل تائید کرتا ہے

مجھے چونکا کر کہنے کے لئے ہر چیز کا بھر زیادہ اندازہ دکھایا جاتا ہے۔

اگر مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تو میں اندھ بھی بنے چلین اور جانا ہوں کہ کہیں کوئی بلا بغیر تم سے مجھ پر اپنا تک دنا نل ہو جائے، اشیاء کی تعداد جیسی کہ پہلی تھیں اور جیسی ہونی چاہئیں مجھے تصور میں کیجئے غرور ہوں گی، اندھیرے لئے ان دیکھا دیکھنا ضروری ہو جائے گا پس قوت تخیل کے استعمال پر مجبور ہو جانے کے باعث وہ فوٹا میری مالک بن جاتی ہے اور جو کچھ میں ذاتی اطمینان کے لئے عمل کرتا ہوں وہ محض اور بھی مجھے خوفزدہ کر دیتا ہے، آواز سننا ہوں تو چور کا خیال بند مٹا ہے، نہیں سننا ہوں تو سب کا خیال پیدا ہوتا ہے، فطرتی حفاظت خود اختیاری کی پیدا کردہ جو کیداری مجھے اندھ بھی زیادہ مصیبت زدہ بنا دیتی ہے، اگر وہ شخص جس کو مجھے چاہئے کہ اطمینان دلائے صرف میری عقل ہی میں موجود رہتی ہے اور طبعی آواز عقل کی آواز سے بلند ہو جاتی ہے، پس یہ خیال کرنے سے کیا فائدہ کہ ہم کسی سے نہ ڈرنا چاہئے کیونکہ اس معاملہ میں ہم کچھ کہہ ہی نہیں سکتے؟

اندھیرے کا خوف دور کرنے کا طریقہ | یادی (سبب) خود صحت یا علاج کی رہبری کرتی ہے کہ ہم میں مادہ دہم کو مغلوب کر لیتی ہے، اور وہ ہم پر اسی وقت

نمودار ہوتا ہے جب کوئی نئی چیز سامنے آئے جس کا تعلق ہمارے روزمرہ کے مشاہدے سے ہو وہ دہم نہیں رہتا بلکہ حافظہ ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے یوشل مشہور ہے (ABASUBTIS MAN FIT PANI) کیوں کہ توہمات ہی کی وہ میں خواہشات بھر پور کرتی ہیں، پس جس کسی شخص کو عذاب ظلمات سے آپ نجات دلانی چاہیں اس سے کبھی بحث نہ فرمائیں، بلکہ بار بار اس کو اندھیرے مقامات پر لے جایا کیجئے اور یقین مانیئے یہ طرز عمل آپ کی تمام فلسفیانہ بحث سے زیادہ موثر ثابت ہو گا۔ کہ ہو جانے والا صحت پر یہ نہیں جانتا کہ چکر کھانا کیا شے ہے اور جو لوگ اندھیرے میں رہنے کے عادی ہوتے ہیں وہ کبھی ایسا ڈرتے۔

ہمارے اندھیرے کے کیسوں میں ایک اور بھی بہت بڑا فائدہ ہے، لیکن اگر ان کیسیوں کو زیادہ کامیاب بنانا ہے تو میں زیادہ پہلی پہل پر ہرگز زور نہ دوں گا، اندھیرے سے زیادہ بھیاں

کوئی اور شے نہیں ہوتی ہے پس آپ اپنے بچے کو کھڑی میں بندہ فرمائیں جب وہ اندھیرے میں جائے اس وقت اس کو خوب ہنسیے اور جب وہ اندھیرے سے واپس آئے تب خوب ہنسیے تاکہ جس کہل کو دہ ختم کر رہا ہے اور دوسرے دن پھر کیلے گا، اس کا خیال بچے کو ان فرضی توہمات سے محفوظ رکھ سکے جو شاید اس کے دل پر چھائے ہوں۔

ہماری زندگیوں میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جبکہ ہم تڑپتی معکوس کرنے لگتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ میں تو اسی نوبت کو پہنچ چکا ہوں اور بقول شخصے میں اپنی ماضی کی طرف رجوع ہو رہا ہوں، ضعیفی کا قرب ہم کو ہلا بچینا یاد دلانا ہے، اور جوں جوں میں بڑھا ہوتا جاتا ہوں، اتنا ہی میں اپنے بچپن کی طرف مود کرتا جاتا ہوں، اور اس وقت تیس سالہ عمر کے واقعات کی نسبت مجھے دس سالہ عمر کے واقعات زیادہ یاد آتے ہیں، پس بعض اوقات اگر میں آپ جیسی کا حوالہ دوں تو ناظرین مجھے معاف فرمائیں اس لئے کہ اگر یہ کتاب اچھی ہونی چاہیے تو مجھے اس کے لکھنے میں لطف اندوز ضرور ہونا چاہئے۔

میں ایک پادری سی ایمل لامبرسیئر (M. LAMBERSIER) کے ساتھ ایک گاڑی میں رہتا تھا۔ ایک میرا چھاندا بھائی جو مجھ سے زیادہ مالدار تھا میرا ساتھی، وہ ایک جائداد کا وارث خیال کیا جاتا تھا اور میں اپنے باپ کو بھڑک کر ٹھٹھایا ایک غریب یتیم تھا، میرا لچم یتیم چچا زاد بھائی بالخصوص بات کے وقت غیر معمولی طور پر ڈنڈا لگا دیتا تھا، اس لئے میں اس کا بڑا مذاق اڑا کرتا تھا۔ مٹر لا میر سیر نے میری ضعیفی خودی اور ڈینگوں سے تنگ آکر بالآخر میری تہ ذمائی کی ٹھان لی، اعداد و شمار میں موقع پا کر ایک روز شام کے وقت جب خوب اندھیرا چھا گیا انہوں نے مجھے گرجا گھر کی کنجی دی اور کہا مٹر لا میر لکھ لکھی ہے جا کر اٹھلاؤ۔ اور جوش دلانے کی کچھ ایسی باتیں کہیں کہ انکار کرنا میرے لئے تقریباً ناممکن ہو گیا۔ پس روشنی ہمراہ لئے بغیر میں روانہ ہو گیا اور اگر کوئی روشنی میرے ساتھ ہوتی بھی تو بہت ہی برا ہوتا، راستہ میں قبرستان تھا، اس میں سے میں نہایت دلیرانہ طور پر گزرتا گیا، کیوں کہ جب تک میں کھلے میدان میں تھا۔ اندھیرے کا مجھے ذرا بھی خوف نہ تھا۔

جوں ہی میں نے گرجا پہنچ کر اس کا دروازہ کھولا ایک قسم کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی

بندوگلوں کی مجموعی آوازوں کی مانند معلوم ہوئی، اس کے سنتے ہی میری تیس مارغانی میں فرق آنے لگا
مال دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا، ابھی چند ہی قدم چلا ہوں تھا کہ رک گیا، اس وسیع عمارت
باندھیرے گپ نے میرے اور اس باختر کر دیئے، خوف کے مادے میرے دو ٹکٹے ٹھٹھے
نے لگے، میں اپنے قدم واپس ہوا اور دروازہ میں سے باہر نکل کر ڈرتا ہوا بھاگا، صحن میں ایک کتا
کو سلطان کہتے تھے مل گیا، اس کے پیاد نے میری ڈھکاس دوبارہ باندھ دی اور میں اپنی
پوکی سے شرمندہ ہو کر پھر سلطان کو ساتھ لے کر واپس ہوا، لیکن کتا ساتھ نہ آیا، بہر حال میں نے جلدی
پھر دروازہ کھولا اور دوبارہ گرجا میں داخل ہو گیا، شکل ہی میں منبر کے پاس پہنچا ہوں تھا کہ مجھ پر
س قد خوف طاری ہو گیا کہ میرا دماغ تک قابو میں نہ رہا اور گو مجھے خوب معلوم تھا کہ منبر وائیں جب
ہے، لیکن میں اس کو بائیں جانب ٹٹولنے لگا اور بالآخر پنجول میں الجھ کر مجھے پھر کسی بات کی خبر نہ رہی
درازہ یا منبر کچھ بھی سوچائی نہ دینے کی وجہ سے میرا حال بالکل ناگفتہ بہ ہو گیا، بہر حال دروازہ
پر پہنچا اور میں اتھان و خیزاں عمر جا کے باہر آ گیا اور یہ ارادہ کر کے کہ اب دن کے سوا کسی اور
وقت دوبارہ گرجا میں کبھی نہ آؤں گا پہلے کی طرح بھاگ گیا۔

گھر واپس آ کر میں پڑھیں پڑھیں رہا تھا کہ مجھے لائبریری کے ٹکٹا مارنے کی آواز آئی، مجھے خیال محذرا کہ
بری بدلی ہی پڑھیں ہوں گے، اس منشی سے ناام ہو کر دروازہ کھولتے ہوئے عجیب ہی رہا تھا کہ میں نے
سز لائبریری کو جو میری طرف بڑی تکرر تھیں خادمہ سے یہ کہتے ہوئے خاک لائین لائڈ اور ادھر سز لائبریری
لاش میں پھٹنے کے لئے تیار ہوئے، امدان کے ہر ہر سکر بہادڑ چیرے بھائی صاحب بھی تشریف لادے تھے کہ
اس ساری اہم کی داد خود ہی حاصل فرمائیں پس یہ دیکھ کر میرا دل خوف ایک دم رنڈو چکر گیا اور میں اپنی
یست پختہ تعب میں پڑ گیا، ہند میں وہاں سے گرجا گھر کی طرف بے تماشہ بھاگا، بلکہ ہوا گیا، اور تیسرے کتبے
یاد مرادھر ٹھٹھے منبر پر سے جا کر انجیل الٹائی اور زینے سے اتر کر بھاگتے ہوئے کمرہ میں پہنچ کر
انجیل منبر پر لٹکادی۔ اس جلدی میں میرا سانس پھول گیا اور گو میں ڈرا ہر وہ تھا لیکن مادے سے غر کے
میرا دل گردن اس بات پر پھل رہا تھا کہ فیروزہ امدان میں نے وہ کام بخیر و خوبی انجام دے دیا ۔

تعلیمی دنیا پر ایک نظر

ڈک بیکوئسٹ (DICK BEQUEST)

یوں تو اسکاٹ لینڈ میں تعلیم و تدریس کی ترویج میں اذتاف نے بہت بڑا حصہ لیا ہے، لیکن ان سب میں ڈک بیکوئسٹ کی حیثیت نمایاں ہے، اس کی تاریخ شان دار اور اس کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ اسکاتلینڈ میں جیمز ڈک فوڈس میں پیدا ہوا۔ فوڈس کے پیرش اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور کثرت ازما کے لئے جزائر غرب الہند کا سفر کیا۔ جہاں تک میں رہ کر اس نے اچھی خاصی دولت پیدا کی۔ اس نے جو تعلیم حاصل کی اور اس سے جو فائدے اس نے حاصل کئے اس کے صلے میں اس نے ۱۱۳,۰۰۰ پونڈ اربوین پونڈ سے ادب کے مدرسوں میں اچھے اساتذہ اور اچھے تعلیم کے لئے وقف کر دیئے، اس وقف کا اہم مقصد اچھے اور کام کرنے والے مدرسین کو معقول اور قابل قدر معاوضہ دینا تھا۔ اور اس سے فی الواقع مدرسوں میں نئی زندگی آباد کیا اور لولہ پیدا ہو گیا۔ یہ رقم میں پونڈ سے ۵۰ پونڈ تک ہوتی تھی، اس کا ایک عمدہ اثر یہ ہوا کہ دیہاتی علاقوں میں علم و عرفان کی روشنی پھیلانے کے لئے شمال مشرق کے تعلیم یافتہ ہمتور اور اونچی تعلیمی اقدار کے حامل افراد ملنے لگے جو موجودہ حالات میں اور بالخصوص نیشنل پی اسکول کے پیش نظر ٹیکنیٹی نے یہ سفارش کی کہ ڈک بیکوئسٹ سے اساتذہ کو اب اس قسم کے معاوضے نہ دیئے جائیں اور نہ انہیں سفر یا مالک غیر میں تعلیم مزید کے لئے رقم دی جائیں اور کمزری مدرسوں میں وہ پہلے تیں ہبیاد کی جائیں جو تعلیمی کمیٹی کی سفارشات سے باہر ہوں جن اساتذہ ان سفارشات کا براہ راست اوپر انہوں نے احتجاج کیا اور ٹرسٹ کے گورنروں کی تجویزوں پر اعتراضات کئے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ احتجاج امدید اعتراضات بعید از قیاس یا بے جا نہیں تھے۔ ٹرسٹ کے گورنروں نے جو تجویزیں پیش کیں ان پر اساتذہ کو ٹیکنیٹی کی سفارشات سے بھی کہیں زیادہ غصہ اٹھانا پڑے گا، اس لئے میں سیکرٹری آف ایسٹ نے اس معاملے کی تحقیق کے لئے گورنر بیکوئسٹ کو مقرر کیا۔

اس نتیجہ پر غماہ کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ میزڈک نے یہ گاہں قدرہ رقم اچھے اندام کرنے والے
 یسین کی طرح کے لئے وقف کی تھی، تاکہ ان ملازموں میں بھی مطلب اور باسلیقہ اساتذہ میرا سکیں۔ اور
 اس طرح ذلت و ذلّت ان ملازموں کو تنگ نظر بہت خیال کلیائی مدرسین اور مدرسوں سے نہات مل سکے
 ورنہ آغا ملازمین تو بہ مدرس کو ایک امتحان دینا ہوتا تھا۔ اور ڈک بیکوئیٹ کے ناظرین ان مدرسوں کا معاملہ
 بھی کرتے تھے، ان ناظرین کے سامنے مدرس کی اونچی تعلیم اور اس کی ذہنی بلندی کسی مدرسے کے اعلیٰ مینا
 پر کہنے کی گسوٹی ہوتی تھی، یہ بھی صحیح ہے کہ بیکوئیٹ نے اسکاٹ لینڈ میں ایسی تعلیمی رفاہیات کی طرح ڈالی
 جس پر اسکاٹ لینڈ بجا طور پر غر کر سکتا ہے، یہ بھی درست ہے کہ اس وقت اس کے طریق کار نے کلیائی
 مدرسوں کی بعض کمزوریوں اور خرابیوں کو مٹانے میں بھی امداد کی، کیا اب حالات بالکل تبدیل ہو گئے ہیں
 کرڈسٹ کے پانے آئین و فضا البے سود اور لا حاصل ہو چکے ہیں، وقف کے ناظرین کا خیال ہے کہ
 یہ رقم برباد ہوتی مدارس چلائے اور دوسرے مدارس کی کھیل کے لئے کاؤنٹی کونسل کی امداد میں صرف کی جائے
 تو زیادہ مناسب ہو گا۔ اس رقم سے موجودہ مدرسوں کی حالت اور بہتر بنائی جاسکتی ہے، حالانکہ اس سلسلے
 میں ناظرین وقف، اس سے پہلے بھی کافی رقم خرچ کر چکے ہیں۔

کارڈف اور امتحانات

کارڈف میں مقامی تعلیمی حکومت کی ثانوی مدارس کیٹی نے اپنی دسمبر کی میٹنگ میں ثانوی مدارس کے
 ہیڈ ماسٹروں کی یادداشت پر بحث و جمیع کی، اس یادداشت میں گورنر اسکولوں کے امتحانات کے متعلق
 وزارت کے محقق مراسلے پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ کارڈف اور کینیڈا ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹروں اور لیڈی
 مارگریٹ اسکول کی ہیڈ ماسٹر نے مدرسین اعلیٰ کے ناظرین کی حیثیت سے کیٹی کے اجلاس منعقدہ
 جنوری ۱۹۵۷ء میں شرکت کی اور اس یادداشت میں جو اعتراضات کئے گئے تھے ان کے مباحث میں
 حصہ لیا، اس یادداشت میں بچوں کی عمر کی پابندی کو مسترد قرار دینے کی تجویز کو منظور کر لیا گیا ہے
 لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس گنتی مراسلے میں بعض ایسے مفروضات بھی ہیں جو
 بے یقین اور بے حقیقت ہیں۔ وہ وزارت معارف کے اس کلیے سے اتفاق نہیں کر سکے کہ امتحانات

اس صورت میں بالکل ہی بے ہیں، بلکہ ان کا خیال ہے کہ امتحانات کو کوشش اور سعی کے لئے بہت بڑے طریق کا ثابت ہوتے ہیں اور متعلمین اور مدرسین دونوں کی ترقی کا صحیح معیار امتحانات کو یک سفر تم کر دینا دونوں کے حق میں مفید ثابت نہیں ہو گا اور حصول تعلیم کا یہ ایک عجیب بہم اور غیر واضح طریق کا رہے و قدر کا خیال ہے کہ امتحانات کا موجودہ طریقہ ابھی صرف ایک سال ہی پرانا ہے وہ قبل از وقت کوئی نئے قائم کرنا نہیں چاہتے۔ اور چونکہ اس کا بوجھ اور تجربہ دیکھا جائے اس کے متعلق کسی زمانے کا ہمارا مشق ہی طلبان کا باعث ہو سکتا ہے۔ عوام اور آجریں کا یہ خیال تھا کہ جنرل سرٹیکٹ، عام اور درجہ تعلیم کی سند ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مضمون میں کامیاب ہو کر اسے حاصل کر لیا جائے لیکن اس طرح اس سلسلے میں طریق کا غلط ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ اس گشتی مراسلے کے بعض مندرجات نے طلبہ کے ذہنی تفاعل کا جائزہ نہیں لیا جو بچے نظر نام زد اور آسان پسند ہیں وہ اس مضمون سے سختی الامکان گریز کرنے کی کوشش کریں گے۔ جوان کے لئے مشکل ہو گا یا جسے وہ خود پسند نہیں کرتے، مضامین کے انتخاب میں اتنی آزادی طلبہ میں عوام و ہمت اور مستقل مزاجی کے جوہر نہیں پیدا کر سکتی، وہ دشواریوں پر قابو پانے کی کوشش کی بجائے ہمیشہ اس سے دور رہنے کی سعی کریں گے۔ بہت سے طلبہ دو یا تین مضامین میں کامیاب ہو جاتے ہیں، انکوڑی سی محنت اور کاوش کے بعد وہ پانچ مضامین میں بھی باسانی کامیاب ہو سکتے ہیں گشتی مراسلے میں مدرسے اور آجریں کے اکثر اک اور تعاون کا پر کافی ذمہ دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ہیڈ ماسٹروں کی رائے یہ ہے کہ وزیر معارف کی یہ بات قابل تحسین ہے۔ مگر مختلف اسکولوں کی رپورٹ کے مطابق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا کسی مخصوص معیار پر پورا اترنا مشکل ہی ہوتا ہے، اس سلسلے میں کچھ اتنا ابہام اور تذبذب ہوتا ہے کہ آجریں اپنے صحیح مقام کے تعین سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ آجریں کے لئے کسی متعین بیرونی امتحان کے ذریعے اس سلسلے کے خارجی تعینات شکل ہیں۔ اور فی الحقیقت اپنے فرائض سے عہدہ برا بھی نہیں ہو سکتے، اس سمٹ کے اختتام پر وفد نے اس اندیشے کا اظہار کیا ہے کہ اس پالیسی کے اختیار کرنے کے بعد گریٹر اسکول کی تعلیم کی تکمیل سے پہلے ہی بہت سے بچے اسکول

جوڑ کر پلے جائیں گے۔

ماہم تعلیمات نے کینٹی کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی کہ نظام امتحانات پر اس تبدیلی کی ذمہ داری وزارت معارف پر نہیں ٹانوی مدارس کینٹی پر عائد ہوتی ہے جس نے وزیر معارف سے اس کی سفارش کی۔ اس کا اپنا ذاتی خیال یہ تھا کہ اصلاح تعلیمی اور خیالی ہے جس سے بے ریلجی اور عدم یکجہت پیدا ہوگی، اس کے علاوہ پیشہ ور طبقہ اس پیشے میں نئے آنے والے گروہوں سے امتحان میں کامیاب ہونے کی توقع کرتا ہے، اور اس چیز نے اسکول سرٹیفکیٹ کو ضروری اور ناگزیر بنا دیا۔

لندن کاؤنٹی کونسل

اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ایک مخصوص فن کونسل کے ۳۴،۷۱۳ مدرسوں میں پڑھنے والے بچوں کو کھانا کھلایا گیا۔ مئی اسکول جانے والے بچوں کی مجموعی تعداد کا ۵۵،۵۰۰ فی صدی۔ اس سے کچھ سال پہلے ہی تعداد ۲۰۸،۱۹۸ تھی اور کل تعداد کا ۵۴،۰۰۰ فی صدی، جو بچے اسکول میں دودھ پیتے ہیں ان کی تعداد ۱۱،۴۲۲ ہے جو اسکول جانے والے بچوں کی تعداد کا ۲۵۔۸۸ فی صدی ہے۔ اگر اسکول میلز سروس (SCHOOL MEALS SERVICE) کے اخراجات کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مالی سال میں کھانے پینے پر ۵۴،۵۲۵ پونڈ صرف ہوئے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس سال خوراک کی قیمتیں کم و بیش ۵۰ فی صدی اضافہ ہو چکا ہے، یا اسے یوں سمجھ لیجئے کہ ایک پنس فی طعام اخراجات بڑھ گئے ہیں۔

دول ورس ٹون ہال میں رہنے والے طلبہ کی سالانہ فیس ۱۵۵ پونڈ فی کس تھی۔ ۱۹۵۵ء میں فی کس اخراجات ۳۳ پونڈ ۴ شلنگ تھے، اب یہی اخراجات ۳۴ پونڈ ۴ شلنگ ہو گئے ہیں چنانچہ ریفرنسہ کر لیا گیا ہے کہ ستمبر ۱۹۵۷ء سے دو سال کے لئے دارالافتاء کی فیس ۱۵۰ پونڈ سے ۲۰۰ پونڈ سالانہ کر دی جائے گی۔

سرکاری جریدہ کے اعلانات

اسکول شعبہ جہاں

ای/۲۰۵ — م غلام احمد معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول مٹھ ٹوڈا ام۔ ماحین خاں بی۔ لے۔ بی۔ ٹی۔
 تاریخ ۱۹۵۳ء کی جگہ معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول مٹھ ٹوڈا ام۔ ماحین خاں بی۔ لے۔ بی۔ ٹی۔
 م فیض احمد خاں بی۔ لے۔ قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول مٹھ ٹوڈا ام۔ م غلام احمد کی
 جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول مٹھ ٹوڈا ام۔ مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاربخ
 حاضری سے۔

ای/۹۱۲۵۱ — م جمالیہ بی۔ ایس سی (انگریزی) (۱۳۰ - ۲۵۰) معلم زراعت بلوچہ تعلیمی کونسل۔ مقرر
 تاریخ ۱۹۵۳ء ناظم تیاربخاں لاہور (آداسٹی) م غلام ٹوٹ کی جگہ معلم زراعت گورنمنٹ مارل اسکول سپرور
 مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاربخ حاضری سے)

— م غلام ٹوٹ۔ ایس سی (انگریزی) (۱۳۰ - ۲۵۰) معلم زراعت گورنمنٹ مارل اسکول پشاور وڈا کیو رکن
 کی ایک خالی آسامی پر معلم زراعت گورنمنٹ ہائی اسکول پشاور مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاربخ حاضری سے۔
 ای/۹۶۴۴ — م مبارک علی بھٹی بی۔ لے۔ بی۔ ٹی (نمبر ۲۷۵ - ۱۳۰/۷۵۰ روپے) معلم انگریزی گورنمنٹ
 ہائی اسکول گوجرانوالہ۔ م غلام نبی بی۔ لے۔ بی۔ ٹی (نمبر ۲۷۵ - ۲۵۰/۳۵۰ روپے) کی جگہ جو
 اپنی ملازمت سے بیک دوش ہو چکے ہیں معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول بیال کوٹ مقرر ہوئے
 بشاہرہ خود تاربخ حاضری سے۔

م عبد الباقی بی۔ لے۔ بی۔ ٹی (نمبر ۲۷۵ - ۱۳۰/۲۵۰) معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول کہوڑ
 ضلع راول پٹی۔ م مبارک علی بھٹی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول
 گوجرانوالہ مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاربخ حاضری سے۔

م عبد الباقی بی۔ لے۔ بی۔ ٹی (کپارٹ منٹ) ایک امیدوار۔ م عبد الباقی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا
 اور ایک خالی آسامی پر حاضری معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول کہوڑ مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاربخ
 ماہانہ اور دوسرے الاؤنس۔ تاربخ حاضری سے۔

ای/۹۶۵۲ — م خلیل الرحمن بی۔ لے۔ بی۔ ٹی (نمبر ۲۷۵ - ۲۵۰/۳۵۰ روپے) سکریٹری گورنمنٹ ہائی اسکول
 تاریخ ۱۹۵۳ء

مقتان سم۔ ظہور الحق کی جگہ جن کا تبادلوں چکا ہے، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کھڑک پانچا (مقتان) مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاریخ حاضری سے۔

م۔ ظہور الحق۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ایس۔ وی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کھڑک پانچا، چودھری محمد رضا (قائم)

ایم۔ ایس۔ بی۔ بی۔ ٹی (نمبر ۱۔ ۲۵۰/۲۵) کی جگہ جو اجنوری سسٹم کو اپنی ملازمت سے بکدوش ہو چکے ہیں، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول دینا خود مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاریخ حاضری سے۔

م۔ محمد الحق۔ ایم۔ ایس۔ ایس۔ وی (نمبر ۲۔ ۲۵۰/۲۵) سکند ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول باغبان پورہ (لاہور)۔ ایس۔ بہادر علی شاہ کی جگہ جن کا تبادلوں چکا ہے، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ

ہائی اسکول فخر وال مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاریخ حاضری سے

ایس۔ بہادر علی شاہ بی۔ بی۔ ایس۔ ایس۔ وی (نمبر ۶۔ ۲۵۰/۲۵) ہیڈ ماسٹر

گورنمنٹ ہائی اسکول فخر وال شیخ غلام نبی۔ بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ بی۔ ٹی (نمبر ۷۔ ۲۵۰/۲۵) کی جگہ جو ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو اپنی ملازمت سے بکدوش ہو چکے ہیں، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی

اسکول پنڈی بھیاں مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاریخ حاضری سے۔

م۔ عبدالحمید۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ایس۔ وی (نمبر ۸۔ ۲۵۰/۲۵) روپے)۔ ایس۔ ڈی۔

آئی۔ ایس۔ مقتان محمد فضل احمد بی۔ بی۔ بی۔ ایس۔ کی جگہ جو ۱۹ مارچ سسٹم کو اپنی ملاز

مت سے بکدوش ہو چکے ہیں، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بکتر مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود۔

م۔ سعید اللہ خاں۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ایس۔ وی (نمبر ۹۔ ۲۵۰/۲۵) سکند ماسٹر گورنمنٹ

ہائی اسکول قوسہ (ڈیرہ غازی خان) ایک نئی آسانی پر جو اسکول کے لئے منظور کی گئی ہے۔ ہیڈ ماسٹر

گورنمنٹ ہائی اسکول دامہا (ڈیرہ غازی خان) مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود تاریخ حاضری سے۔

۹۶۲/۱۱۰۰ م۔ محمد علی الرحمن بی۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ایس۔ وی (نمبر ۱۰۔ ۲۵۰/۲۵) معلم انگریزی

گورنمنٹ ہائی اسکول کسبل پورہ۔ امیر الدین بی۔ بی۔ بی۔ ٹی کی جگہ جو گورنمنٹ ہائی اسکول لکھ

پورہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو چکے ہیں، ایس۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ شیخ محمد بشاہرہ خود تاریخ حاضری سے۔

۱۰۰۰/۱۱۰۰ م۔ احمد نواز خاں۔ بی۔ بی۔ بی۔ ٹی (۲۵۰/۲۵) معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول

میان میاں والی ام خلیل الرحمن بی۔ بی۔ بی۔ ٹی (۲۵۰/۲۵) کی جگہ جو گورنمنٹ اسکول کھڑک پانچا

(مقتان) کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو چکے ہیں معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول مقتان مقرر ہوئے۔

بشاہرہ خود تاریخ حاضری سے۔

۱۱۰۰/۱۱۰۰ م۔ عبداللہ خاں (نمبر ۱۱۔ ۶۰۔ ۱۲۰) جو تیرہ ایک سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور۔

یکم جنوری ۱۹۵۳ء سے اپنے عہدہ پر منتقل ہوئے۔

کالج ————— شعبہ ناء

ڈبلیو/۱۸۸۵ء مس خورشید انور لکچر جغرافیہ گورنمنٹ زناڈ کالج ہنگری میں رفیعہ اختر کی جگہ لکچر جغرافیہ گورنمنٹ زناڈ کالج لاہل پور مقرر ہوئیں۔ تاریخ حاضری سے۔

مس جلیس ضیا ایک امیدوار مس رفیعہ اختر کی واپسی تک قائم مقام لکچر جغرافیہ گورنمنٹ زناڈ کالج ہنگری مقرر ہوئیں۔ تاریخ حاضری سے۔

ڈبلیو/۲۵۳ء مس رفیعہ فرحت ایک امیدوار ایک خالی اسانی پوسٹ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء قائم مقام لکچر انگریزی — گورنمنٹ زناڈ کالج راول پنڈی مقرر ہوئیں۔

شعبہ ناء اسکول

ڈبلیو/۲۲۲۱ء بیگم زیدہ عمر صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول چوئیاں میں زیدہ احمد دین کی جگہ نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول قصور مقرر ہوئیں۔

بیگم زیدہ مشتاق گیلانی صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول اکال گڑھ بیگم زیدہ عمر کی جگہ صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول چوئیاں مقرر ہوئیں بشاہہ خود۔ تاریخ حاضری سے۔

مس رسول ناطہ صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول راجا پور بیگم زیدہ مشتاق گیلانی کی جگہ صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول اکال گڑھ مقرر ہوئیں۔ تاریخ حاضری سے۔

ڈبلیو/۵۳۰۳ء مس غلامنیر ایک امیدوار مس سرست نیاز کی جگہ ۲ جنوری ۱۹۵۳ء سے قائم مقام نائب معلمہ وکٹوریہ گرلز ہڈل اسکول لاہور مقرر ہوئیں۔

مس غلامنیر قائم مقام نائب معلمہ وکٹوریہ گرلز ہڈل اسکول لاہور محمودہ نیاز کی جگہ قائم مقام نائب معلمہ بھیرہ مقرر ہوئیں۔

مس محمودہ نیاز قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول بھیرہ مس غلامنیر کی جگہ قائم مقام نائب معلمہ وکٹوریہ گرلز ہڈل اسکول لاہور مقرر ہوئیں۔

ڈبلیو/۵۸۷۷ء مس بی۔ اے۔ چوہان اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ ریال کوٹ میں زیدہ مولائش کی جگہ صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول میان چنوں مقرر ہوئیں۔ تاریخ حاضری سے۔

ڈبلیو/۵۳۴۸ء مس زبیدہ میز نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول چوہی باغ۔ بیگم سلیم بی۔ ای۔ ایس۔ دوم ہک جگہ قائم مقام صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہڈل اسکول چوہی باغ مقرر ہوئیں۔



پنجاب ایجو کیشنل جرنل

اور

آؤزش (اردو)

۱۔ ہاکستان بھر میں یہ دوہی تعلیمی رسالے ہیں۔ جنکو سرکاری سرپرستی اور امداد حاصل ہے۔

۲۔ ہاکستان بھر میں یہی دو تعلیمی رسالے ہیں۔ جو مرکزی اور صوبائی درسگاہوں اور تعلیمی حلقوں میں مقبول ہیں۔

۳۔ ان رسالوں کے متعلق ادارتی خطوط اور چھپنے والے مضامین ایڈیٹر (پرنسپل) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کو بھیجے جائیں۔ ان رسالوں میں چھپے ہوئے مضامین، کیلئے معاوضہ دیا جاتا ہے۔

۴۔ یہ رسالے ہر مہینے کے دوسرے ہفتہ میں چھپتے ہیں اور ان کا چندہ آٹھ روپیہ (انگریزی) اور چھ روپیہ (اردو) ہے۔ جو کہ مسیجر کو بھیجنا چاہئے۔

۵۔ ان رسالوں میں اشتہار دینے سے آپکی اشیاء مقبول ہونگی۔ تجارتی معاملات کیلئے خط و کتابت مسیجر سے کریں۔

پنجاب ایجو کیشنل جرنل
آموزش

مسیجر

۲ کچہری روڈ۔ لاہور (ہاکستان)



امروز

[مارہ ۲]

لاہور

[مئی ۱۹۵۳ء]

اس شمارہ میں

- | | | |
|--|---|------------------|
| تدریس تاریخ | : | ادارہ |
| بشاور اور ایبٹ آباد کے کالجوں میں طلباء کا
معاشری و اقتصادی جائزہ | { | ڈاکٹر احمد مختار |
| عراق میں لازمی تعلیم (قسط نمبر ۳) | : | محمد عبدالعزیز |
| مدارس دینیہ عربیہ | : | منظور احسن |
| ایمیل یا روسو کی تعلیم (مسلسل ۲۱) | : | توقیر مرزا رزق |
| ہومرلین اور اسکی تعلیمی خدمات (قسط نمبر ۴) | : | انتصار مہدی |
| تعلیمی دنیا پر ایک نظر | : | ادارہ |
| سرکاری جریدہ کے اعلانات | : | ادارہ |

عبدالغفور چودھری

: بشپ ہاشم

1

2

تعلیمی ماہنامہ

آموزش

لاہور

سالانہ چہ شدہ

مئی ۱۹۵۳ء

پاکستان کے لئے ۶ روپے

جلد ————— ۶

غیر مالک کے لئے ۸ روپے

شمارہ ————— ۲

قیمت فی پرچہ دس آنے

پبلشرز

یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور

ایچ ڈی خالد پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں طبع کرا کے
فریڈرک ٹی یکا اسکینسی ۲۔ کچھری روڈ لاہور سے شائع کیا

تدریسِ تاریخ

تاریخ اقوامِ عالم کے عروج و زوال، ان کی سماجی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی زندگی کی داستان ہوتی ہے اور اس سے ان کے تہذیب و تمدن، ان کی معاشرت اور ان کے عقائد و رجحانات کا پتہ چلتا ہے، اس لئے ہر ملک میں تاریخ ہمیشہ کسی مقصد کے پیش نظر پڑھائی جاتی رہی اور یہ مقصد بالعموم ملک کے سیاسی عقائد سے وابستگی اور ان کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہوتا ہے۔ تدریس کا یہ طریقہ نیا نہیں پرانا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی تاریخی کمزوریوں نے تاریخ کو اپنا آثار کا بنیاد اور اس سے اپنی سامراجی ضرورتیں پوری کرتے رہے اور حسبِ فرقہ و تاریخی واقعات کی بعض قطع و برید ہی نہیں کی، بلکہ انہیں بالکل مسخ کر کے پیش کیا، کچھ عمارتِ جبر کے بعد تاریخوں کو جمہوریت آشنا بنانے کے وسائل کا جائز لینے کے لئے اتحادی قوموں نے چند معروف شخصیتیں پر مثل ایک کمیشن مقرر کیا اور بھارت کا مشہور فلسفی برٹ ریڈرسل اس کا صدر منتخب ہوا، اس کمیشن نے برہمن قوم کی سماجی زندگی کا تجزیہ کیا، اس کے معاشی اور سیاسی پس منظر کا جائزہ لیا، اور حصولِ مقصد کی خاطر اس قسم کی تاریخ کو اندر سے نوکھے جانے کی سفارش کی، تاریخ کی اس نئی ترتیب و تدریس کا مقصد یہ تھا کہ یہ قوم اپنے نمونوں کو قبول جائے اور اپنے قومی شاہیر کو فراموش کر دے۔

تاریخ کی ترتیب و تدوین کا یہ نظریہ عالم گیر ہو سکتا ہے، لیکن اس کے لئے کوئی اخلاقی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ تاریخ کی تدریس میں حسبِ ذیل مقاصد رکھنے چاہئیں۔

۱۔ آنے والی نسلوں کو وقت کا تصور دلانا اور

۲۔ انہیں یہ احساس دلانا کہ اس کا مقصد انسانی گمراہیوں کو مربوط اور ہم آہنگ کرنا ہے۔

ہر مقصد و موضوع اور مدین دونوں کے پیش نظر ہر ادریس لوگ طلبہ کو دور زمانہ سے روشناس کرتے رہے کبھی بادشاہوں کی فستق و شکست کی داستانیں سنا کر اور کبھی صلح و صفائی کی باتیں کہنے کبھی جنگ و جدل کے حق و باطل پر اور کبھی بادشاہوں اور خاندانوں کے عروج و زوال کے غلط و صحیح کر، اس طرح تاریخ کی تدریس ناموں اور تاریخوں کے گورکھ و ہندوں میں پھنسی رہی اور ہمارے سامنے تاریخ کی تدریس کا کوئی مقصد نہ رہا۔ ہمارے ذہنوں میں بادشاہوں کے جاہ و جلال، سپہ سالاروں کی دیوتا مت شخصیتوں، میدان جنگ کی معرکات کیوں کے واقعات ہی پھرتے رہتے ہیں، اور عام انسان انہیں بھول بھلیوں میں گھنٹ جاتا ہے اور اس کی نگاہوں سے تاریخ کا ارتقائی مقصد اجھل ہو جاتا ہے، پچھلے چند سال سے عمرانیات کی تدریس میں کسی حد تک وہ فرائض داخل ہو گئے ہیں جنہیں مدرسوں میں تاریخ کی تدریس بہت آسانی سے پورا کر سکتی ہے۔ عمرانیات کی تدریس مدرسے کے نصاب میں داخل نہیں کیے گئے ہیں اپنے نصاب اور دوسری کتب پر نظر ثانی کرنی ہو گی۔ اس سے قطع نظر تاریخ کے تدریسی طریقوں میں بھی بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، اور ہمیں امید ہے کہ ادریس بادشاہوں کے نام اور ان کی تخت نشینی کی تاریخوں سے کہیں زیادہ انسان کی معاشری، اقتصادی اور ثقافتی ترقی پر زور دیں گے۔

بہت دنوں سے تدریس ریاضی کے سلسلے میں، ادریس بالعموم کچھ غیر مطمئن سے معلوم ہوتے ہیں اب تک ریاضی کی تدریس کا مقصد یہ رہا ہے کہ بچوں کے احساس تنقید اور ان کی معلومات کو ابھارا جائے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اس تدریس کا زندگی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رہا، بچے سو دہر دہر کے لیے چوڑے سوالات اور طویل اور بڑبڑ کو میں ہی الجھے رہتے ہیں، اس لیے کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ طلبہ کی اکثریت کو ریاضی سے نفرت ہو جاتی ہے، خوشی کا مقام ہے کہ نئے نصاب میں، جو ہنوز عوام کے زیر غور ہے، تدریس ریاضی کے پڑنے اور فرسودہ طریقوں کو ختم کر دیا گیا ہے، اور اس سے زیادہ بہتر بنانے کے اور عام رجحانات کو معلوم کرنے کے لئے محکمہ تعلیم نے اسے شائع کر کے اس کے متعلق مشورے طلب کئے ہیں، محکمہ کا یہ اقدام نہایت دانش مندانہ ہے، ایسے معاملات میں خواہ عوام کی رائے حتمی اور آخری نہ ہو، لیکن ہمیں یہ توقع ضرور ہے کہ اس سے محکمہ کے محسوسات اور رجحان کا علم ہو جائے گا۔

جو لوگ طور و فکر سے مادی نہیں ہیں ان کی رائیں امدان کے رجحانات بھی معلوم ہو جائیں گے، مدرسوں، ریاضی کی تدریس نے ہمارے طلباء کا وقت اور ان کی صلاحیتوں کو بھی ضائع کیا ہے اور ان کے لئے بہت سی بیماریاں بھی پیدا کر دی ہیں، ہمیں امید ہے کہ مجوزہ نصاب ہماری ضروریات کو پورا کر سکے گا، اس سلسلے میں مدرسین سے بالخصوص درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کا بٹا کر مطالعہ کریں اور اس کے تجزیے کے بعد اپنے بچ کے اظہار میں بے باکی اور آزادی سے کام لیں۔

پچھلے دنوں اخبارات میں ڈیڑھ گاڑی خان کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ کم و بیش پانچ سو لاکھ گاڑی خان میں داخلہ لینے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن جگہ کی قلت کی وجہ سے یہ بچے مدرسے میں داخلہ نہیں کئے جاسکے، یہ خبر اس نقطہ نگاہ سے دل خوش کن بھی ہے اور ہمت افزا بھی کہ ہمارے ایک کمرے کی تعلیم کے حصول کا جذبہ روز بروز بڑھ رہا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ افسوس بھی ہوتا ہے کہ یوں میں ان طلباء کو بھی جگہ نہیں ملتی جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، کچھ عجیب بات ہے کہ عوام نے اپنی نجی کوششوں سے کام لینا چھوڑ دیا ہے، ان کا خیال ہے کہ حکومت اپنا طے شدہ معاہدہ ہی منی جائے گی، مہربانیں لگی، مدرسوں میں ضروری سادو سامان بہم پہنچ جائے گا اور بچوں کو پڑھانے کے لئے نئے بین بھی مقرر ہو جائیں گے، حکومت تعلیم کی اس بدھتی ہوئی مانگ کو غالباً ضرور پورا کرے گی، لیکن کیا مقامی جاگیرداروں اور زمینداروں کا فرض نہیں ہے کہ وہ اس ضرورت کے پیش نظر ایک نیا ادارہ قائم کریں، ہمیں امید ہے کہ اگر محکمہ تعلیم کے ارباب حل و عقد تین دار سے ملیں گے اور انہیں تعلیم کی افادیت سے روشناس کریں گے تو انہیں مایوسی نہیں ہوگی، اب دیکھنا یہ ہے کہ عمدہ عمارت اور اچھے سادو سامان کی توقع میں ڈیڑھ گاڑی خان ان پانچ سو طلباء کو تنہا و برباد ہونے دے گا یا ان کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرے گا، اس کام کو ذرا انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں بھی شروع کیا جاسکتا ہے، اگر اچھی عمارت نہیں ہے تو نہ ہسی، درس و تدریس کے لوازم کی کمی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں تعلیم و تدریس کے سرمہ اہتمام سے بچوں کی تھوڑی بہت ذہنی اور دماغی تربیت بھی بہت مفید ہوگی، اور اس کے حصول کے لئے ہمیں وسائل ڈھرائے پیدا کرنے ہوں گے۔

ہر سال اپریل میں سنٹرل مڈل ہائی اسکول لاہور کی ہدیٰ خٹنا نے وائٹوں کے چھکاموں سے محفوظ رہتی ہے۔ کلاس میں بھی اچھی خاصی کہا گئی رہی، ذیل کے اعداد شمار سے تعلیم کی بڑھتی ہوئی مانگ اعلیٰ تعلیمی سہولتوں کے عدم اہتمام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نمبر	جماعت	خالی جگہیں	درخواستیں
۱	کے جی۔ ٹو	۴۰	۱۵۲
۲	سششم	۶۲	۵۷۶

اسی طرح دوسری جماعتوں میں کہیں کہیں جو درجہ چھٹی خالی تھیں، ان کے لئے بیسیوں امیدوار موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ صورت حال میں گنتائیں کے مطابق ہی بچوں کو داخل کیا جاسکتا تھا اس لئے مقابلے کے امتحان میں جن طلباء کے نام سر فہرست آ گئے ان میں سے چند امیدواروں کو خالی جگہوں کے مطابق علی الترتیب لے لیا گیا، اس سے اکثر طلباء اور والدین کو مایوس ہونا پڑا۔ قیام پاکستان کے بعد داخلہ ہمارے قومی میں کچھ اضطراب پیدا ہو گیا ہے، امداد ہم اپنی نجی ذمہ داریوں کو بھی حکومت کے سر تقویٰ کے مادی ہو گئے ہیں، اگرچہ ہمیں اچھے تعلیمی اداروں کی کمی کا شدت سے احساس ہے لیکن وعدہ اداروں کے قیام کے لئے اب تک نجی کوششیں بہت کم ہوئی ہیں، اور اگر حال حال اس کی مثالیں ملتی ہیں تو تعلیم کا یہ معیار ہی اور خالی نہیں ہوتیں، چونکہ یہ مدرسہ پنجاب میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے، والدین کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے اس درس گاہ میں تعلیم پائیں لیکن آج تک غالباً کسی نے یہ نہیں سوچا کہ لاہور کے سارے بچے اس مختصر سی جگہ میں نہیں سما سکتے۔

تعلیم کی ترویج و اشاعت حکومت یا کسی مخصوص طبقے کا اجارہ نہیں، اس میں تمام گروہ اور خیال کے لوگ حسبِ مقدور شامل ہو سکتے ہیں، صرف حذر کا اور خصوصیت کی ضرورت ہوتی ہے، ہمیں امید ہے کہ لاہور کا سنجیدہ طبقہ اس مسئلے کو قابلِ توجہ سمجھ کر اس پر طور و غرض کرے گا، اور ایک لاہور پر ہی کیا متوہ ہے، اگر ہم تعلیم کو عام کرنا چاہتے ہیں تو ہر گھرانے، ہر قریے اور ہر شہر میں ایسی ہی اقدام کرنا ہو گا۔

پشاور اور ایٹ آباد کے کالجوں میں

طلباء کا

سائنسری و اقتصادی جائزہ

ڈاکٹر احمد مختار

پشاور یونیورسٹی میں آنے کے کچھ ہی دنوں بعد میں نے طے کیا کہ پشاور اور ایٹ آباد کے کالجوں میں تعلیم پانے والے طلباء کی سائنسری و اقتصادی کیفیت کا جائزہ لینے کے لئے پہلے موقع سے ٹائمر اٹھاؤ۔ لہذا ایک سوال نامہ تیار کیا اور بدل چسپی رکھنے والے حضرات سے اس پر تبادلہ خیالات کیا۔ بعد میں اسے چھپو کر اپنے ایم۔ اے (مجامعت اول و دوم) کے طلباء سے اس کی مفصل تشریح کی۔ انھیں نومبر ۱۹۵۶ء میں اعداد و شمار جمع کرنے کی دیکھ بھال کرنا تھی۔ ہر کالج میں طلباء کی فہرست تیار کی گئی اور مشتمل نمونہ فراہم کیا۔ (RANDOM SAMPLING کے اصول پر ان میں سے تقریباً ۲۰ فی صدی براہ راست جائے کے لئے تھے۔ ہر کالج کے طلباء کی مجموعی تعداد مع ان طلباء کی تعداد کے جن کو اس جائزہ سے کئے گئے نمونہ جاتی یا نامحدود حیثیت سے لیا گیا تھا مفصلہ ذیل ہے۔

۱	۲	۳	۴
کالجوں کے نام	طلباء کی مجموعی تعداد	نامحدود طلباء کی مجموعی تعداد	مجموعی تعداد سے ناظرہ طلباء کی تعداد
۱۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج پشاور	۹۲۰	۲۰۵	۷۲
۲۔ فرنٹیر کالج ٹیڈی میں پشاور	۱۴۲	۳۲	۲۰
۳۔ ایٹمدٹس کالج - پشاور	۳۲۵	۶۲	تقریباً ۲۰
۴۔ گورنمنٹ کالج - پشاور	۱۷۲	۳۱	تقریباً ۱۹

سوال نامہ کے جوابات طلب کرنے سے قبل میں نے خود ہر کالج کے طلباء سے ملاقات کی اور اپنی تحقیقات کا مقصد ان پر واضح کیا، ایسٹ آباد میں اس مقصد کے لئے ایم اے کے میرے دو طالب علم دفعہ میں اللہ صاحب اور شاہنسہ العرم صاحب نے ذاتی طور پر ملاقات کی۔ اس کے بعد جوابات کی غرض سے منتخب طلباء سوال نامہ تقسیم کر دیا گیا، پھر ایم۔ اے کے طلباء نے ہر منتخب طالب علم سے مل کر جوابات کی پڑتال کی اور اعداد و شمار کا اندراج کیا۔ آخر میں اس کی پڑتال نذر عباس صاحب جو نیر کچور اقتصادیات، پٹاؤ یونیورسٹی اور مزید پٹال معراج الدین صاحب سینئر کچور اقتصادیات پٹاؤ یونیورسٹی نے فرمائی۔

تحقیقات میں ایک نقص رہ گیا، اگرچہ میں نے تحقیقات کا مقصد واضح کر دیا تھا۔ پھر بھی متعلقہ حضرات نے اس کو مختلف معنی پہنائے میرے علم میں ایسے واقعات آئے ہیں کہ طلباء کے والدین یا مگر حضرات نے اپنے متعلقین کو اپنی آمدنی اور اخراجات کے سلسلے میں صحیح حقائق غالباً اس خطرے کے پیش نظر ظاہر نہ کرنے کی ہدایت کی کہ یہ تحقیقات کسی نئے ٹیکس کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے، خود مالکوں نے بھی بعض مدوں میں اپنے اخراجات کم بنیان کئے ہیں اور بعض دیگر معنی خیز مدوں میں خاموشی رکھ کر اختیار کر لی ہے، ان نقائص کے باوجود نتائج ایسی صورت حالات کی طرف رجحان کا پردہ ناکش کرتے ہیں جو آسان سے جوہدی اصلاح کی بنیاد قرار پاسکتی ہے۔

گوشوارہ، لاہور اور علی گڑھ گورنمنٹ اسلامیہ کالج اور ایڈورڈس کالج کے طلباء کے اخلاقی ظاہر کرتے ہیں۔ گوشوارہ سے واضح ہے کہ ۴۹ فی صدی طلباء گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے اور ۱۱۹ فی صدی طلباء ایڈورڈس کالج کے ضلع پٹاؤ سے تعلق رکھتے ہیں، گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں ۱۷۲ فی صدی اور ایڈورڈس کالج میں ۸۹ فی صدی ضلع مردان کی نمائندگی ہے، دوسرے اضلاع کی فی صدی تدریج کم ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی ہزارہ، ڈیرہ اسماعیل خاں اور بنوں میں چون کہ حکومت نے اول یا دوم درجے کے کالج کھول دیئے ہیں، اس لئے یہ اضلاع پٹاؤ کو طلباء کی کم تعداد بھیجتے ہیں، دوسرے اضلاع کی قلیل فی صدی کا سبب اعلیٰ تعلیم میں ان کی پسماندگی ہی ہو سکتی ہے، جہاں طلباء گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں ۱۲۵ فی صدی ایڈورڈس کالج میں ۸۶ فی صدی ہیں، وہ طلباء جو شمال مغربی سرحدی صوبہ میں

انہیں جوئے گورنٹ اسلامیہ کالج میں ۵۲۸ فی صد ادا ایڈڈڈس کالج میں ۵۲۵ فی صد میں
اہران طلباء کے عماراں ملازمت یا تجارت کے سلسلے میں یہاں مقیم ہیں اور فی الحال پشاور کے مشعل
ن بنانے کا قصد نہیں رکھتے۔

گو شوارہ نمبر

گورنٹ اسلامیہ کالج میں طلباء کی ضلع دار تقسیم

جماعت	ضلع پشاور	ضلع مردان	ضلع اترالہ	ضلع کوہاٹ	ضلع بنوں	ضلع دریا و گھاٹ	قبائلی علاقے	موجودہ سرحدیں آباد ہونے والے علاقے	وہ علاقے جو سرحدوں میں آباد ہونے والے ہیں	سرحدی ریاستیں	مجموعہ
مال اول - آئرش	۴۹	۳۱	۲	۹	۲	۱	۱۱	۲	۲	۲	۱۳۶
مال اول - سائنس	۱۳۱	۳۳	۷	۱۲	۲	۲	۱۰	۵	۵	۷	۲۱۳
مال اول - ایگریکلچر (زراعت)	۷	۱	-	۱	-	۱	-	۳	۱۰	-	۲۳
مال اول - تعلیم و تربیت	۶	۲	۱	-	-	-	-	-	-	-	۱۱
میزان	۲۱۳	۶۹	۱۲	۲۲	۶	۵	۲۱	۱۱	۱۸	۱۰	۲۸۹
مال اول کی مجموعی تعداد	۵۲۵	۱۸۰	۳۱	۲۲	۱۶	۱۳	۵۲	۲۹	۲۷	۷۲	۱۰۰
سال دوم - آئرش	۴۷	۱۲	-	۶	۳	۲	۹	-	۶	۴	۱۰۲
سال دوم سائنس	۸۹	۲۸	۱۸	۱۰	۱۱	۲	۱۰	-	۱۱	۷	۱۸۶
سال دوم زراعت	۶	۲	۳	۱	-	-	-	-	۱	۱	۱۶
سال دوم دیہات	۳	۱	-	-	۲	۱	-	-	-	-	۷
میزان	۱۴۵	۴۷	۳۳	۱۷	۱۶	۵	۱۹	-	۱۸	۱۲	۲۱۳
سال دوم کی مجموعی تعداد	۱۴۵	۱۰۷	۱۰	۲۲	۵۲	۱۹	۶۱	-	۵۲	۲۸	۱۰۰
کافی صدی	۱۴۵	۱۰۷	۱۰	۲۲	۵۲	۱۹	۶۱	-	۵۲	۲۸	۱۰۰

جماعت	منوعه پشاور	منوعه مردان	منوعه بزاره	منوعه کراش	منوعه بنوں	منوعه ڈیرہ اسماعیل خان	منوعه ٹنڈی علی شاہ	منوعه سرگرم پشاور	منوعه بابر گلستان	منوعه لالہ پور	منوعه پشاور	منوعه پشاور
سال سوم آرش	۲۷	۱۵	۲	۶	-	۱	-	-	-	۱	۵	۵۶
سال سوم سائنس	۲۰	۱۰	۲	۸	۱	۳	-	-	-	۴	۲	۶۲
سال سوم زراعت	-	-	۱	-	-	-	-	-	-	-	۱	۲
سال سوم دینیات	۷	۱	-	-	۲	-	-	-	-	-	۲	۱۳
میزان	۷۲	۲۶	۵	۱۴	۳	۳	-	۲	۲	۷	۱۰	۱۴۵
سال سوم کی مجموعی تعداد کی فیصدی	۵۱.۰	۱۷.۹	۳.۲	۹.۷	۲.۱	۲.۱	-	۲.۱	۲.۱	۸.۷	۶.۹	۱۰۰
سال چہارم آرش	۱۶	۱۲	۲	۶	۱	-	۳	۱	۱	۳	۱	۴۹
سال چہارم سائنس	۷	۲	۶	۳	۱	-	۱	-	-	۲	-	۲۲
سال چہارم زراعت	۲	-	-	-	-	-	۱	-	-	۵	-	۸
میزان	۲۵	۱۶	۱۰	۹	۲	-	۵	۱	۱	۱۰	۱	۷۹
سال چہارم کی مجموعی تعداد کی فیصدی	۳۱.۶	۲۰.۲	۱۲.۷	۱۱.۴	۲.۵	-	۶.۳	۱.۳	۱.۳	۱۲.۷	۱.۳	۱۰۰
میزان کل	۴۵۱	۱۵۸	۶۰	۶۲	۲۷	۱۴	۴۵	۱۵	۱۵	۵۳	۳۳	۹۲۰
کلچ کی مجموعی تعداد کی فیصدی	۴۹.۰	۱۷.۲	۶.۵	۷.۰	۳.۰	۱.۵	۴.۹	۱.۵	۱.۵	۵.۸	۳.۶	۱۰۰

گوشوارہ نمبر ۲

ایڈورڈس کالج میں للہا کی فصلی دار تقسیم

نامت	فصلی چار	فصلی دو	فصلی ایک	فصلی کوکڑ	فصلی بون	فصلی آبیروں	فصلی ریا تیں	فصلی طاقے	فصلی حویلی	فصلی للہا	فصلی آبیروں	فصلی کوکڑ
دل ساکنس	۹۱	۹	۲	۶	۵	-	۱	۱	۵	۲	۸۲	۲
دل آدش	۲۸	۳	-	۲	۱	-	۲	۳	۲	۲	۶۸	۲
دوم سائینس	۳۱	۸	۶	۱	-	۱	-	۱	۹	۹	۶۲	۶
دوم آدش	۴۵	۶	۲	۲	۲	-	-	۱	۳	۳	۶۶	۲
سوم آدش	۱۹	۱	-	-	۲	-	-	-	۶	-	۲۸	-
چہارم آدش	۶	۱	۱	۲	-	۱	-	-	۲	-	۱۵	-
ران	۲۰۱	۲۹	۱۱	۱۵	۱۱	۲	۲	۴	۲۸	۲۸	۳۲۵	۱۸
صدی	۸۶۹	۶۱۲۹	۳۱۲	۳۱۲	۳۱۲	۳۱۲	۱۲۲	۱۲۹	۸۲۴	۵۲۵	۱۰۰	۵۲۵

گوشوارہ ۳ اور ۴ علی الترتیب گورنمنٹ اسلامیہ کالج اور ایڈورڈس کالج کے مقیم
 غیر مقیم للہا سے تعلق رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے ۵۲۵ فی صد للہا دارالافتاء میں
 رہتے ہیں۔ جو آج کل چودہی طرح پڑھیں۔ اگر کافی تنہائش مہیا ہوتی تو اس تعداد میں نمایاں
 اضافہ ہو گیا ہوتا۔ لہذا نئے دارالافتاء کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ مل کی فوراً ضرورت ہے۔
 رڈس کالج کے ۳۶۵ للہا میں سے صرف ۲۲ کالج کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔

گوشوارہ نمبر ۲ دوم دوسری طرف ملاحظہ ہو

گوشوارہ نمبر ۳

گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے مقیم اور غیر مقیم طلباء کی تفصیل

میزان	غیر مقیم	مقیم	جماعت
۶۹۹	۳۲۲	۳۷۴	سال اول و دوم
۲۲۴	۱۱۵	۱۰۹	سال سوم و چارم
۹۲۰	۴۳۷	۴۸۳	میزان
۱۰۰	۴۷۵	۵۲۱۵	مجموعہ کی فیصدی

گوشوارہ نمبر ۴

ایڈورڈس کالج پشاور کے مقیم اور غیر مقیم طلباء کی تفصیل

میزان	غیر مقیم	مقیم	جماعت
۲۸۲	۲۶۵	۱۷	سال اول و دوم
۴۳	۳۷	۶	سال سوم و چارم
۳۲۵	۳۰۲	۲۳	میزان
۱۰۰	۹۳	۷	مجموعہ کی فیصدی

گوشوارہ نمبر ۳ کے بموجب تمام طلباء (ذکرہ) کو ایک ساتھ ملا کر کم کوہ نظر آتا ہے کہ ان میں سے ۴۵ سے ۵۴ فی صدی کم عمر کاری ملازمین کے بیٹے یا متعلقین ہیں جبکہ ۲۶ سے ۳۳ فی صدی کم عمر کارکنین ہیں۔

طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، تجارت پیشہ طبقہ کی نمائندگی ۱۷ اور ۳۲ فی صدی کے درمیان ہے، مزید اعلیٰ کے گروہ سے تعلق رکھنے والے طلباء گورنمنٹ اسلامیہ کالج کی مجموعی تعداد کا صرف ایک فی صد ہیں۔ جبکہ دوسرے اداروں میں ان کی عدم موجودگی قابلِ توجہ ہے۔ یہ صورت حالات بڑی افسوسناک ہے، لہذا ضروری ہے کہ حکومت یا یونیورسٹی کی طرف سے ان کے لئے مخصوص وظائف مہیا کئے جائیں۔

جہاں تک طالبات کا تعلق ہے ان میں سرکاری ملازم خاندانوں کا حصہ ۷۰ فی صدی ہے زمیندار تاجروں میں سے ہر ایک ۱۵ فی صدی حصہ لیتے ہیں، یہاں بھی مزارعین اور دوسرے طبقہ کی کافی زبہیں ہے۔

گوشوارہ نمبر ۵

والدیا نگران کی معاشری حیثیت

کالج کا نام	سرکاری ملازمین	زمیندار	تجارت پیشہ	مزارعین	دیگر پیشہ
ڈنٹ اسلامیہ کالج پشاور	۳۶ فیصد	۳۳ فیصد	۱۷ فیصد	۱ فیصد	۳ فیصد
ٹیر کالج فار ویمن پشاور	۷۰	۱۵	۱۵	—	—
ڈنٹ کالج - ایسٹ آباد	۴۵	۲۶	۲۹	—	—
ایڈورڈس کالج - پشاور	۳۵	۲۸	۳۲	—	۵ فیصد

مزید برآں اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ۸۰ سے ۸۸ فی صد تک لایا کے والد یا نگران خواندہ ہیں، ماؤں میں اندگی ۱۶ اور ۶۸ فی صد لکے درمیان ہے۔ لایا اور طالبات کے درمیان ایک بڑا فرقہ اختلاف یہ کہ بونہر الذکر کے خاندانوں میں ایک فرد بھی ناخواندہ نہیں، جبکہ لایا کے خاندانوں میں خاص کر ان کی ماؤں اور بہنوں میں ناخواندگی کی فی صد کافی ہے، مندرجہ ذیل گوشوارہ اس پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۶

خاندان میں خواندگی کی کیفیت

والد		والدہ		بھائی		بہنیں	
خواندہ	ناخواندہ	خواندہ	ناخواندہ	خواندہ	ناخواندہ	خواندہ	ناخواندہ
فیصد	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد
۸۲	۱۸	۲۵	۷۰	۹۰	۱۰	۴۹	۳۱
۸۰	۶	۲۸	۳۰	۱۰۰	—	۱۰۰	—
۸۰	۲۰	۱۶	۸۲	۷۸	۲۲	۴۸	۳۲
۸۲	۱۶	۳۱	۵۹	۸۲	۱۶	۷۶	۲۲

۱۶ فی صدی والدہ، ۱۸ فی صدی والد، ۲۱ فی صدی بھائی، ۵۹ فی صدی بہن کی خواندگی یا ناخواندگی کے تعلق کی نہیں گھا۔

جیسا کہ شمارہ نمبر ۱ سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے تمام طلباء البتہ بول سکتے ہیں اور کہ بھی سکتے ہیں ان میں سے ۸۲ فی صدی پشتو بول سکتے ہیں لیکن صرف ۴۹ فی صد کہ بول سکتے ہیں، ایک اچھی خاصی تعداد پنجابی بول سکتی ہے لیکن صرف ۳ سے ۱۲ فی صد تک کہ سکتے ہیں۔
گورنمنٹ اسلامیہ کالج

مختلف کالجوں میں مختلف زبانیں جاننے والے طلباء کی فیصدی

کالج کا نام	پشتو		پنجابی		اردو		فارسی	
	تقریباً	فیصد	تقریباً	فیصد	تقریباً	فیصد	تقریباً	فیصد
گورنمنٹ اسلامیہ کالج - پشاور	۸۳	۴۹	۶۹	۱۳	۹۸	۹۶	۱۹	۱۹
فریئر کالج ٹاؤن وی ہاؤس - پشاور	۶۵	۱۸	۸۲	—	۱۰۰	۱۰۰	—	۱۵
ایٹنڈنٹس کالج - پشاور	۷۹	۲۶	۶۰	۸	۱۰۰	۱۰۰	۲۲	۲۹
گورنمنٹ کالج - ایٹنڈنٹ آباد	۳۲	۱۳	۹۴	۳	۱۰۰	۱۰۰	۱۶	۲۶

۱ بعض طلباء نے عموماً اصلیت کو چھپایا ہے۔ اس لئے کہ پرائمری اور مل میں اردو لازمی مضمون ہے

والد یا نگران کی آمدنی کی تفصیل مختلف کالجوں کے دفتری کاغذات سے لی گئی ہیں، ان کے قابل اعتماد ہونے میں مجھے بہت کچھ شک ہے لیکن جو کچھ بھی ہے اس کی تفصیلات گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں) درج ذیل کی جاتی ہیں، میری یہ تجویز ہے کہ آئندہ سے غیر کاشت کار طلباء کو کسی گورنمنٹ افسر سے آمدنی کا تصدیق نامہ لانے کی ہدایت کی جائے۔ اور کاشت کار طبقہ سے تعلق رکھنے والے لائیکل سرکاری مال گذاری کا اطمینان بخش ثبوت پیش کریں، تمام ایسے طلباء جن کے والد مبلغ ۵۰ روپے ماہوار یا اس سے زیادہ کما لیتے ہیں۔ دونوں فیس وصول کی جائے جس میں سے نصف ایک مخصوص غریب فنڈ میں جانا چاہئے، جو ہر کالج میں قائم ہو۔

گوشوارہ نمبر ۸

والد یا نگراں کی آمدنی

کالج کا نام	کم	۱۰۰ روپیہ اور...	۲۰۰ روپیہ اور...	۳۰۰ روپیہ اور...	۴۰۰ روپیہ اور...	۵۰۰ روپیہ اور...	۱۰۰۰ روپیہ سے زیادہ
	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد	فیصد
گورنمنٹ اسلامیہ کالج پشاور	۱۰.۲۶	۲۵.۵	۱۳.۵	۸.۸	۱۳.۵	۱۲	۱۲
خزیر کالج فاروقی مین - پشاور	۱۷	۱۲	۹	۹	۱۵	۱۷	۹
گورنمنٹ کالج - ایسٹ آباد	۱۳	۳۹	۲۲	—	۱۶	۶	۳
ایڈورڈس کالج - پشاور	۱۱	۳۰	۱۱	۲۲	۹	۱۳	۴

طالبان کی بڑی اکثریت کا مقصد تعلیم سرکاری ملازمت ہے، ۵۹ فی صدی لڑکیاں تعلیمی ملازمت کے لئے پڑھ رہی ہیں اور ۳۸ فی صدی علم اور روشن خیالی کی غرض سے اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں، گوشوارہ نمبر ۹ ہر کالج میں نمونوں (مختب طلباء) کے مقصد تعلیم پر روشنی ڈالتا ہے، سرکاری ملازمتوں کی جھوک کچھ تو موجودہ ناقص نظام تعلیم کی وجہ سے ہے اور کچھ ہمارے یہاں صنعتوں کی کمی کے باعث۔ یہ مندرجہ حالات اس نتیجہ کی طرف ہمارے دل پہنچاتی ہیں کہ ملک کے موجودہ نظام تعلیم کی اندر سے ترمیم ہونا چاہئے ورنہ اس کا نتیجہ اپنی تمام بلا سانیوں سمیت تعلیم یافتہ طبقہ کی بے روزگاری ہوگا۔

مندرجہ ذیل اعداد و شمار کا ایک قابل توجہ رخ یہ ہے کہ فوجی عہدوں کے آئندہ مندرجہ ۱۶ سے ۵۰ فی صد تک میں جو پٹانوں جیسی جنگجو قوم سے اور اس ملک کے ایک اوسط شہری کی امید سے بہت کم ہے۔

گوشوارہ نمبر ۹

مقصد تعلیم

کالج کا نام	فوج	مہرادی ملازمت	تجارت	خدمت خلق	تعلیم کے لئے علم
	فیصدی	فیصدی	فیصدی	فیصدی	فیصدی
گورنمنٹ اسلامیہ کالج - پشاور	۱۲	۶۰	۱۷	—	—
فرنیئر کالج فار وی مین - پشاور	—	۵	—	۳	۳۸
گورنمنٹ مہاراج - ایبٹ آباد	—	۷	۲۲	—	—
ایڈورڈس کالج - پشاور	۱۵	۶۱	۲۲	—	—

مندرجہ ذیل گوشوارہ مختلف کالجوں میں طلباء کی علمی زندگی کے متعلق دل چسپ تفصیلات پیش کرتا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱۰

ادارے کا نام	نمبر طلباء کی تعداد	ڈویژن جو طالب علم کو میٹرک کے امتحان میں ملا	ڈویژن جس میں طلباء انٹر میڈیٹ امتحان میں قرار دیئے گئے	ڈگری کی جامعہ اسلامیہ		
				اول	دوم	سوم
گورنمنٹ اسلامیہ کالج - پشاور	۱۲۶	۲۳	۷۵	۴۷	۵۳	۲۰
فرنیئر کالج فار وی مین - پشاور	۲۷	۶	۱۸	۳	۷	۱۱
ایڈورڈس کالج - پشاور	۴۸	۱	۲۱	۲۶	۱۵	۱۲
گورنمنٹ کالج - ایبٹ آباد	۲۸	۶	۱۳	۹	۳	۲

x میٹرک میں

گورنمنٹ اسلامیہ کالج پشاور

انٹر میڈیٹ کی جامعہ میں پڑھنے والے ۶۴ طلباء میں سے میٹرک کے امتحان میں ۲۴ (مجموعی) اور ۱۴ (درجہ اول، ۵۷ (مجموعی تعداد کا ۱/۵) درجہ دوم میں اور ۴۴ (مجموعی تعداد کا ۳/۲) درجہ سوم میں پاس ہوئے تھے۔ ان کے مقابلے میں ڈگری کے طلباء کی حالت غیر طیبانہ تھی ہے۔ ۵۳ طلبہ بین انٹر میڈیٹ کے امتحان میں ۲ (یعنی ۱/۲۴) کو درجہ اول ملا تھا ۱۱ (یعنی ۱/۲۱) نے درجہ دوم حاصل کیا تھا اور باقی (یعنی ۷/۷۵) درجہ سوم میں آئے۔ یہ سب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان ۵۳ طلباء میں سے میٹرک کے امتحان میں ۱۰ نے درجہ اول، ۲۵ نے درجہ دوم اور ۱۸ نے درجہ سوم حاصل کیا تھا تو تنزلی کی کیفیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام طور سے طلباء اپنے تعلیمی معیار کو برقرار نہ رکھ سکے، یہ کیفیت حقیقتاً قابل افسوس ہے۔

فرنٹیر کالج فار ویمن - پشاور

گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں انٹر میڈیٹ اور ڈگری کے طلباء میں کارکناریوں کی نمایاں علم مساوات فرنٹیر کالج فار ویمن میں اور بھی زیادہ ہو گئی ہے، انٹر میڈیٹ کی ۲۲ فی صدی (یعنی ۲۷ میں ۶) طالبات نے اپنے میٹرک کے امتحان میں درجہ اول حاصل کیا تھا، مگر ڈگری کی جامعہ میں ایک طالبہ بھی ایسی تھی جو انٹر میڈیٹ کے امتحان میں درجہ اول حاصل کر سکی ہو، اس کے علاوہ انٹر میڈیٹ کی جامعہ میں دو تہائی طالبات (یعنی ۲۷ میں سے ۱۸) ایسی تھیں جنہوں نے میٹرک کے امتحان میں درجہ دوم حاصل کیا تھا، لیکن ڈگری کی جامعہ میں ۷ طالبات میں سے صرف ایک (یعنی ۱/۱۴) انٹر میڈیٹ کے امتحان میں درجہ دوم حاصل کر سکی تھی، جب ہم انٹر میڈیٹ کی ان ۱۱ فی صدی طالبات کا مقابلہ جو میٹرک کے امتحان میں درجہ سوم میں پاس ہوئی تھیں، ان ۸۶ فی صدی طالبات سے کرتے ہیں جنہوں نے انٹر میڈیٹ کے امتحان میں بھی درجہ حاصل کیا تھا تو متصور حالات اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے، ان حقائق سے تعلیمی معیار کی تنزلی واضح ہو جاتی ہے۔

ایڈورڈس کالج - پشاور

یہاں پر حالت بہت زیادہ قابل افسوس ہے، انٹر میڈیٹ کی جامعہ میں ۲۸ طلباء میں سے

میدرک کے امتحان میں صرف ایک نے درجہ اول حاصل کیا تھا۔ ۱۲ کو درجہ دوم ملا تھا اور ۲ کو درجہ سوم میں قرار دیا گیا تھا جب ہم ڈگری کے طلباء کا بارہ لیتے ہیں تو صورت حالات اور بھی زیادہ غیر تسلی بخش ہو جاتی ہے ۱۵ طلباء میں سے کوئی بھی درجہ اول نہیں حاصل کر سکا تھا۔ صرف ۳ طلباء مجموعی تعداد کا ۲۰٪) نے درجہ دوم حاصل کیا تھا اور باقی درجہ سوم میں آئے تھے، میڈرک کے امتحان میں علی الترتیب ۱۰، ۲ اور ۲ طلباء درجہ اول، دوم اور سوم میں رکھے گئے تھے۔

گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

انٹرمیڈیٹ کے علاج تک فرنٹیر کالج فاروی میں کمی سی کیفیت ہے، انٹرمیڈیٹ کے ۲۸ طلباء میں سے علی الترتیب ۱۲، ۶ اور ۱۰ طلباء نے درجہ اول دوم اور سوم حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد ڈگری جانوروں کے تینوں طلباء انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں درجہ سوم میں رکھے گئے تھے، میڈرک کے امتحان میں ان کی کارگزاری بہر حال تسلی بخش تھی، ایک نے درجہ اول حاصل کیا تھا اور باقی دو نے درجہ دوم۔ درجہ سوم میں کوئی بھی نہ تھا۔

گوشوارہ نمبر ۱۱ مختلف مدت میں نمونوں (SAMPLES) کے اخراجات کو ظاہر کرتا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱۱

مختلف مدت میں نمائندہ طلباء کے اوسط ماموریت اخراجات

مدت	اسلامیہ کالج پشاور	ایبٹ آباد کالج پشاور	فرنٹیر کالج فاروی	گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد
	پانی آنے روپے	پانی آنے روپے	پانی آنے روپے	پانی آنے روپے
لباس	۱۷ ۷ ۰	۱۱ ۲ ۰	۱۷ ۲ ۰	۱۲ ۹ ۰
کتابیں	۶ ۱۲ ۰	۷ ۱۲ ۰	۲ ۲ ۰	۶ ۵ ۰
سامان نوشت و خواند	۱ ۲ ۰	۱ ۰ ۰	۱ ۰ ۰	۱ ۱۱ ۰
دودھ	۲ ۲ ۰	۳ ۹ ۰	۲ ۲ ۰	۷ ۳ ۰
چائے	۵ ۰ ۰	۷ ۷ ۰	۷ ۰ ۰	۷ ۱۳ ۰

شماره نمبر ۱۱۱ المستوف سابق

مات	اسلامیہ کالج - پشاور	ایڈورڈس کالج - پشاور	فرنیئر کالج مارہیلین - پشاور	گورنمنٹ کالج ایسٹ آباد
پانی آنے لگے	پانی آنے لگے	پانی آنے لگے	پانی آنے لگے	پانی آنے لگے
۲ ۱۱ ۰	۴ ۳ ۰	۲ ۳ ۰	۲ ۰ ۰	۲ ۰ ۰
۸ ۰ ۰	۸ ۰ ۰	۸ ۰ ۰	۸ ۵ ۰	۸ ۰ ۰
۲ ۰ ۰	۱ ۹ ۰	۱ ۵ ۰	۱ ۰ ۰	۱ ۰ ۰
۱ ۲ ۰	۳ ۹ ۰	۲ ۷ ۰	۲ ۵ ۰	۲ ۵ ۰
۰ ۸ ۰	۶ ۹ ۰	۰ ۰ ۰	۰ ۰ ۰	۹ ۵ ۰
۱ ۲ ۰	۲ ۰ ۰	۲ ۳ ۰	۵ ۹ ۰	۵ ۹ ۰
۱ ۰ ۰	۱ ۶ ۰	۰ ۰ ۰	۱ ۰ ۴	۱ ۰ ۴
۱ ۹ ۰	۱ ۱۱ ۰	۲ ۲ ۰	۰ ۱۳ ۰	۰ ۱۳ ۰
۰ ۰ ۰	۰ ۶ ۰	۱ ۲ ۰	۰ ۰ ۰	۰ ۰ ۰
۰ ۰ ۰	۰ ۷ ۰	۲ ۱۵ ۰	۰ ۰ ۰	۰ ۰ ۰
۰ ۰ ۰	۰ ۰ ۰	۲ ۷ ۰	۰ ۰ ۰	۰ ۰ ۰
۲۸ ۲ ۰	۴۵ ۸ ۰	۴۳ ۹ ۰	۶۷ ۹ ۴	۶۷ ۹ ۴
میزان				

ان اعداد پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عام طور سے طلباء نے کیوں کر بعض مات میں اپنے اخراجات کم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ گورنمنٹ کالج کے نمونوں (SAMPLES) نے خصوصیت کے ساتھ سینما، سگریٹ اور سامان زینت وغیرہ کے سلسلے میں اہم معلومات چھپانے کی کوشش کی ہے ایک بہت واضح مثال لے لیجئے۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج میں کوآپریٹو اسٹور پر دسمبر ۱۹۵۱ء میں

سگرٹ کی بکری مبلغ ۲۱۲۸ روپے ۲۱۲ نے پائی ہوئی۔ آفادی کے ساتھ مال بیچنے اور اس پر پابندی مانگ کرنے کے ساتھ ساتھ بکری کی رقم بڑھتی یا گھٹتی رہتی ہے، مجھے بتایا گیا ہے کہ جب سگرٹ کی آمد آفادی سے ۲۱۲ ہوئی ہے تو تقریباً تین ہزار روپے تک بکری پہنچ جاتی ہے۔ کوآپٹو اسٹور کے علاوہ ایک اور دوکان بھی ہے، جہاں سگرٹ بکتے ہیں، اس کے علاوہ طلباء اکثر شہر جایا کرتے ہیں اور اپنی ضروریات وہاں کے دوکان داروں سے خرید لیتے ہیں، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اساتذہ ... اور اس افراد کو چھوڑ کر جو تمباکو نوشی کرتے ہیں، گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے ۹۲ طلباء کم سے کم ۵۰۰ روپے ماہوار صرف کرتے ہیں، اس طرح صرف سگرٹ پر کم سے کم ۵ روپے ماہوار فی طالب علم صرف ہوتا ہے میں نے متعدد طلباء سے اس مسئلے پر آزادانہ بات چیت کی ہے اور میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بعض افراد کا سگرٹ کا خرچ ۳۰ روپے ماہوار سے اوپر ہوتا ہے۔

کالج کی فیس جو ماہوار واجب الادا ہے اور صبح و شام کے کھانے کا کمات کم خرچ مبلغ ۲۲۰ شامل کر کے پشاور اور ایبٹ آباد کے کالجوں میں اوسط خرچ مبلغ ۱۰۵ روپے ماہوار سے کم نہیں ہمارے جیسے غریب ملک کے لئے یہ رقم بہت ہی زیادہ ہے، اور جب تک اعلیٰ تعلیم کے اخراجات گھٹائے نہیں جائیں گے، اس وقت تک قوم کے غریب لیکن اہل افراد کے لئے ترقی کی زیادہ گنجائش نہیں ہو سکتی، یہ بھی کہنا چلوں کہ دونوں (SAMPLES) نے اقبال کیا کہ وہ شراب پیتے ہیں۔ جہانی اور طبی مسلمانہ کے سلسلے میں مندرجہ ذیل معلومات کے لئے میں ناظم تربیت جہانی گورنمنٹ اسلامیہ کالج پشاور کا ممنون ہوں۔

گوشوارہ نمبر ۱۲

فی صدی للبا مرضی اور مرض

کلیات میں بڑھتی ہوئی شرحہ للبا کی میزان	معاشرہ سال	کمزور خط	خون کا دباؤ	شرابیوں کی افزائش	شراب دانت	سختی	کون کی تھوہ	سینہ کی بڑھتی	خیمہ لے	شیر	نرم و پائوں	کم از کم	سختی بخار	اور بڑھتی ہوئی
۲۲۰	۱۹۵۱	۲۰	۱۵	۱۰	۵	۶	۱	۱	۲	۵	۲	۵	۱	۰
۳۰۹	۱۹۵۲	۱۲	۷	۱۰	۹	۷	۱	۲	۱	۱۰	۵	۵	۱	۵

بڑھے ہوئے دورانِ خون کے مریضوں کی زیادہ فی صدی بظاہر بہت زیادہ مٹھے ہوئے گوشت کھانے
 و تبنا کو نوشی کا نتیجہ ہے، اگر مریضوں میں طلبا سے لازمی طور پر پھر دانیات استعمال کرائی جائیں تو طبعاً
 و انفعالات قابلِ لحاظ حد تک کم ہو جائیں گے جسمانی کمزوری کا سبب یہ حقیقت قرار دی جاتی ہے کہ
 ت سے طلبا کے مگر غیر صحت بخش حصوں میں واقع ہیں، اور بصورتِ دیگر قوتِ بخش غذا کھانے کی استطاعت
 میں رکھتے، پناہ دیونی ودستی سے متعلقہ کسی کالج میں شام کے کھیل لازمی نہیں ہیں، میری یہ دیکھ ہے
 اس سلسلے میں فوراً اقدام کیا جائے اور تمام طلبا کو شام کے کسی کھیل میں حصہ لینے پر مجبور کیا جائے۔
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلبا کا طبی معائنہ جتنا ہونا چاہئے اتنا مکمل اور باقاعدہ نہیں ہے، یہاں
 یہ یہ تجویز کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ طبی معائنہ ماہرینِ خصوصی کی ایک ایسی جماعت کرے جس میں
 ایک ادویہ کا ماہر، ایک آنکھوں کا سرجن، ایک تپ دق کا ماہر وغیرہ وغیرہ شامل ہوں۔ اور ہر
 ماہر علم کے تن درست ہونے یا نہ ہونے کی رپورٹ اطلاع اور ضروری کارروائی کے لئے اس کے
 اہلکار کے پاس بھیجی جائے، ماہرین ہر کالج میں ایک ساتھ جائیں اور ان کی فیس پناہ دیونی ودستی
 کی طرف سے ادا کی جائے۔

روزانہ اخبار پڑھنے والے طلبا بہت نہیں ہیں، گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے ۹۹ طلبا میں
 ۸۹ روزانہ اخبار پڑھتے ہیں، جب کہ فرنٹیر کالج فاروی میں ایسی طالبات کی تعداد ۱۰۰ ہے
 گورنمنٹ کالج۔ ایٹ آباد کے دس طلبا کے مقابلے میں ایڈورڈس کالج کے ۳۰ طلبا اخبار
 پڑھتے ہیں۔

آخر میں میں اپنے ان شرکاء کا اور طلبا کا بھیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے
 اس معاشرتی و اقتصادی جائزے کے دوران میں میری ہر ممکن امداد فرمائی۔

(سالانہ پناہ دیونی ودستی)

عراق میں لازمی تعلیم

محمد عبدالعزیز

ترقی پسندانہ تعلیمی اقدام | اس میں شک نہیں کہ عراق میں لازمی تعلیم کو عملی صورت دینا جو اے شیر لانے کے مترادف ہے، لیکن موجودہ سیاسی اور سماجی انتقادات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عراق جدید تعلیمی رجحانات کو تیزی سے اپنا رہا ہے اور اس طرح کچھ دنوں بعد وسیع پیمانے پر لازمی تعلیم کا جاری کرنا بھی ممکن ہو جائے گا۔ اس وقت عراق کی سماجی زندگی میں چند ایسے عوامل مصروف کار ہیں جو کسی نئی منزل تک پہنچنے میں ہماری رو نہ ٹائی کر سکتے ہیں۔

معاشرتی اور سماجی عوامل | ملک کے معاشی اور سماجی نظام میں اس وقت جو تغیر رونما ہو رہا ہے، اس سے تعلیم کی توسیع اور لازمی تعلیم کی ترویج کے لئے ایک سازگار فضا پیدا ہو سکتی ہے، توقع کی جاتی ہے کہ اس سماجی اور معاشی انقلاب سے ملک کے حاصل میں بھی اضافہ ہو گا۔ اور لوگوں کا معیار زندگی بھی بلند ہو سکے گا، اور جب معاشی بحران کے یہ بادل چھٹ جائیں گے تو والدین اپنے بچوں سے چھوٹے چھوٹے کام لینے کی بجائے انہیں خوشی خوشی مدرسوں میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا کریں گے۔

بعض روشن خیال زمینداروں نے اور بالخصوص وہ زمیندار جو ملک کی ذریعہ ترقی میں براہ راست حصہ لیتے ہیں، کوشش کر رہے ہیں کہ دیہاتوں میں بھی بجلی پہنچ جائے، بجلی کی مدد سے زراعت کو جدید اور مفید بنایا جاسکتا ہے، یہ اسی جذبہ کار کی حرکت جو کہ بارانی علاقوں میں بھی

شمار زمین کاملاً منتفی جاتی ہے، چنانچہ اب تک بحرین بے آب و گیاہ، ریختناں تھی اور جہاں گرد و غبار
 درجوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، پہلہاتے ہوئے مرغز الوں میں تبدیل ہونی جا رہی ہے۔
 ن کی دیکھا دیکھی دوسرے زمیندار بھی زرعی سدھار کے منصوبے بنیاد کر رہے ہیں، جگہ جگہ قطعاً
 راضی میں جدید اصولوں کے مطابق کھیتی باڑی ہوتی ہے، جو ملک کی فلاح و بہبود کے لئے نا نیک
 ہے، اگر رفتار ترقی یوں ہی جاری رہے تو عراق بہت جلد آپ اپنا کفیل بن جائے گا۔ اگرچہ اس
 قے سے زیادہ تر ادنیٰ طبقہ ہی فائدہ اٹھا سکے گا، لیکن عوام کی موجودہ مشکلات بھی بہت کچھ دور
 ہو جائیں گی۔

زمین کی آباد کاری کے سلسلے میں جو منصوبے اس وقت تک عمل میں آئے ہیں ان میں منصوبہ
 سب سے زیادہ امیرافراہ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیر آباد اور بنجر علاقے آباد ہو جائیں، ان
 یں کے ٹیلے ہی نظر نہ آئیں بلکہ سرسبز اور پہلہاتی ہوئی کھیتیاں بھی دکھائی دیں۔
 اس زرعی ترقی کے علاوہ تیل کے ذخائر اور چھوٹی موٹی صنعتوں کی آمدنی سے بھی عراق کی
 مالی حالت بہتر ہو رہی ہے، اور اسی مالی استحکام کی بدولت تعلیم بھی ترقی کے مراحل طے کرتی جا رہی
 ہے، توقع ہے کہ کچھ دنوں میں عراق کسی ایسے تعلیمی نظام کے قیام میں کامیاب ہو جائے گا جو اس کے
 ترقی یافتہ ہونے کی سب سے بڑی ضمانت ہو گا۔

ابتدائی مدارس | بالعموم عراق کے ابتدائی مدارس کا نظام تعلیم شعابی ہے، لیکن رفتہ رفتہ بعض
 مقامات پر ایسے مدارس بھی قائم ہوتے جا رہے ہیں جو اپنے نظام میں زیادہ
 آزاد خیال ہیں، اور جہاں بچوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے تعلیم بالعمل کے مواقع
 بھی بہم پہنچائے جاتے ہیں، اور جو مدارس ترقیاتی اداروں سے متعلق ہیں ان کے مقابلہ کار میں
 انقلابی روح کا فرما ہے، پڑانے تدریسی طریقے سے ہٹ کر وہ ایک نئے نظام کی بنیاد
 ڈالنے میں کامیاب ہو رہے ہیں، ان اداروں کے علاوہ بعض دوسرے مدرسے بھی جدید رجحانات
 کو اپنارہے ہیں، اس دور میں محض سبق یاد کرنے کو تعلیم نہیں کہتے۔ تعلیم کا مقصد اس سے کہیں زیادہ

بلند اور نفع ہے۔ بچوں کو بولنے کا، بات کرنے کا اور کام کرنے کا موقع دینا نہایت ضروری ہے۔ مدرسوں میں معلم کی حیثیت بے جان مقرر کی نہیں زندہ دل رہ ناکامی ہوتی ہے، اس کام بچوں کے مشغلوں میں ان کی امداد کرنا ہوتا ہے، ان جدید مدرسوں کی عادتیں کشادہ، صاف ستھری اور حفظان و صحت کے اصولوں کے مطابق تعمیر کی گئی ہیں، ان میں ہوا اور پانی کا عمدہ انتظام ہوتا ہے بچوں کے کھیلنے کے لئے وسیع و عریض میدان اور سرور و تفریح کے لئے عمدہ باغات ہوتے ہیں، ان کی اس دل خوش کن اور پر رونق فضا میں بچے کھیلتے اور پڑھتے نظر آتے ہیں۔

کنڈرگارٹن مدارس | آج سے کوئی سو سال پہلے فروبل نے جرمنی میں ایک ایسے نظام تعلیم کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد بچوں کی ذہنی اور جسمانی تربیت ہے یہ تحریک جرمنی میں تو نہ پھیل سکی، لیکن فروبل کی زندگی میں ہی اس کے اثرات یورپ کے دوسرے ممالک میں تیزی سے پھیلنے لگے۔ اور تھوڈی سی ترمیم و تیسخ کے بعد کنڈرگارٹن طریق تعلیم آج بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے سب سے زیادہ مناسب، موثر اور نفسیاتی سمجھا جاتا ہے، عراق میں اگرچہ کنڈرگارٹن مدرسوں کی کمی ہے۔ مگر جن ابتدائی مدرسوں میں تجدید کا رجحان چھلکنے لگا ہے۔ ان کنڈرگارٹن طریق تعلیم کا رواج بڑھنا جا رہا ہے، اور غالباً سب سے زیادہ قابل قدر یہی کنڈرگارٹن اسکول ہیں، ان میں سے بعض مدرسے اپنی عمارت۔ اپنے ساز و سامان اور اپنے طریق کار میں ترقی ممالک سے بھی آگے ہیں، ان مدرسوں میں مدرسین کے لئے کام کرنے کی آزادی بھی ہے اور کام کے مواقع بھی کسی متعین نمائندہ کو سامنے رکھ کر وہ کسی خاص مضمون کی گردان میں معروف نہیں رہے بلکہ بچوں کی ضروریات کے مطابق حالات کا جائزہ لے کر، درس و تدریس کے نئے طریقوں کو اختیار میں لاتے ہیں، اس کے لئے بڑی چھان بین اور ذہنی انتہج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد صلاحیتوں پر اوس پڑنے کا احتمال نہیں رہتا۔ اور مدرسین کو بھی اپنے ذہنی افق کو زیادہ سوزیا وسیع کرنے کا موقع ملتا ہے، اگر یہی خیال اور یہی جذبہ عراق کے دوسرے ابتدائی مدرسوں میں پیدا ہو گیا تو یہی مدارس عراق کے منظم تعلیم میں ایک مسلسل اور دیر پا انقلاب لاتے کے موجب

ہوں گے۔ آزاد خیال، عدالتی کارروائیوں میں جبر پانے اور فرسودہ ادارہ ہائے فکر میں نیا روش اور نیا دلولہ پیدا کر سکتے ہیں۔

عراق کے معمولی ابتدائی مدارس میں بھی ترقی پسندی کی ہلکی ہلکی کرنیں ان کے ملک و تارکے شوق منور کر رہی ہیں، انصاف تعلیم اور ترقی پسند تعلیم دونوں تباہی اور بے جڑ معلوم ہوتے ہیں، نئی شراپ اور پھانا ساغر لیکن اب ان مدرسوں میں بھی خود حری کی تعلیم اور تعلیم بالعمی کی طرف زیادہ توجہ دی جائے گی ہے، ان کے گھٹے ہوئے ماحول اور روح فرساعات میں اس تحریک کے یہ معمولی سے نقوش بھی بہت زیادہ وقیع نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔

اس تحریر میں بار بار عراق کی زرعی زندگی کا حوالہ دیا گیا ہے اور

ابتدائی زراعتی مدارس

زراعت کو جدید اصولوں کے مطابق اُسے لو منظم کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے، عراق کی زرعی ترقی کے لئے منور کمیشن نے زرعی مدارس کے قیام کی سفارش کی تھی، ان سفارشات کو عملی جامہ دینے کے لئے وقت اور زر کثیر دونوں کی ضرورت تھی، کسی مالی غلیظیا وہ کو قوی تعمیر و ترقی کے منصوبوں کو مکمل کرنا دور از کار اور بعید از قیاس ہوتا ہے، عراق تعمیر و ترقی کے اس عبوری دور میں محض ان کیس ہیں ہی بنا سکتا تھا، ان اسکیموں کو عملی رواج دینے کے لئے سازگار اور ترقی یافتہ ماحول کی ضرورت تھی، چنانچہ مسئلہ میں وزارت معارف نے صوبائی ناظمین کو ہر صوبے میں خبر باقی۔ زراعتی مدارس کھولنے کی ہدایت کی، آج کل ہر صوبے میں اس قسم کا ایک مدرسہ ضرور موجود ہے، ان زراعتی مدرسوں کو جدید زرعی تکنیک اور جدید رجحانات کے مطابق نئی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آزادی کا ایک وسیع و عریض قطعہ ہر سکول سے متعلق ہوتا ہے، بعض مدرسوں میں شیر خانے (ڈیسری) اور جدید زراعتی مشینوں کا بھی انتظام ہے، اگرچہ ان مدرسوں کی حمایتیں فی الحال اپنی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہیں، ان میں مکمل ساز و سامان بھی نہیں ہوتا، لیکن ان نامساعد اور ناسازگار حالات کے باوجود یہ ادارے عوامی زندگی سے زیادہ قریب ہونے جا رہے ہیں۔

مشرقی ممالک کے تعلیمی نظام کا ایک بڑا نقص تعلیم کا تمام تر نفعی ہونا ہے، عراق کے یہ تعلیمی

مدارس بھی اس کچھ سے مستثنیٰ نہیں کئے جاسکتے، لیکن نصابی پابندیوں کے ساتھ ان میں سے بیشتر مدارس علمائیت کاری میں براہ راست حصہ لے رہے ہیں، ان کے چھوٹے چھوٹے تجربات سے گردنواہ کے کفایت کار اور زمیندار بہت زیادہ اثر قبول کر رہے ہیں، وزارت معارف ان مدرسوں کی ضرورت اور ان کے احاطہ کار کی وسعت کو شدت سے محسوس کر رہی ہے۔ اگر ان مدرسوں کی حالتیں مان کے سادہ سامان اور ان کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے مہیا کو بلند کیا جائے تو یہی مدارس دیہاتی مدرسوں کے لئے عمدہ نمونے بن سکتے ہیں، ہمارے ملک میں بھی ایسے ذراعتی مدرسوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے، ملک کی زرعی ترقی کے لئے اور گاؤں کی عظیم اور غیر محنت مند فدا کو خوش گوار اور محنت مند بنانے کے لئے اگر عراق کی اس تعلیمی پالیسی کو اس ملک میں بھی اپنانے کی کوشش کی جائے تو دیہاتی ابتدائی مدارس اس ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں حصہ لے سکیں گے۔

صوبائی تعلیمی تحریکیں

عراق کا نظام تعلیم مرکزی ہے، وزارت معارف ہی عوام کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور مدرسوں کی تعمیر اور ان کے اخراجات کی کفایت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے، لیکن اب دور دراز علاقوں میں بھی تعلیمی بیداری پھیل رہی ہے، اور تعلیم کی ترقی میں عوام خود براہ راست حصہ لینے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں، حالات امید افزا ہیں، یہ عوامی بیداری عراق کے نظام تعلیم کے احاطہ کار کو اندر زیادہ وسیع کر دے گی، لیکن حکومت تعلیم کو ارداں اور عام کرنے میں اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے، جب آہ عوام کا تعاون حاصل ہو، صرف سرکاری تعلیم کا ہیں ملک کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتیں، صوبائی ناظمین تعلیم اگرچہ براہ راست مرکزی احکام کے تابع ہوتے ہیں، اور وہ خود نہ کوئی تعلیمی تحریک چلا سکتے ہیں اور نہ کسی اہم علاقائی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوئی نیا اورادہ کھول سکتے ہیں، مگر مقامی تعلیم میں نیا سوز و گداز اور نئی راہیں پیدا کرنے میں اس تعلیمی مرکزیت کے باوجود بلا پیش قدمی کر رہے ہیں بعض صوبوں میں ناظمین تعلیم وسیعہ علاقوں اور غیر محنت مند ماحول کے شاکی اور اپنی محبوسوں کے ماتم دار

نظر آتے ہیں اور کسی حد تک یہ صحیح بھی ہے، وزارت معارف کے پاس اتنی رقم کلاس سے آئے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی ضروریات کی طرف توجہ دے سکیں بعض ناظمین زیادہ حساس ہیں، زبان پر حرف شکایت لانے سے دراصل تنگ و ملت کی خدمت نہیں ہوتی، زندگی اس سے کہیں زیادہ گراں قدر ہے، کچھ نہ کچھ کہتے رہنے سے بہت کچھ ہو جاتا ہے اس لئے حکام اور عوام کے تعاون سے نئے نئے مدرسوں کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو رہے ہیں، ایک صوبے میں محض ایک ناظم تعلیم کے جذبہ کار کی بدولت بے شمار ابتدائی مدارس قائم ہو گئے ہیں تین سال پہلے جب اسے صوبے کا ناظم مقرر کیا گیا تھا تو سارے علاقے میں صرف ۲۸ ابتدائی مدارس تھے اب ان کی مجموعی تعداد ۵۵۵ سے اوپر ہے۔

تعلیم عاموں کے قیام اور تعلیمی توسیع کے لئے حکومت سے کہیں زیادہ عوام کے جذبہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے، اگر عوام اس کا نیک میں حصہ لینا اپنا قومی اور اخلاقی فرض سمجھنے لگیں تو بہت سی برائیوں کا مادی ہو جائے، اور اگر صرف حکومت کی اسکیموں پر ہی قناعت کی جائے تو ترقی کی راہیں محدود ہو جاتی ہیں، آج پاکستان میں بھی ہماری نگاہیں حکومت کی طرف اٹھتی ہیں، جیسے قیام پاکستان کے بعد تعلیم کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہو گئی ہے، عوام کو اس سے کوئی سروکار نہیں، حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ان حالات میں نجی سامع کو زیادہ تیز کیا جاتا، چھ سال کے طویل غریبے میں محض دو تین عوامی اداروں کے قیام کا نشان ملتا ہے، لیکن ان کی تعلیم اور ان کے ماحول کو معیاری نہیں کہا جاسکتا ہمارا نظام تعلیم مرکزی نہیں صوبائی ہے، صوبائی حکومتوں کو ابتدائی اور وسطانی تعلیم کی ترویج و ترقی کا پورا پورا قانونی حق حاصل ہے، لیکن ان مدارس کو ان کے صحیح خدوخال میں دیکھنا ہے تو آپ کو کسی گاؤں کا سفر کرنا ہو گا، ٹوٹی پھوٹی عمارت جو بعض اوقات محض ایک یا دو کمرے پر مشتمل ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ عمارت گاؤں کے عین وسط میں گرے پر لے لی جاتی ہے، یہی بچوں کی تربیت گاہ کا کام دیتی ہے، اس ماحول میں بچوں کی جو تربیت ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگانا کچھ آسان مشکل نہیں ہے، حقائق کی طرح یہاں بھی لوگوں کے دلوں میں تعلیم کی توسیع و اشاعت کا جذبہ تو پیدا ہو رہا ہے، لوگ بچوں کو تعلیم دلانا چاہتے ہیں، مگر صحیح قیادت کی

عدم موجودگی میں یہ جذبات مرتبہ جاتے ہیں اور نگاہیں محض حکومت کی طرف اٹھ اٹھ کر پتہ راجاتی ہیں، ذاتی کوششوں اور نجی اداروں کے قیام کا مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے اور نہ ہم اسے قابلِ توجہ سمجھتے ہیں۔

ہر صورت عراق میں تعلیمی بیداری پھیل رہی ہے، تعلیم کا مقصد صرف حروفِ فنیسی یا حس کے چند موٹے موٹے اصولوں کو سمجھنا ہی نہیں رہا، عراقی عوام اسے زندگی سے زیادہ قریب اور ماحولِ آفتاب دیکھنا چاہتے ہیں، یہی نہیں کہ دو چار تعظیظ کر دے کہ وہ اپنی پھٹی رفتار اور طریقِ بود و آمد کو بھول جائیں اور حشرِ شہہء علم سے انہیں پیاس بجھانے کا موقع نہ ملے، مدرسوں میں بھی بچوں کی زندگی کے حقائق سے نزدیک اور اپنے سماجی تقاضوں سے روشناس ہونا ضروری ہے، اس لئے یہاں مدرسوں کو نصاب کے قید و بند سے نجات دلانے کے لئے کوششیں جاری ہیں۔

اس وقت تک عراق کی تعلیمی ضروریات اس کے سماجی معاشی اور سیاسی تقاضوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا، اور ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں جو ترقی ہوئی ہے اسے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، ان رجحانات اور ترویجِ تعلیم کے شدید احساس کے پیشِ نظر عراق میں لازمی تعلیم کے امکانات زیادہ ہوتے جا رہے ہیں، لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے شدید احساس ہی کافی نہیں ہوتا، اس احساس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمت و جرأت کے ساتھ صحیح جذبہ کار کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور ان مواقع کو بھی مدنظر رکھنا ہوتا ہے جو کسی نظامِ عمل کی تشکیل کے لئے ہمتِ خشک ثابت ہوتے ہیں، عراق کی تعلیمی ترقی کی راہ میں آنے والی مشکلات بھی واضح ہیں اگر صرف ابتدائی مدارس

میں پڑھنے والے طلبہ کی پوری تعداد کے لئے قرأت و حساب دانی کے مدرسے کھول دیئے جائیں تو اس سے اس ملک کی تعلیمی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی، ضرورت ہے تعلیم کو سماجی تقاضوں سے ہم آہنگ اور مربوط کرنے کی، اگر عدمِ ملائقت کی یہی صورت قائم رہی تو انفرادی یا اجتماعی ترقی ممکن نہیں، موجودہ تخمینے کے مطابق مدرسہ جانے والے بچوں کی تعداد ۵۰،۰۰۰ ہے لیکن اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اور ایک ایسے ملک میں جہاں فی الحال صرف ۲۲ فی صدی

کی تعلیم کا اہتمام ہو سکا ہے، اور وہ بھی ملک کی دوسری ضروریات کو دیکھ کر لازمی تعلیم کا موثر انداز
 بادی ہونا ویرانے کے غلاب سے زیادہ موقع نہیں ہو سکتا، صرف لازمی ابتدائی تعلیم کے لئے
 ان کو اپنے موجودہ تعلیمی منیر اپنے کو دوگنا کرنا ہو گا اور اس صورت میں بھی بچوں کی تعلیم کا جو اہتمام ہو گا
 یہی طرح معیاری نہیں کہا جاسکے گا، جو طریق کار موجودہ ابتدائی مدارس میں جاری ہے اور جو رقم
 مدرسوں کے اہتمام پر خرچ کی جاتی ہے نہ تو معیار کے مطابق ہے۔ اور نہ اس سے کسی اچھے نتیجے کی
 بدستور ہو سکتی ہے اور یا فرض خرق اپنے تعلیمی مزانیے کو دوگنا کرنے میں کامیاب نہ جائے تو بیشک انسان نہیں ہوتی
 ی ابتدائی تعلیم کے لئے صرف متعین میزانیے اور ساز و سامان ہی کی ضرورت نہیں، اس کے لئے
 بیت یافتہ مدرسین کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے اور اس کے لئے بھی مزید رقم مطلوب ہوگی جس کا
 بندھنا مشکل ہے، خرق کے یہ مسائل نئے نہیں بلکہ ۱۹۳۷ء میں وزارت مہارف کی ایک مخصوص کمیٹی
 ۱۹۳۵ء پر وگرام مرتب کیا تھا، اس پر وگرام کی رو سے اگر انتظامی امور میں کچھ بنیادی اصلاحات
 جائیں، اور معمول تعلیم کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے تو دس سال میں مدرسہ
 لے والے بچوں کی تعداد کے نصف یعنی ۲۵۰۰۰ بچوں کی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا، اس
 پروگرام کی رو سے ایک سال میں ۲۰۰ مزید مدرسین کی تربیت کا بھی اہتمام ہو جائے گا، ہر سال ۱۲۰۰۰
 بچہ کا اضافہ ہو گا، تربیت یافتہ مدرسین کی یہ تعداد ان کی تعلیم و تربیت کے لئے کافی ہوگی، دیگر معارف
 بنی اس مہم میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ ابتدائی مدارس میں طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، تربیت یافتہ
 مدرسین کی کمی ہے، اور عمارت اور ساز و سامان کی کمی کی وجہ سے بچے مدرسے میں داخل ہونے سے ہی
 روک رہے جاتے ہیں۔

اس تعلیمی ترقی کے لئے موجودہ تعلیمی تقاضوں کا پورا کرنا ضروری ہے، یونیسکو کمیشن نے اس
 مسائل جو سفارشات کی ہیں، ان سے خرق اور دوسرے کم تر قیافتہ مالک فائدہ اٹھا سکتے ہیں
 سفارشات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قلیل معیار پالیسی :-

۲۔ طویل میعاد پالیسی۔

آئیے چل کر ان بچوں کی تعلیم کا بھی اتمام کیا جائے جن کے والدین معاشی اور اقتصادی پریشانیوں کی وجہ سے اسکول بھیجنے سے معذور ہیں، اور انہیں کے ساتھ ساتھ ان بچے شہر کفائل نہیں بڑھا جاسکتا جن کے والدین بدویانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

فیل میعاد پالیسی

موجودہ تعلیمی تقاضے | اس وقت عراق کی سب سے اہم ضرورت ان بچوں کی تعلیم و تربیت کا تھا جسے جن کے والدین انہیں پڑھانا چاہتے ہیں، مگر درسوں کی کمی کی وجہ سے

تعلیم دلانے سے محروم رہ جاتے ہیں بعض بھی خواہان تعلیم کا خیال ہے کہ مدرسوں کی تعداد میں اضافہ کرنا کچھ اتنا زیادہ ضروری نہیں ہے، سب سے اہم اور ضروری کام پڑانے مدرسوں کو جدید تدریسی سادوسامان سے آراستہ کرنا ہے، تاکہ میں جو تعلیمی بیادری پھیل چکی ہے اس سے نئے مدارس کی ضرورت کا احساس بڑھ رہا ہے، والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے نئی درس گاہوں کی تلاش رہتی ہے، ان کے پیش نظر بچوں کی تعلیم بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جو ان کے لئے معاشی اور اقتصادی ماسکی سے نہیں زیادہ پریشان کن ہوتا ہے، مگر ان ماہرین تعلیم کے نظریات کو تسلیم کریں جائے اور نئے مدارس کھولنے کی بجائے پڑانے مدرسوں کے سادوسامان کو درست کرنا ہی ضروری سمجھ لیا جائے تو اگر ایک نہیں سیکڑوں والدین کو بایوس ہونا پڑے گا، اس سے ملک کی تعلیمی حالت درست نہیں ہوگی۔

لوگوں کے دلوں کو ٹھیس بھی گئی اور تعلیم کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور بچے بھی تعلیم سے بے بہرہ رہ کر اپنی زندگی کو کسی مفید کام میں نہیں لگا سکیں گے، عموماً بانی ناہین تعلیم سے اگر ان بچوں کے اعلیٰ طلب کے بائیں جو تعلیم حاصل کرنے کے متعلق ہیں، مگر مدرسوں کی کمی کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں اور یہ بھی پوچھا جائے کہ ان بچوں کے لئے کتنے مدرسوں اور کتنے اساتذہ کی ضرورت ہوگی قریہ اور دوشاد غالباً لوگوں کے لئے حیران کن ہوں گے، حق یہ ہے کہ اس وقت تک عراق میں تعلیم کی ترقی کے لئے کوئی خاص اقدام نہیں کیا گیا، اور نہ اس قسم کے اور دوشاد فراہم کئے گئے ہیں، کہ

جو وہ حالات میں کتنے بچے تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کتنے نئے مدرسوں اور کتنے نئے اساتذہ ضرورت ہوگی، لیکن جب یہ اعداد و شمار مرتب ہو جائیں گے تو اس سے عراق میں تعلیم کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکے گا۔

ان اعداد و شمار سے عراق کی تعلیمی ضروریات متعین کی جاسکتی ہیں۔ اور تعین کار کے بعد ہر کوئی ایسی میزانیے سے ان ضروریات کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہو، لیکن تعلیمی ضروریات کا پورا ہونا ایک کامیابی کا انتظام ہی عراق کو نازل ملک نہیں چھوڑ سکتا، اس سلسلے میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رائے کی عمارتوں میں تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ کیا جائے، بلکہ اس رقم سے تربیتی اداروں میں زیادہ سائنس و طبیعت کا انتظام کیا جائے، اگر اساتذہ کی تربیت کے لئے فوری اقدام کیا گیا تو بہت جلد یہ کمی پوری ہو سکتی ہے، اب اس جگہ ایک دو سو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا وہ رقم جو عمارتوں کے کرائے کی مرمت کی جاتی ہیں، انہیں اساتذہ کی تربیت پر خرچ کر دیا جائے۔ مگر اس سے مدرسوں اور عمارتوں کی کمی کا مسئلہ تو حل نہیں ہوتا، تعلیم کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کچھ نئی عمارتوں کی بھی ضرورت ہوگی، اگر بہت سے کام لیا جائے اور تعلیم کو پھیلانے کی ہم جاری کی جائے تو کھوڑی اور فصوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو ابتدائی تعلیم کے لئے رضا کارانہ طور پر عمارتیں دے دیں گے۔ بڑے شہروں میں ایک عراقی ماہر اقتصادیات کی تجویز کے مطابق عوامی قرضے کی مدد سے عمارتیں تعمیر کی جائیں اور کرائے پر جو رقم خرچ ہو رہی ہے اس سے اس قرض کی ادائیگی کی جائے، ہر صورت اس وقت سب سے زیادہ اہمیت ابتدائی مدارس کے انصرام اور اچھے معلم و نسی کی بہرہ آلودت مختلف..... ساج کی ان تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے یا نہیں، اسے آنے والا زمانہ ہی بتا سکے گا۔

مرکزی نظام کی اصلاح

لیکن اس سے پہلے کہ وزارت معارف تعلیمی کو صلیح تدوین کے سلسلے میں اقدام کرے اور اپنی اہمیت و کامیابی کا ثبوت پیش کرے، اس لئے اس کے دس سالہ پروگرام کی مفید میں کمیٹی کی سفارشات پر غور کرنا

ضروری ہے،

عراق کا تعلیمی مفاد اور وزیر معارف | کسی نظام کے قیام و انصرام کے لئے اس کی تعلیمی کل کا مضبوط بنیادوں پر قائم ہونا ضروری ہے، پچھلے دنوں اس ملک میں محض ایک وزیر کے تبدیل ہونے سے

پورا نظام تسلیم درہم برہم ہو گیا، یہ تبدیلیاں کسی سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ نہیں تھیں، بلکہ تغیر برائے تغیر کے پیش نظر عمل میں آ رہی تھیں، اور صرف تعلیمی نظام کا زبیں ہی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، بلکہ محکمہ تعلیم کام کرنے والوں کو بھی تبدیل کر دیا گیا، اس سے کام میں تسلسل اور انہماک نہیں پیدا ہو سکتا، بعض لوگ خیال ہے کہ محض تنگ نظری اور سیاسی گروہ بندی کا نتیجہ ہے، اگر یہ صحیح ہے تو ضرورت اس امر کا ہے کہ محکمہ کی وہ سیاسی بے حیثیوں اور ذاتی منفعت کے جھیلوں سے بے غبار رکھا جائے، تعلیمی ترقی پر کسی سماج کی سیاسی ترقی کا انحصار ہوتا ہے، لیکن یہ بھی قرین قیاس ہے کہ اس قسم کی تبدیلیاں وزیر کی ذاتی پسند و ناپسند اس کے نجی اثرات کی بنا پر ہوتی رہتی ہیں، ایک ایسے ملک میں جو اب ابھی تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہوا ہے ایسے واقعات کا رونما ہونا کچھ انسا تعجب خیز نہیں، ہر بناوڑ اپنے عہد و ذرات کو نقش بردارام کرنے کی فکر میں رہتا ہے، یہ طبعیک ہے اسے کام کرنے کا پورا ہوا حق ہے، لیکن اسے پودے نظام تعلیم کو درہم برہم کرنے کے کلی اختیارات نہیں ہونے چاہئیں ہر سٹے وزیر کے لئے نئی تجویزوں کو بروئے کار لانے سے پہلے محکمہ تعلیم اور دوسرے ماہرین تعلیم سے مشورہ لینا لازمی قرار دے دیا جائے، خدا کا شکر ہے کہ اب حالات بدل رہے ہیں، اور وزیر معارف اپنی محدود تعلیمی معلومات یا اپنے سیاسی گروہ کے مفاد سے قطع نظر ملک کے تعلیمی مفاہم بننا جا رہا ہے، اور یہ ایک اچھا ٹھکان ہے +

مدارس دینی عربیہ

منظور احسن

پرانی وضع کے دینی مدارس عربیہ کا تذکرہ نہ تو دورِ حاضرہ کے تعلیمی حلقوں میں کوئی ضروری بحث تصور کیا گیا ہے۔ اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ مبذول کی جاتی ہے، لیکن اس بات کا مشکل سے یقین کیا جائے گا کہ موجودہ مدارس کے نظام و نصابِ تعلیم، طرزی امتحان و ضبط کے پیشتر پہلو، ایسے ہیں کہ اگر ان پر تنقید کی سے غور کیا جائے تو اپنی سیدھی سادھی شکل میں بھی سالہا سال کے تجربوں اور فکری فنی کاوشات سے ہم آہنگ ثابت نہ ہوں گے، شاید اس کی تفصیل دل چسپی سے خالی نہ ہو۔

بدقسمتی سے ہماری توقعات کے علی الرغم ملک پاکستان میں دینی معیاری مدارس عربیہ کا وجود تقریباً مفقود ہے، ہندوستان میں دیوبند کا مدرسہ قاسم العلوم، دہلی کے مدارس امینیہ و حسینہ و فتح پوری و مدرسہ حسین بخش و مدرسہ عبدالرب۔ سہارنپور کا مدرسہ مظاہر العلوم قنات بھون... کا مدرسہ اشرفیہ کانپور کا مدرسہ الہیات اور الہ آباد کا مدرسہ معراج العلوم دینی مدارس میں معتد اور معتبر حیثیت کے مالک تھے۔ لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے علاوہ اور کوئی مدرسہ قابل ذکر نہیں۔ دیوبند کے مدرسے میں طلبہ کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی اور دہلی کے مدارس سے مستفیض ہونے والے طلبہ کی مجموعی تعداد پانچ ہزار سے کم نہ تھی، ان مدارس میں حصولِ تعلیم کی غرض سے بھال۔ آسام۔ سلہٹ۔ جاوا۔ سماترا۔ سیلون۔ جیش۔ خوب۔ و ترکی۔ چین۔ افغانستان اور دوسرے مختلف مقامات سے طلبہ آتے تھے اور عمر و تعلیم

۵ سال سے ۱۵ سال تک جاری رہتا تھا۔

سلسلہ کس نظامیہ کے تعلیمی مضامین کی ایک تخلیقی فہرست یہ ہے۔

صوفیہ - نحو - فقہ - منطق - فلسفہ - حدیث - تفسیر - تجوید - ادب - اصول فقہ - اصول حدیث - اصول تفسیر - علم الرجال - فرائض - منازعہ - طب - ہندسہ - اقلیدس - ریاضی - تاریخ - جغرافیہ - نجوم - طبیات - آیات اور فلسفہ مابعد الطبیعیات - مدارس دینیہ کی انتظامی استطاعت کے مطابق ان مضامین میں سے چند یا کل کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

مدارس دینیہ میں جماعت بندی کا اصول ہمارے عوامی سرکاری مدارس سے مختلف ہے۔ مدارس سرکاری میں نصاب جماعت کی تکمیل کے لئے طلباء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ لیکن مدارس عربیہ میں طلباء کی جماعت اپنا نصاب خود مترتب کرتی ہے، کیوں کہ وہاں جماعت بندی کا انحصار مجرد درس و اباقی پر ہے۔ کسی نصاب متعینہ پر نہیں ہے، چنانچہ اگر بالفرض ایک جماعت شرح وقایہ (فقہ کی ایک درسی کتاب) پڑھتی ہے تو اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ تمام جماعت مباحث (فلسفہ کی ایک درسی کتاب) کے حلقہ درس میں بھی شامل ہو۔ یہ طلبہ کے انفرادی رجحان اور ذہنی صلاحیت یا اور خارجی اسباب پر موقوف ہے کہ وہ فقہ کے ساتھ فلسفہ بھی پڑھنا چاہے یا نہیں۔ اس نظام کی بدولت طالب علم کی ذہنی صلاحیتوں میں باہمی تضادم کا اندیشہ نہیں رہتا اور اس کی رجحانی فراست مجروح نہیں ہوتی۔

دینی مدارس میں جماعت کی تشکیل ایک خاص حلقہ درس سے ہوتی ہے چنانچہ وہاں پہلی - دوسری - تیسری جماعتوں کی بجائے کتب درسیہ کی جماعتیں کہلاتی ہیں۔ مثلاً درس الہام - درس جلالین - یا درس مشکوٰۃ وغیرہ کی جماعتیں۔ پھر ان کتب درسیہ کی تکمیل کے لئے سال بھر کی یا کوئی اور تعویبی مدت درکار نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے لئے ایک تھنی عرصہ مقرر ہوتا ہے جس میں اختلاف احوال کی بنا پر تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور درس کے ختم ہوتے ہی جماعت کی تحلیل ہو جاتی ہے۔ لہذا اس بات کا اندیشہ نہیں رہتا کہ ہمارے عوامی مدارس کی طرح مقررہ نصاب کی

مکمل تعلیم سے قطع نظر سال بھر کے بعد ممتحنی طور پر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے جس کے باعث اکثر ممتحنوں میں سرکاری مدارس کے اول درجے میں کامیاب ہونے والے طلباء کوئی متعینہ نصاب کے بعض مضامین سے قطعاً نا بلد رہ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علم جو معلم اور متعلم کی مشترکہ سعی کا واسطہ القاصد ہے۔ اپنے اصل موقف سے دُور جا پڑتا ہے۔ اور طالب علم امتحان میں کامیاب ہو کر بھی علم سے محروم رہ جاتا ہے۔ ہمارے اعلیٰ مدارس کے فارغ التحصیل طلباء کا عام معیار قابلیت اس حقیقت کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سال کی درسی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی فطری فراست کا سہارا لے بغیر محض تعلیمی نظام کے زیر اثر شافقتاً کوئی طالب علم مطلوبہ معیار قابلیت پر پورا اترتا ہے، دینی مدارس اس صورتِ حالات سے بالکل بری ہیں۔

دینی مدارس میں جماعت کی ترتیب نشست وغیرہ بھی نہایت سادہ اور قدرتی اسلوب پر ہوتی ہے، استاد سامنے بیٹھتا ہے اور تلامذہ ایک حلقہ یا مربع متعین شکل میں بیٹھ جاتے ہیں۔ تلامذہ میں سے کوئی ذہین طالب علم کتاب پڑھتا ہے اور استاد اس کے معانی و مطالب کی تشریح کرتا رہتا ہے، چند یا بیشتر طلباء کو ہر روز قرأت کا موقع نہیں ملتا۔ البتہ ہر ایک کو سوال کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور تقریباً ہر سوال کا جواب استاد دیتا ہے، لیکن اونچی جماعتوں میں مبہم اور نامعقول سوالات یا بے تعلق ایرادات کی طرف مشائخ اساتذہ قویجہ نہیں دیتے۔ سلسلہ درس نظامیہ کی تمام کتابیں بہ استثناء چند کتب ابتدائی عربی زبان میں ہیں جامعی یا مدرسی تعلیم کا آغاز بالعموم میزان العرف سے ہوتا ہے (جو علم صرف کی پہلی کتاب ہے) اور سلسلہ درس کتاب بخاری پر ختم متصور ہوتا ہے۔ یہ کتاب کتب احادیث کی بہ مستند کتابوں میں سے مستند ترین کتاب حدیث ہے جس کو قرآن حکیم کے بعد صحت اور اہمیت کے لحاظ سے سب سے اوپر درجہ دیا جاتا ہے، ان کتب احادیث کو صحاح ستہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ اور صحاح ستہ کے حلقہ درس کو اصطلاح دورہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دورہ کی مکمل

کے بعد مدرسہ دینیہ کا طالب علم فارغ التحصیل متصور ہوتا ہے، مصلحتاً بلا مضامین میں سے متاخر الذکر میں بارہ مضامین کی جانب دودھ کی پھیل سے پہلے توجہ نہیں دی جاتی، یہ مضامین اختیاری یا مرید علیہ متصور ہوتے ہیں۔

امتحان کا طریقہ بھی ہمارے مدارس سرکاری کے طریق امتحان سے مختلف ہے۔ چنانچہ ایک کی استثنا کے ساتھ تمام مضامین کے امتحانات تقریری ہوتے ہیں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ کتب درسیہ میں سے کسی ایک حصہ کی قطع نظر اس سے کہ وہ مشکل ہو یا آسان مسلسل خواندگی کرائی جاتی ہے۔ اور اسی قراءت سے عربی زبان کی ہدایت اور اس کی عمومی استعداد کا اندازہ لگانا ممکن ہوتا ہے کیوں کہ تمام کتب درسیہ اعراب سے معرطے ہوتی ہیں۔ اور عربی زبان کے تمام لسانی قواعد کی بنیاد حروف الفاع کے اعراب و سکنت پر ہے۔ اور الفاع کے آخری حروف کی حرکات کی صحت خواندگی پر تمام فہم مطالب کا انحصار ہے، دوران خواندگی میں اگر کوئی طالب علم کسی لفظ کا غلط تلفظ کرتا ہے۔ تو گویا وہ صرف میں ناقص ہے۔ اور اگر حروف آخرہ الفاع کی حرکت غلط پڑھتا ہے تو نحو سے بے بہرہ ہے اور فہم مطلب سے قاصر لہذا محض پڑھائی سے طالب علم کے صرف و نحو کی استعداد کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

امتحانی سوالات کے کل ۵۰ نمبر مقرر ہیں، ۴۰ سے کم نمبر پانے والے طلبہ ناکام متصور ہوتے ہیں، اگرچہ یہ بات ہمارے نقطہ نظر سے مضحکہ خیز اور عجیب ہے کہ بعض طلبہ کو امتحان میں ۵۱ یا ۵۲ بلکہ ۵۵ نمبر تک دیئے جاتے ہیں، لیکن ان مرید چند نمبروں کو غیر معمولی استعداد کا ایک بہت بڑا اعلیٰ نصاب تصور کیا جاتا ہے اور یہ اقلیہ سیکڑوں طلبہ میں سے شاید ہی کسی کے حقیقہ میں آتا ہے،

طالب علم کے لئے صرف مسائل کا حفظ و انتظام چنداں ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ امتحان کی کامیابی کے لئے دینی فراست کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر طالب علم کو قرآن و حدیث کے صحیح اور مستند معانی پر عبور ہے اور مختلف احادیث کے اصول تطبیق یا نص قرآن سے احادیث کے

یا مطابق اور معانی کی درست تاویل اور فقہاء کے اصول استخراج مسائل سے واقف ہے ہی کے دیکھنا تجربہ اور مطلوبہ استدلال کی ہمارت کا کافی ثبوت ہے اور اس کے بعد ہی وہ ایک تند عالم دین یا صاحب افتاء تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ ایسے فارغ التحصیل طلباء کو ایک سند فقہ ادارہ کی جانب سے دی جاتی ہے، یہ سند بھی ہماری یونیورسٹیوں کی سندات سے مختلف ہوتی ہے۔ لیکن مستند کی قابلیت کا نہایت دیا سندانہ اعتراف ہوتا ہے، ان سندات میں ان نام نہاد کتب نام درج ہوتے ہیں جن کے مصنف مدرس کو پورا کیا جا چکا ہے۔ اگر مکن ہو تو اس پر ان ساندہ دستخط بھی ثبت ہوتے ہیں جن کے حلقہ درس میں شمولیت کی گئی ہے

ہر چند کہ ہمارے مفکرین اور ماہرین علم التعليم کے نقطہ نظر سے مدارس دینیہ کا تذکرہ صادر ہوا چنانچہ بالکل ناقص ہے۔ لیکن اس کے پیش نظر افا دی نتائج سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس بات کی کمی جاسکتی ہے کہ موجودہ نظام تعلیم سے ہم جس قدر غیر مطمئن ہیں اسی قدر مدارس کے متنبین اپنے نظام اور اس کے نتائج سے مطمئن ہیں اور ایسا ہونا عجیب نہیں، کیوں کہ ان تعلیم کا مجرد انہماک ہی مقصود تعلیم ہو وہاں ناکامی۔ خامی۔ یا بے اطمینانی کا تصور ہی باقی میں رہتا۔

ظاہر ہے کہ رائج الوقت عوامی تعلیم کا موجودہ نظام اس اصول کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ اس کا سبب صرف تعلیمی مقاصد کا باہمی اختلاف ہے۔

دینی مدارس کی تعلیم کی غرض وفات یقیناً وہ نہیں ہے جو سرکاری مدارس کے تعلیم کی ہے اگرچہ انہم حلقوں میں یہی کہا اور بتایا جاتا ہے کہ موجودہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ایک اچھا شہری بنائے۔ لیکن اچھا شہری کون ہے؟ یہ امر خود عمل غلط ہے۔

یہ اصطلاح درحقیقت بڑا فوئی استعمار کے عوام مشورہ پر ایک پردہ ڈالنے کے لئے مقرر کی گئی جس کے اہلی معنوں پر غور کے بغیر فکرہ تعلیم کے سنجیدہ مبلغ افراد نے اس لفظ کو مستحق معنوں میں تھما کر ناشر و مع کر دیا۔

برطانوی جہاں شمار میں ہمارے مدارس و جوامع کا نصاب و نظام تعلیم جس اسلوب پر ترب کیا گیا اس کا مقصد ایک فرانسوی مبصر کی ضخیم کتاب تمدن ہند میں انگریزی اور باب حکومت کا مطالعہ بنانے کے لئے بابو فرام کرنا بتایا ہے۔ مصنف نے اس مقصد کا بیان ایک تجویز میں کے لیے میں کیا ہے اور ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کی کہ اگر اہل ہند کو یہ احساس پیدا ہو گیا کہ ان کے ملک پر برٹش کی حکومت قابلِ شرم بات ہے تو خود یہ احساس کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو بالآخر موجودہ نظام کی دھجیاں بکیر کر رکھ دے گا۔

یہ احساس پیشگوئی کے نصف صدی بعد ہوا اور غیر ملکی اقتدار بھی ہمیشہ کے لئے برصغیر ہندوستان سے رخصت ہو گیا، لیکن ہمارے تعلیمی نصاب و نظام کا وہی اسلوب ہنوز کار فرما ہے۔ اور ہمارے مکاتب و جوامع بدستور بابو بنانے میں معروف ہیں، اس لفظ کے معنی خود صاف "تمدن ہند" نے سرکاری طائفہ بتایا ہے۔

اب موجودہ عوامی مدارس کی تعلیم کے اصل مقصد پر خواہ کتنا ہی پردہ ڈالا جائے حقیقت بحر۔ سرکاری ملازمت کے اور کچھ نہیں ہے۔

مقصد کا یہ تسفل ہمارے عوامی تعلیمی اداروں کے ہر شعبہ میں اثر انداز ہے، چونکہ ہر شعبہ تعلیم کے پیش نظر ملازمت ہے اور ملازمت کسی سند کے بغیر نہیں ملتی۔ اس لئے معلم اور متعلم کی تہمتیں حصولِ سند کے لئے وقف ہوتی ہیں، چنانچہ کامیابی امتحان کے لئے استاد اور شاگرد دونوں قیاسی اور حقیقی ذرائع کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر ظن اور ہنگامی وسائل ڈھونڈتے رہتے ہیں، کتب درسیہ کے خلاصے، پرچوں کے حل، متوقع سوالات کا استہناد یہ ساری تدبیریں صرف اس لئے ہوتی ہیں کہ متعینہ نصاب کی صحیح معنوں میں تکمیل نہیں ہوتی اور نہ اس کی ضرورت کبھی سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے قابل ترین اساتذہ سمجھے جاتے ہیں جو ستف مدرسہ کے نیچے بیٹھ کر طلبہ کو سمجھائیں کہ ان سوالات کو حل کرو اور کامیاب ہو جاؤ گے، اور پھر اگر خوش قسمتی سے محض وہی متوقع سوالات امتحان میں آجائیں تو ان اساتذہ کا سر افتخار کوہ ہمالیہ تک بلند ہو جاتا ہے اور فخر یہ کہ کہتے ہیں کہ دیکھئے ہم نے

جو کچھ بتایا خاص دھن دہی امتحان میں آیا، انہیں اس طرح فکر کرتے ہوئے یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ غیر شعوری طور پر اپنے جواہر کا اعتراف کر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ مکمل نصاب کو پس پشت ڈال کر ادم صرف چند مسائل پر اکتفا کر کے انہوں نے اپنے شاگردوں کی تکمیلی صلاحیت کا کس طرح خون کیا ہے۔ اساتذہ کا یہ طریقہ دیکھ کر شاگرد بھی علم و یقین کی روشن شاہ راہوں کو چھوڑ کر غمخیز ہو جاتے ہیں۔ دھندلی گندہ گاموں سے منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش میں سرگرم نظر آتے ہیں اور اس کو اپنی اصطلاح میں امتحان کی تیاری سے تعبیر کرتے ہیں، یہ طلباء یقین کے نفسیاتی انداز سے لے کر پچھ سوالات کے نیروں تک میں اپنی کامیابی کا راز تلاش کرتے ہیں، اور اس جستجو کے کردہ ترین مجھے امتحان کے بعد ممتحنوں کی قیام گاہ کے گرد پیکر لگاتے بھی نظر آتے ہیں۔ آپ یقین مانیئے ان حالات کے بالکل برعکس مدارس دینیہ کی فضا اس قسم کے غیر محنت پسند اور متعفن عناصر سے قلعاً پاک ہے۔

ان مدارس کا کوئی متعلم خود امتحان کے لئے تیار نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کا نصاب درس مکمل نہ ہو یہاں تک کہ احیاناً اگر امتحان کا زمانہ قریب آجائے اور اُس کا نصاب مکمل نہ ہوا ہو تو امتحان کے بعد بھی اُس کی تکمیل واجب تصور کرتا ہے، اور اکثر صورتوں میں صرف تکمیل نصاب کو امتحان کی کامیابی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہذا مدارس دینیہ کے امتحانات کی تیاری میں مذہن و حیا کو دخل ہے اور نہ سعی و تدبیر کی گنجائش کیوں کہ اس کا مقصد صرف تکمیل درس ہے، مقاصد بعد التکمیل کی تعیین اس کے دائرہ شعور کے غیر ضروری عناصر میں سے ہے۔

کیا ان حالات کی تفصیل میں ہمارے سرکاری تعلیمی اداروں کے لئے کوئی عبرت و سبق کا پہلو اس سوال کا جواب ایک دوسری صحبت کا محتاج ہے ؟

ایمپل روسو کی تعلیم

توفیق مرزا رزقی

مسلسل ۲۱

آپ دریافت فرمائیں گے کہ کیا یہ قصہ میں اس خوشی کا اندازہ بیان کرنے کے لئے پیش کر رہا ہوں جو اسی قسم کے کھیلوں میں حاصل ہوتی ہے، نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسی بات کا ثبوت ہے کہ اندھیرے سے ڈرنے والے کو اطمینان دلانے کے لئے اس سے بہتر اند کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ برابر کے کمرے میں سے اس کو دوسروں کے ہنسنے اور ہانپنے کرنے کی آواز نہ آتی رہے، اس کی بجائے کہ آپ بچے کے ساتھ خود اندھیرے میں تنہا جا کر کھیلیں میں یہ مشورہ دوں گا کہ آپ بہت سے خوش مزاج بچوں کو جمع کریں اور جب تک آپ کو قبل از قبل یقین کامل نہ ہو جائے کہ بچہ بہت زیادہ نہ ڈرے گا کہ آپ اندھیرے میں ایک کو بھی تنہا بھیجنے کی ہمت نہ فرمائیں۔

اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ بچوں کو منظر کرنا کس قدر معمولی سی بات ہے، میں ان کھیلوں سے زیادہ پر لطف اند نفع بخش تصور اور کسی چیز کا نہیں کر سکتا، میں ایک کمرے میں کرسیوں میزوں اور لمبے لمبے اندھیرے کی ایک بے پناہ بنا دوں گا اور اس میں آٹھ دس خالی بکس دکھلا دوں گا اور ایک خاص بکس میں مٹھائی بھر دوں گا اور جہاں وہ بکس مل سکے گا وہاں کا ایک مختصر اور واضح نقشہ بھی بنا دوں گا اور پھر ایسی باتیں دوں گا جو ایسے لوگوں کے لئے وہ مقام معلوم کرنے میں کافی اندازہ دے گی باعث ہوں کہ بچوں کی

علمہ توجہ یا غور کرنے کی مشق دینے کے لئے ان سے آپ صرف ان اشیاء کا ذکر کریں جو ہر بچہ ان کے متعلق غور کرنے کی ہوں تاکہ وہ ان کو بڑی سمجھ لیں اور سیکھیں ہم یہ معاملہ ہے کہ آپ احتیاط سے کام لیں۔ ایک نقطہ بھی ضرورت سے ناگزیر بیان سے نہ نکالیں، میں آپ کی گفتگو تو کبھی بہتر ہوتی جا ہے اندازہ اس کا مطلب کبھی ششہ ہونا چاہئے د

بت زیادہ بدباد اور توجہ کرنے والے ہیں۔ بھر میں ان نفعے نفعے مقابلہ کرنے والوں کے ناموں پر قرعہ ڈالوں گا۔ درپیلے ایک کو تلاش کے لئے بھجوں گا پھر دوسرے کو حتیٰ اگر مملوکہ یکس مل جائے گا، ان کی ہدایت کے نام سے میں اس کا ادائیگی کی دشواری میں روز بروز اضافہ بھی کرتا رہوں گا۔

ہر کلنر کے مانند یکس اٹھائے ہوئے ہم سے ایک کم سن بچے کی فائنل واپسی کا تصور فرمائیے، ایکس نیز یہ رکھا جاتا ہے اور بڑے ترکہ و احتشام سے اس کو کھولا جاتا ہے۔ اب جو اس کی توقع کے خلاف سٹائی کے بدلے اس میں سے کائی یا دوائی کے کٹے پر عملدرستی سے چٹا ہوا ایک بھنورا، ایک ٹھنڈا کھانے کا ایک ٹکڑا یا بطور کے چند پھل، ایک نلغہ یا اسی قسم کی اور چیزیں نکلتی ہیں تو ایک زندہ دل جماعت کی منہسی اور منہسوں کی آوازیں تو اب تک مجھے تصور ہی تصور میں لطف اندوز کر رہی ہیں۔ دوسری مرتبہ تازہ سفیدی کے ہوئے کرے کی ایک دیوار پر ایک کھلونا اور چھوٹی سی چیز لٹکا دی جاتی ہے اور بچوں کو دیوار چھو کر بغیر اس کو اتار کر لانے کے لئے کہا جاتا ہے۔ پس جب کوئی بچہ اس چیز کو وہاں سے حاصل کر کے واپس ہوتا ہے اور اگر اس نے اس شرط کی پابندی کا خیال نہ کیا ہو تو ڈپٹی جو تے کی نوکے کوٹ کا دامن یا اس کی آستین پر ایک سفید چھوٹا سا نشان اس کی عدم ہدایت کی جھٹکی لٹکا دیتا ہے۔

ان کھیلوں کی روح ظاہر کر دینے کے لئے میرے خیال میں بہت کافی بلکہ اس سے بھی زائد ہے۔ اس پر بھی اگر آپ مجھ سے ہر بات کی تفصیل کے خواہش مند ہوں تو آپ میری اس کتاب کو پڑھئے ہی نہیں۔ اس طرز پر تعلیم پائے ہوئے بچے کو دوسروں پر کس قدر سبقت حاصل ہو گی، اس کے پاؤں اندھیرے میں بنانی چلنے اور اس کے ہاتھ آہستہ سے چھونے کے عادی ہوں گے تو وہ دونوں گہرے سے گہرے اندھیرے میں بھی اس کی نہ نائی کر سکیں گے۔ خام کے وقت بچپن کے کھیلوں میں محدود ہونے کی وجہ سے اس کا وہ یاں شکل ہی خوف و خطر کی جانب مبذول ہو سکے گا۔ اگر وہ منہسی سننے کا تصور یا اندھے کا تو وہ منہسی کسی جانے پہچانے دوست کی ہو گی مجنون ادوا ح کی نہیں ہو گی۔ اگر اس کے خیال میں لوگوں کے کسی مجمع کا تصور پیدا ہو گا تو وہ مجمع جادو گریزوں یا پھیل پیریوں کی عید کا نہیں ہو گا۔ بلکہ اس کے اتالیق کے کرے کی کسی قریب کا ہو گا، یہ رنگ ریلیاں صرف رات ہی میں یاد آتی ہیں، پس ان سے وہ کبھی خوف نہ کھائے گا۔

بلکہ بھائے خوف کے فرحت حاصل کرے گا۔ وہ فوج کے ساتھ یا بنا فوج کے ہر وقت لام کے لئے تیار رہے گا۔ وہ سال (SOUL) کے کمپ میں داخل ہو کر اپنا راستہ خود معلوم کرے گا اور جلا آہٹ کے شاہی ڈھیر سے تنک پہنچ جائے گا۔ اور پوشیدہ پوشیدہ ہی واپس آجائے گا۔ اگر رھیس (RHESUS) کے گھوڑے سر قذرا نے ہیں تو آپ اس کی ہمارت پر اعتماد کر سکتے ہیں کسی دوسری طرز پر قطعاً پائے ہوئے لوگوں میں خشکی ہی سے کوئی یولیس (ULYSSES) کے ۱۲۔

میں نے دیکھا ہے کہ لوگ بچوں کے دلوں سے اندھیرے کا خوف دور کرنے کے لئے انہیں مختلف طریقوں سے ڈراتے اور خوفزدہ کرتے ہیں، یہ طریقہ غیر مدبرانہ اور نہایت ہی خراب ہے، کیوں کہ اس کے اثرات خلاف توقع ہوتے ہیں جس سے بچے اور بھی زیادہ ڈرپوک اور بزدل بن جاتے ہیں۔ کسی وقتی خطرے سے جس کی اہمیت اور نوعیت سے ہم نا آشنا ہوں اور اچانک حادثات کے خوف سے مجھ کا ہم کو اکثر تجربہ ہو چکا ہو۔ نہ عقل بچا سکتی ہے، نہ عادت۔ تو آپ اس کا کس طرح یقین کر سکتے ہیں کہ آپ اپنے شاگرد کو ان حادثات سے محفوظ کر سکیں گے، میں تو سبکے بہتر یہی بات خیال کرتا ہوں کہ بچوں کو قبل از قبل ہی ان سے واقف اور آشنا کر دیا جائے، میں اسماعیل سے تو یہ کہہ دوں گا۔ ”دیکھو یہ معاملہ حفاظت خود اختیاری کا ہے، اور کیوں کہ حملہ آؤں کو یہ اطلاع نہیں دیتا ہے کہ وہ تم کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے یا محض خوف زدہ ہی کرنا چاہتا ہے۔ اور تم چوں کہ اس کے بس میں ہوتے ہو اس لئے بھاگ کر بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔ لہذا آدمی ہو یا جانور جو کچھ بھی اندھیرے میں تم پر حملہ آور ہو اس کا بہادری کے ساتھ مردانہ و اعتماد کرو، اس کو پکڑ کر اپنی پوری قوت سے کچل ڈالو۔ اگر وہ کشمکش کرے تو پوری طرح مارنے میں ہرگز کمی نہ کرو اور اس کا جو چی چاہے کہے یا کرے تم جب تک یہ نہ جان جاؤ کہ وہ کون اور کیسا ہے اس کو ہرگز مت چھوڑو، اس حرکت سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ قذرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن ایسے سلوک سے علی مذاق کرنے والا پھر کبھی ایسے مذاق کی جرات نہ کر سکے گا۔

اس شخص میں سے قوت لامسہ کو تقریباً ہر وقت استعمال میں رہتی ہے، لیکن جیسا کہ میں لامسہ بیان کر چکا ہوں دیگر حواس کی نسبت اس حواس کی قوت تمیز ناقص اور زیادہ کمی

ہم قی ہے کیوں کہ اس کے ساتھ ساتھ کھوں سے کام لینا بھی ضروری ہوتا ہے، یہ آنکھیں ایک چیز کو پہلے ہی دیکھ لیتی ہیں، اہل ہاتھ سے چھونے کے قبل ہی دماغ اس کے متعلق ہمیشہ فیصلہ کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس ہس کے فوری محض محدود ہونے کی وجہ سے موثر ترین تیز ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کی وسعت صرف ہاتھوں کی دسترس کے اندر ہونے کی وجہ سے یہ ہمارے دیگر حواس کے عاجزانہ فیصلوں کی تصحیح کر دیتا ہے جو ایسے امور کے متعلق ہوتے ہیں جن کو ہم شکل ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اور جو کچھ علم ہس کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں وہ کاٹا حاصل کر لیتے ہیں۔ علاوہ اس ہس ہتھوں کی قوت کو ہمارے بہا داد اعمال سے بھی متحد کر دیتی ہے۔ ہم ایک وقت ہس کے ذریعے حرارت جسامت اور شکل کے تصورات کا موازنہ کر کے اسے کثافت کے تصورات سے متحد کر دیتے ہیں پس ہس ہی وہ جس سے جو ہمارے جسم پر غیر اجسام کے تاثرات کو بہترین طریق پر ظاہر کر دیتی ہے۔ اور حفاظت خود اختیاری کا مطلوبہ علم ہمیں بالراستہ بخشتی ہے۔ سدھی سدھائی قوت لاسمہ چون کہ نظر کا بھی کام انجام دیتی ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ وہ سننے کا بھی کام.... نہ دے، اس لئے کہ آواز دار جام (گندہ وغیرہ) کی آوازوں والی نو (تھر تھر ہٹ) ہس کے ذریعہ محسوس کی جاسکتی ہے (CELL) ! جے پے ایک شخص بلا دیکھے یا سنے ہاتھ دیکھ کر محض لکڑی کی تھر تھر ہٹ کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے کہ آواز باریک ہے یا سوٹی اور یہ کہ وہ آواز پلینڈے سے نکل رہی ہے یا ستارے سے۔ پس اگر ہماری قوت لاسمان اختلافات میں تیز کرنی یکساں ہو جائے تو بلاشبہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ اس قدر ذکی افس ہو جائے گی کہ ہم ساکر سول کو انکی کے پوروں کے ذریعے سننے لگیں گے لیکن اس بات کو اگر ہم تسلیم کر لیں تو اس سے یہ امر ضرور نکلے گا دفاع ہو جاتا ہے کہ موسیقی کے ذریعہ ہم بہروں سے آسانی بات کر سکتے ہیں کیوں کہ الفاظ اور لفظ کے مقابلہ میں باقی عدد میں اور بجا نگت کے لئے سزا و تال بھی کچھ کم اہل نہیں ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی بطور غاصر گویائی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

بعض ایسے افعال ہیں جن سے قوت لاسمہ بالکل ماند پڑ کر مردہ ہو جاتی ہے اور بعض ایسے ہیں جن سے وہ تیز ہو کر نہایت لطیف اور ذکی بن جاتی ہے۔ اول والا کردہ ہیں جن میں محسوس اجسام کو ہر وقت محسوس کرتے رہنے کی وجہ سے ہم کو بھی زیادہ حرکت دینی پڑتی ہے۔ اور قوت بھی زیادہ صرف ہوتی ہے

اس لئے کمال سخت اور دھوٹی پڑ جاتی ہے اور خرامی احساس سے محروم ہو جاتی ہے، آخر اندک زدہ ہیں جو چٹکے اور متواتر اتصال کے باعث اس احساس میں تغیر و تبدل پیدا کرتے رہتے ہیں، اس لئے دماغ بار بار دو ٹپنے والے نقوش کی طرف متوجہ رہتا ہے، اور ان کے تغیرات کو جلد ہی تمیز کر لینا سیکھ جاتا ہے یہ امتیاز آلات موسیقی کے استعمال میں بین طود پر نمایاں ہوتا ہے، بڑی سارنگی (CELLO) رباب سارنگی (BASS VIOL) اور خود سارنگی (VIOLIN) اور اس کے گز کا پر مشقت اور سخت استعمال گوا بھلیوں میں تو بوج پیدا کر دیتا ہے، لیکن ان کے ہرول یا فوکوں کو بالکل سخت اور ٹھن کر دیتا ہے چنگ یا تار (HARAI CHARD) پرا بھلیوں کا لطیف اور صاف ستھرا استعمال ان کو چکدر اور ذکی احساس دونوں ہی بنا دیتا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے چنگ یا تار ہی کو ترجیح دینی چاہئے۔

کمال سار سے جسم کی حفاظت کرتی ہے، اس لئے یہ بہت ضروری امر ہے کہ ہوا کے اثرات کے خلاف اس کو سخت بنا دیا جائے تاکہ اس کے تغیرات کو وہ برداشت کر سکے، اس کے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک ہی کام کی غلامانہ انجام دہی کے ذریعہ ہاتھوں کو سخت اور کھردرا نہیں بنوانا چاہتا اور نہ ہاتھوں کی کمال کو ہی اس قدر سخت ہونا چاہئے کہ وہ اس لطیف قوت لامصہی سے محروم ہو جائے جو جسم کو ہر واقعہ سے باخبر اور اندام میرے میں لمس یا اتصال کے باعث بعض اوقات ہم کو مختلف طریقوں پر لرزہ پراں دلا کر دیتی ہے۔

میرے شاگرد کو ہمیشہ جوتے پہننے دینے پر بھلا کیوں مجبور کیا جائے۔ اگر بوقت ضرورت پاؤں کے تلوے ہی جوتے کا کام دے دیں تو اس میں کیا ہرج ہے! یہ تو مستحکم ہے کہ نازک کمال کسی حال میں بھی کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی ہے، اور یہ کہ بسا اوقات اس سے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے آدمی رات کے وقت گر کر اڑتے جاڑوں میں جب جنیوا والے دشمن کی آہٹ پا کر بیدار ہوئے تو جوتے کی بجائے انہوں نے فوراً ہی اپنے ہتھیار نہج بال لئے، بھلا یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر وہ ٹکے پاؤں چلنے پھرنے کے قابل نہ ہوتے تو ان کا شہر جنیوا فتنے ہونے سے بچ جاتا؟

آدمی کو پہلے غیر متوقع اور اتفاقی حادثات پھیلنے کے لئے تیار کر دینا چاہئے، بس کے باہر پہینے

اسٹیل کو ٹٹے پر۔ نیچے۔ مکان کے اندر باہر باغ میں غرض کہ ہر جگہ ٹنگے پاؤں پھرے گا تو میں ڈانٹوں
ڈپٹوں گا نہیں۔ بلکہ خود بھی اس کی اقتدا کروں گا۔ بس فقط اتنا ہی بندوبست رکھوں گا کہ کالج کے
ٹٹے ہوئے ٹکڑے اس کے راستے سے علیحدہ کر دوں۔ میں ابھی ابھی محنت یا زور اور دست کاری کے
پیشوں کا ذکر کروں گا۔ فی الحال اسٹیل کو ہر ایسی مشق کرنے دیجئے جو اس کی جسمانی پیرتی کو ابھارے اس کے
ہر پسلی پر آسانی اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا سیکھنے دیجئے۔ کوہنے اچھلنے، درختوں اور دیواروں پر
چڑھنے کی مشق کرنے دیجئے۔ اپنا توازن ہمیشہ اس کو خود قائم کرنے دیجئے، اور قبل اس کے کہ وہ علم فزیکس
اشیاء کے مضمین کی تشریح کرنا سکھے، اس کی جھڑکات و سکناٹ کو قوانین اور اوزان کا پابند کر دیجئے
اپنا قدم زمین پر جانے اور جسم کو پاؤں پر سہارنے کے ذریعے اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ٹھیک ٹھیک
کوڑا ہے یا غلط، آسان اور ہلکی چال ہمیشہ شاندار اور پر شوکت ہوتی ہے، پابدار ترین وضع ہی ہمیشہ
نفس اور دل پلن ہوتی ہے، اگر میں ناچ کا اتار دھوتا تو مارسل (MARCELS) کی ان بندہ نما عیادوں کے
استعمال سے بالکل ہی انکار کر دیتا جو محض ناکوں کے اسٹیج پر جہاں کہ وہ ادا کی جاتی ہیں دکھائی جانے کے لئے
زیادہ موندوں ہوتی ہیں میں تو اپنے شاگرد کو شکنا چکنا سکھانے کی بجائے کسی پہاڑ کی چٹان کے فاسن
میں لے جا کر یہ سکھاؤں گا کہ کسی ناہم وار و شور اور سیدھی ڈھلان کے راستے پر چلنے اور نیچے سے ادا پر
کسی ایک مقام سے دوسرے مقام پر چھلانگ مار کر پہنچنے کے لئے اپنا توازن کس طرح قائم رکھنا چاہئے
اور سر اور دھڑ کو کیوں کر سنبھالنا چاہئے۔ ادید کہ اس غرض کے لئے پہلے پاؤں اور پھر ہاتھ کس طرح رکھنا
چاہئے۔ اسٹیل کو چھلکی بکری کی نقل کرنی چاہئے۔ دھم ڈھاڑی کی نہیں۔

وقت لاسہ کا عملی دخل آدمی کے حصص ماحول متعلقہ ہی تاک محدود ہوتا ہے، اسی طرح خطر کی دست
باصرہ | ان حدود سے تجاوز کئے ہوئے ہوتی ہے، ادید ہی وجہ ہے کہ وہ خطر کو مخاطب میں ڈالتی اور
بٹکا دیتی ہے، ایک خطر میں آدمی نصف اوق تک دیکھ لیتا ہے، ان ایسا کی نقوش یا فکسوں یا ان کے بھر پور
ہوئے تخیلات کے هجوم میں گھر کر وہ وقت بے وقت کی غلطیوں سے کیوں کر غماطہ دے سکتا ہے، پس اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ جلد اس میں قوت بصری ہی ہماری سب سے زیادہ غیر معتبر حس ہوتی ہے اور یہ حصص اس لئے

کہ اس کے حدود وسیع ترین واقع ہوئے ہیں۔ دیگر حواسوں کی نسبت جس پائے کا کام کہیں پہلے انجام دینا شروع کر دیتی ہے، اور اس کا کام اس قدر ثواب اور بڑے پیمانہ کا ہوتا ہے کہ جلد دیگر حواس بھی اس کی مدد سے نہیں کر سکتے ہیں۔ علاوہ بریں اگر ہم فاصلہ معلوم کر کے ایک نقطہ کا دوسرے نقطہ سے مقابلہ کرنا چاہیں تو یہی فریب خطریاں ہمارے لئے لازم و ملزوم ہو جاتی ہیں۔ دور فاصلہ پر تشبیہات کے علاوہ ہم کو اور کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی ہے اور جسامت اور لمبوں کے مدارج قائم کئے بغیر ہم فاصلہ کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ دوسرے ہمارے لئے فاصلہ کا کوئی وجود یا حقیقت ہی نہ ہو گی، اگر وہ سخت ایک ایک سو گز کے فاصلہ پر اور دوسرے دس گز کے فاصلہ پر ایک ہی قدر قدامت کے نمایاں نظرائیں تو ہم ہی خیال کریں گے کہ وہ پہلو پہلو آگئے ہیں۔ اگر چیزوں کی صحیح لمبائی اور چوڑائی ہمیں ایک ہی مقام سے دکھائی دینے لگے تو ہم کو فاصلہ کا کوئی اندازہ ہی نہ ہو سکے گا کیوں کہ پھر ہر شے ہم کو ہماری آنکھوں کے قریب یا ہی دکھائی دینے لگے گی۔

ہماری نگاہ اور خشم مقصودہ کے مابین جو زاویہ قائم ہوتا ہے صرف اسی کے ذریعہ ہماری نظر سے مقصودہ کی جسامت اور فاصلہ کا اندازہ لگاتی ہے۔ اور کیوں کہ یہ زاویہ مشترک اسباب کا مسبب ہوتا ہے۔ اور ہم جس فاصلہ پر پہنچتے ہیں وہ ان مرکب اسباب کو متماثل نہیں کرتا ہے، اس لئے ہم غلطی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیوں کہ محض دیکھنے میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جس زاویہ سے مجھے ایک شے دوسری شے کی نسبت چھوٹی نظر آتی ہے وہ زاویہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ شے فی الواقع چھوٹی ہی ہے یا زیادہ فاصلہ پر ہے۔

اس جگہ ہم کو اپنی سابقہ کارروائی بالکل الٹ دینی ضروری ہے، اس احساس کو سہل بنانے کی بجائے ہمیشہ اس کو تقویت پہنچانی چاہئے، اور دوسرے حواس کے ذریعہ اس کی توثیق کرا لینی چاہئے۔ آنکھوں کے ہاتھوں کا ملمع بنائے، یا با بفاظ دیگر اول الذکر کی سرعت پر آخر الذکر کی لمبی اندر زیادہ معقول رفتار کا اندازہ لگائے کیوں کہ اس کی عدم ہدایت کے باعث ہمارا نظری اندازہ اور پائش بالکل غیر مکمل ہی رہتا ہے۔ بیک نظرم کسی شے کی لمبائی چوڑائی اور پائائی اور اس کے فاصلہ کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں۔ اور یہ واقعہ کہ انجیر سر دین۔ اور کیٹیکٹ سموار اور مسعودہ جو ایک ہی طرح دیکھ کر فاصلہ کا صحیح اندازہ لگانے کے قابل ہو جاتے ہیں اس امر کا ثبوت ہے کہ مقصودہ ہماری آنکھوں کا نہیں بلکہ ان کو استعمال کرنے کا ہوتا ہے، ان لوگوں کو ان کا

ترتیب و ہدایت بخشتا ہے جس کی ہم میں خامی رہتی ہے اور وہ نادیدہ مجاہد کے مشکوک نتائج کی تالیف کے متعلق ان تقریبات کے ذریعہ کر لیتے ہیں جو ناویہ متعلقہ کے ہر دعا یا باب کی وجہ کو ان کی نظر میں پیش کرتے ہیں، ان امور کی انجام دہی کے لئے بچہ ہر وقت کمر بستہ رہتا ہے، اس کو آزمائی کے ساتھ نہیں دیکھتے، فاصلہ نہ اپنے اور اس کو محسوس کر کے اندازہ لگانے کے لئے اس کی دل چسپی میں اضافہ کرنے کے بے شمار طریقے ہیں، مثلاً ایک بڑا اونچا بیری کا تخت لپیٹے، اس کے زیر کس طرح توڑ کر اکٹھے کرنا چاہئیں، کیا کھدیاں میں رکھی ہوئی میٹھی سے یہ مقصد پورا ہو سکے گا، یا ایک عریض اور چمڑا دار اس کے پرے کنارے پر کیوں کو بیٹھ جائیں، صحن میں جو تختہ رکھا ہے کیا وہ نالے کے اس کنارے سے کنارے تک پہنچنے کے لئے کافی ہو جائے گا، اپنے گھر کی گھر کی میں بیٹھ کر ہم ملحقہ کھانی میں سے یاں کچا کرنا چاہتے ہیں، ہم کو کس تبدیلی کی ضرورت ہو گی، میں دو درختوں کے پاس بھولا ڈالنا چاہتا تھا، کیا اس کے لئے باہر فٹ لمبی رسی کافی ہو جائے گی، ایک شخص کہتا ہے کہ اس کا نئے مکان کے کمرہ کا ۲۵ مربع فٹ ہے، کیا آپ کے خیال میں ہماری رہائش کے لئے وہ کمرہ کافی ہو سکے گا، اور کیا وہ اسے موجودہ کمرے کی نسبت زیادہ وسیع ہوگا، ہم کو بہت بھوک لگ رہی ہے، اسے دو تھپے بنائے رہے ہیں، کھانا کھانے کے لئے قریب تر ان میں کون سا ہوگا، وغیرہ وغیرہ

ستی کا ایک سبق ایک کامل الوجود اور سست بچے کو دوڑنا سکھانے کی ضرورت تھی۔ گو

اس کو کوئی دل چسپی نہ تھی، نہ معلوم کس طرح اس کے دل میں یہ خیال بس گیا تھا کہ اس کے منہ کے لئے شخص کے لئے نہ کچھ جاننے کی ضرورت ہے اور نہ... کوئی کام کرنے کی، یعنی اس کی نجات ہی کے ہاتھ پاؤں اور ہر بھلائی کے لئے کافی تھے۔ چیران (CHIRAN) کی فنی ہدایت بھی لازجان کو سبک پائیچلیز (ACHILLES) نہیں بنا سکتی تھی، کسی قسم کا حکم نہ دینے کے ارادے تھے اور بھی دشواری میں پھنسا دیا تھا، وعظ و نصیحت، تحریف، ترغیب و تنہیں یا کسی اور قسم کی شاہدیت دینے کے تمام حقوق سے میں مست کش ہو چکا تھا۔ اب فرمائیے کہ بغیر کہ اس میں مدد نہ کرنا

شوق میں کیوں کر پیدا کرنا؟ اگر میں خود دوڑنا شروع کروں تو ممکن ہے کہ وہ میری اقتدار کرتا علاوہ ازیں اس میں اور خرابیاں بھی موجود ہیں، اور مجھے ایسے ذرائع معلوم کرنے ضروری تھے کہ جن کی مشق کرانے سے میں اس کے ذہن اور جسم دونوں سے اکٹھا کام لینا سکھا سکتا، پس میں نے یا اس استاد نے جس نے پینڈیٹر میرے سامنے پیش کی حسب ذیل طریقہ عمل اختیار کیا۔

سہ پہر میں جب میں تفریح کے لئے اس کو باہر لے جایا کرتا تھا تو اکثر جمپ میں اس سے چند مرغوب ترین کیک رکھ لیا کرتا تھا، اور جب ہم باہر ہوتے تھے تو ہم میں سے ہر ایک، ایک ایک کھایا کرتا تھا، اور تفریح کے بعد ہم سنسی خوشی واپس آ جایا کرتے تھے، ایک دن اس نے دیکھا کہ میرے پاس تین کیک تھے، اس قسم کے وہ چھ کیک تک باسانی کھایا کرتا تھا، پس اس نے اپنے حصے کا کیک جلدی سے کھالیا اور مجھ سے دوسرا مانگنے لگا تو میں نے جواب دیا۔ نہیں میاں اس کو میں خود ہی کھا سکتا ہوں یا خیر دونوں میں تقسیم بھی کر سکتا ہوں۔ لیکن میرا ارادہ تھا اس کیک کے لئے ان دونوں چھوٹے چھوٹے بچوں کی دوڑ کرانے کا ہے۔ پس میں نے ان دونوں بچوں کو بلالیا۔ اور کیک دکھا کر ان کو ترغیب دی کہ وہ دونوں اس کو حاصل کرنے کے لئے مسابقت کی دوڑ دوڑیں جو آگے نکلے وہ اس کو لے لے، وہ دونوں یہ تیویر سن کر بڑے خوش ہوئے، ایک بڑے پتھر کی حد مقرر کر کے اس پر کیک رکھ دیا۔ اور دوڑنے کا مقام مقرر کر کے ہم دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے، میرے اشارہ کرتے ہی وہ دونوں دوڑ پڑے، اور جیتنے والے نے تاخایکوں اور شکست خوردہ رقیب کے سامنے ہی کیک حاصل کر کے بلا تکلف کھالیا۔

کھیل کیک سے زیادہ مزیدار تھا۔ لیکن اس کا فوری نہ کوئی اثر ہوا اور کوئی مفید نتیجہ برآمد ہوا۔ بہر حال میں بھی اس سے شکستہ دل نہ ہوا۔ اور نہ میں نے اس کے متعلق کسی جلدی سے کام لیا۔ حریت دینا یا علم سکھانا ایک ایسا سودا ہے کہ آدمی کو اس میں اپنا وقت ضائع کر کے ہی لطف اندوز ہونے کے قابل ہو جانا چاہئے۔ ہماری سہ پہری چل فنی بلا وقفہ برابر جاری رہی، کبھی ہم تین کیک لے جاتے تھے کبھی چار اور مسابقت کرنے والوں کے لئے وقتاً فوقتاً کبھی ایک ایک کیک بچتا تھا کبھی دو

گھوٹے والوں کے لئے انعام کوئی زیادہ ترغیب آمد نہ تھا لیکن جیتنے والے کا دل بہت بڑا پایا جاتا تھا اور خوب ثنایاں دی جاتی تھی۔ الغرض ہر کام بڑے بڑے توک و اقسام کے ساتھ انجام پاتا تھا، دودھ میں دل چسپی پیدا کرنے اور ناصلا میں دوست دینے کے لئے میں نے ایک طویل عرصہ نفلان زد کروایا تھا، چند جاگیردارانہ زمینیں کوہ و خال کر لیا تھا، ابھی یہ بچے دودھ پلنے والوں کی فرست میں شامل ہونے تھے کہ راستہ چلنے والے لمبی ناشہ دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اب نالیوں بجانے اور دودھ داخل مہا کر دل بڑھا سے ان کی مزید حوصلہ افزائی کی جانے لگی بعض افغان جبکہ کوئی کسی سے آگے نکلنے والا ہوتا تو میں شو شاگرد کو بھی جوش میں قرار دے دیتا تھا اور چلتا اور چلتا ہوتا دیکھتا تھا، اس کے لئے گویا اولیپک کی دو ٹول کا ایک نمونہ تھا۔

یہ مباحث کرنے والے ہر حال ہمیشہ دیانت داری سے کام نہ لیتے تھے، کبھی کوئی کسی کے کٹے آتا تھا کوئی کسی کو گمراہ دیتا تھا یا راستہ میں پتھر ڈال دیتا تھا، اس لئے جھکوا نہیں جدا جدا مقام سے دودھ لانا پڑتا کہ مقررہ مقام کے لئے وہ مختلف مقامات سے مساوی فاصلہ دودھ کر لے کر سکیں، اس رویے کا سبب آپ کو بہت جلد ابھی ظاہر ہو جائے گا، کیوں کہ مجھے اس اہم سادہ کی تفصیل بیان کرنی بہت ضروری ہے۔

محبوب نیکوں کو اس طرح آٹھوں کے سامنے روزانہ ہضم ہوتے ہوئے دیکھتے دیکھتے عاجز ہو کر کم سن صاحب زادے کے بیل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ نیز دودھ میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہے، اور یہ دیکھ کر کہ خدا نے اس کو بھی حد ثابت کر رکھا ہے اس لئے چپکے چپکے دودھ کی مشق شروع کر دی، جان بوجھ کر میں اس سے انجان رہا، لیکن یہ ضرور جان گیا کہ میری حکمت عملی اپنا کام کر رہی ہے، پس جب اس نے یہ اندازہ لگالیا کہ وہ بھی دودھ کے قابل ہو گیا ہے اور میرا بھی خیال ہو چکا تھا، تو اس نے مجھ سے پھر چھانڈ شروع کر دی کہ دوسرا انگ میں اس کو دیدوں میں اکا کر کیا تو اس نے مزید ہل کر کیا، اس پر بالآخر مجھ کو کہنے لگا۔ بہت اچھا آپ اس کو پھر پرہیز کر دیکھا اور دودھ کے فائدہ میں شریک ہو گیا۔ پھر دیکھ لیتا ہوں۔ میں نے بھی اس کو چھانڈ دیا، ابھی تھوڑے

دور درش سے تم کو بھوک تو خوب لگا آئے گی لیکن تم ایک نہ جیت سکو گے۔ میرا یہ قسم ہے۔
اے کچھ چھو سا گیا۔ اس نے دل کر دیا اور بآسانی انعام جیت لیا، اس لئے کہ میں نے اس کے
عاملہ بہت کم رکھا تھا اور یہ بھی خیال رکھا تھا کہ دوسرا تیز سے تیز دوڑتے والا بھی اس تک
پہلے نہ پہنچ سکے، پس ظاہر ہے کہ اس اعتماد کے بعد اس کو اس مشق میں مشغول رکھنا کوئی دشوار
کام نہ تھا، جلد ہی وہ اس در درش کا اس قدر دلدادہ ہو گیا کہ بلاادور عایت پڑے سے پڑے
تاکہ اس کی دوڑ میں بھی دیہاتی بچوں کو ہمیشہ ہرانے کا کامل یقین رکھنے لگا۔

اس خوبی کے حصول کے ساتھ ہی ساتھ ایک غیر متوقع دوسری خوبی کی بھی مزید وہ نمائی نہ گئی
جب تک وہ کبھی کبھار ہی انعام بیٹا کرتا تھا اپنے دیگر ہم چشموں کی طرح اس کو بذات خود ہی کھایا
کرتا تھا، لیکن جب وہ متواتر جھینٹے کا عادی ہو گیا تو وہ بڑا سخی اور بخیر رہ گیا، اور اکثر بارے ہوئے
صالحین کے ساتھ وہ انعام کی یک تقسیم کر کے کھانے لگا، اس چیز سے مجھے ایک اخلاقی سبق ہوتا
آگیا اور سخاوت کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی ہے۔

ومرلین - آفد - اس کی

قلہ ہر ۲

تعلیمی خدمات

تصاروہدی

لندن کی ایک عدالت صرف نو خیز مجرموں کے مقدمات کا ہی فیصلہ کرتی
 ہے۔ آج عدالت میں بڑی جہل پہل ہے۔ ملزموں کے کپڑے بیچ بیچ سالہ
 (T.M) کھڑا ہے، پیشانی پر بل بجوئیں سکاڑی ہوئیں۔ آنکھیں فرش کی طرف اور جسم اکڑا ہوا
 ہے کہ روئیں روئیں سے نفرت ٹپک رہی ہے، سامنے ایک طرف پولیس افسر ایک ایک
 کے اس کے جرائم گناہ ہے ہیں، فلاں دوکان سے مال چوری کیا۔ فلاں مکان میں گھس گیا۔
 ان فلاں چیزیں برباد کیں اور آخرات کو ایک تالا توڑتے ہوئے گرفتار ہوا۔ دوسری طرف
 کے ہاتھوں لئے ہوئے دوکان والہ فریاد کر رہے ہیں، ایک طرف ایک ڈبلی تیلی کمرہ دسی
 رت کھڑی ہے، چہرے پر مایوسی جسم میں کپکپی اور آنکھوں میں آنسو، یہ ٹم کی بد نصیب
 ل ہے۔ دودھ کریمے کی بے مار دوی کی تصدیق کر رہی ہے، ادھر آخر میں ٹم کو کسی اصلاحی ادارے
 ل بھیجنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔

بچوں کی نفسیات کا مطالعہ ہومرلین کا محبوب مشغلہ تھا، یہ شوق کبھی کبھی اسے بچوں کی عدالت
 ل بھیج لایا کرتا تھا، آج بھی ہومرلین عدالت میں ٹم کا مقدمہ سن رہا تھا، لہذا مجسٹریٹ نے ٹم کو
 ہومرلین کے حوالہ کر دیا، تاکہ بچوں کی دولت مشترکہ میں داخل کر کے اس کی اصلاح کی جائے۔
 اسی عدالت کے بتلی کرہ میں ایک کرسی پر ہومرلین بیٹھا ہے، سامنے ٹم اسی شان چٹا رہا
 ہے ساتھ نفرت کے جذبے سے بھر پور کھڑا ہے۔ ایک طرف بد نصیب مال شدت غم سے گنگ

ٹھکی بات سے ہمدرد کو دیکھ رہی ہے۔ ہمدرد نے آؤ کر ایک پونڈ کا سکڑے کے ہاتھ پر رکھا اور کہا۔

ادھر سنا اس وقت اپنی ماں کو گھر لے جاؤ۔ کل اسکول چلے آنا۔ بس اور شاٹ (EVERSHOT) کا نام یاد رکھنا۔ یہاں سے ایک گاڑی ٹونجے جاتی ہے اور دوسری ایک بجے اگر ایک بجے کی گاڑی سے آؤ گے تو میں بھی تمہیں اسٹیشن پر مل جاؤں گا، افسوس دونوں ایک ساتھ اسکول چلیں گے۔ اور اگر نو بجے کی گاڑی سے جانے کا اتفاق ہو تو اسکول کا راستہ دریافت کر لینا۔

کیا خیال ہے آپ کا؟ یہ بظاہر عادی مجرم لڑکا پولیس اور ہمدرد کے بیچ سے بھل کر کسی دکان کا تالا توڑنے پہنچ گیا ہو گا، یا بچوں کی دولت مشترکہ گیا ہو گا، جی ہاں ٹم دوسرے دن اسکول گیا اور ہمیشہ کے لئے تالا توڑنے سے توبہ کر کے گیا۔ ایک بجے کی گاڑی سے سکرٹا ہوا اترا اور بڑی گرم جوشی سے ہمدرد سے ملا، صرف یہی نہیں بلکہ ٹکٹ سے بچے ہوئے پیسے بھی ہمدرد کو واپس کر دیئے، آخر یہ کیا تماشہ تھا، اس درجہ مجرا اہل کار کا چہرہ منٹ میں کیوں کر راہ راست پر آ گیا، بات صرف اس قدر ہے کہ شروع شروع میں سخت گیر باپ نے بچے کو راہ راست پر رکھنے کے لئے اور پھر پولیس نے راہ راست پر لانے کے لئے طاقت اور خوف کا استعمال کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بچے کے دل میں طاقت کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اؤ اس جذبے کی تسکین کے لئے وہ تخریبی افعال پہ اتر آیا، چونکہ لڑکے کو سزا اور طاقت کے استعمال سے تنایا گیا تھا، لہذا اپنے جذبہ انتقام کو تسکین دینے کے لئے دوسروں کے شانے میں لے لذت محسوس ہونے لگی۔ یہ تھی اس کی مجرمانہ حرکات کی بنیاد، اس کی سماج دشمن حرکات کا یہ اثر ہوا کہ ہر شخص نے لڑکے پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیا، لہذا اس کی نفرت کا جذبہ سخت سے سخت ہو گیا، ہمدرد نے صرف ایک موڑ اور بد وقت تذبذب سے اسے صبح طرز عمل اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا۔

عدالت کے بنی کرے میں ہومرین کے ساتھ ٹیم دل میں یہ یقین لئے ہوئے کمر اٹھا کر اس شخص کا طرز عمل بھی دوسرے لوگوں سے کچھ مختلف نہ ہوا، یہ جبراً اپنے ساتھ اسکول لے جانے کا اور وہاں اس کا سلوک بھی اٹکنا نہ ہو گا، یہی وجہ تھی کہ وہ ہومرین سے بھی متغیر نظر آتا تھا مگر رڈ کے کی امید کے خلاف ہومرین نے مکمل اعتماد اور ہمدردی کا مظاہرہ کر کے رڈ کے کی وہ حالت کر دی جو ایسے شخص کی ہوتی ہے جو پوری طاقت سے کسی کو کھینچ رہا ہو اور دم مقابل دوسرا سرا چھوڑ دے، رڈ کا سخت رویہ کے مقابلے کے لئے آمادہ تھا مگر ہومرین نے حد درجہ نرمی کا مظاہرہ کیا تو رڈ کا خود اپنی طاقت کے جھونک میں چاروں شانے چت گرا، اور اس کی نفرت کا خول پھوٹ کر ہو گیا، ہومرین سمجھ چکا تھا کہ رڈ کا بیرونی اقتدار کا باغی ہو چکا ہے، لہذا ضرورت ہے کہ خدا اس اندر چھپے ہوئے اقتدار کے سامنے اسے جھکنے پر مجبور کیا جائے، نتیجہ یہ نکلا کہ بیرونی دباؤ ہٹ جانے کے بعد اس کا اندرونی اقتدار ابھرا آیا اور خود اس کے ضمیر نے اس کو اسکول جانے پر مجبور کر دیا

بج۔ ۱۔ "لڑم کا کیا جرم ہے؟ اسے عدالت کے سامنے کیوں پیش

تعلیمی احساس مگتری کیا گیا ہے؟

ادارہ کی عکراں (MATRON) :- محترم رات کے سوا گیارہ بجے لڑم کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی، حالانکہ دولت مشترکہ کا قانون یہ ہے کہ رات کے دس بجے کے بعد کسی کمرے میں روشنی نہ ہو۔ لڑم نے صریحی قانون شکنی کی ہے۔ لہذا مناسب سزا کا مستحق ہے؟

بج لڑم سے :- "جری (JERRY) تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے، تم اتنی رات گئے کیا کر رہے تھے؟

جری (لڑم) محترم میں حساب کے کچھ سوالات حل کر رہا تھا، میں سوالات میں اتنا محو ہو گیا کہ وقت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ میں نے عدالت قانون شکنی نہیں کی ہے۔ ابھی لڑم کے پورے الفاظ بھی ادا نہ ہوئے تھے کہ عدالت کے ایک گروہ سے قہقہہ بلند ہوا۔ لڑم نے قہر آمیز نظروں سے قہقہہ لگانے والے کو دیکھا اور بج نے فاشا۔ خاموش، حاضرین کی نظریں ہنسنے والے کی تلاش میں

مدرسہ کے ایک اور عظیم کارکنان میں تھا جو اپنی نامناسب حرکت پر پشیمان نظر آ رہا تھا یہ تھا ہومر لین دولت مشترکہ کا مہتمم، سچ ادا سے کا ایک چودہ سالہ طالب تھا۔ اور ہومر لین کا ایک تیز سالہ طالب علم جس کا نام جری تھا۔

دولت مشترکہ میں داخل ہونے سے قبل جری کمرہ طلبہ کے ایک مدرسے کا طالب علم تھا۔ کچھ پڑھنے سے سخت بیزار اور مدد سے متفرق، جب بھی موقع ملتا اسکول سے بھاگ چلتا، مسلسل سڑائیں دی گئیں۔ مگر یہ خوف بد پختہ سے پختہ تر ہوتی گئی، جب اصلاح کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو بچوں کی دولت مشترکہ میں داخل کر دیا گیا، جری دولت مشترکہ کے لئے عجیب دلچسپ مہم تھا، زندہ دل۔ بدلہ سنجیکہلوں میں دولت مشترکہ کی روح گروں اور دشمنی کا صرف شائق ہی نہیں بلکہ کام میں جدت پسند اور پختہ کار، مگر جب مدرسے کے کمرہ میں داخل ہوتا تو اس کی جدت پسندی اور زندہ دلی رخصت ہو جاتی، پسینہ آنے لگتا، جب استاد کچھ کہتا تو کھٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا، کتاب کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا، مگر اس کی سمجھ میں خاک نہ آتا، خاص طور سے حساب میں سفر تھا، معمولی سے معمولی سوال بھی اس کی دسترس سے باہر تھا، ادا سے کے استاد ہمت ہار چکے تھے، ہومر لین کی متفرد کوششیں بھی رانگلاں ہو چکی تھیں، مگر ایک معمولی واقعے سے ہومر لین کو اس کا علاج سوچا ہی گیا۔

ایک دن جری ہومر لین کے کمرے میں داخل ہوا۔ آنکھوں میں چمک، چہرہ شگفتہ اور ہنسنے والا، فاتحانہ مسکراہٹ۔ بڑی بے تکلفی سے بولا:

درا مشترکہ کمرہ (COMMON ROOM) تک چلے، میں آپ کو ایک تاشہ دکھاؤں، بچے نے ہومر لین کو ایک میز کے سامنے کھڑا کر دیا، میز پر ایک مہم کھلا پڑا تھا، مہم خاصا مشکل تھا، مگر ہر مہم ٹیک ٹیک اپنی جگہ پر تھا، جری نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا۔

اتانی سربراہ کر عاجز آ گئی۔ مگر ہرے درست نہ کر سکی، میں نے پورا ایک گھنٹہ صرف کر کے اس کو حل کر دیا ہے۔

ہومرلین یہ دیکھ کر ہر فلک اٹھا، اس لئے کہ جری کے ملاج کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا۔ اپنے کمرے میں واپس آ کر انسانی کو بلایا اور رتبے کا ایک معمولی سوال دے کر ہدایت کی کہ یہ سوال تعلیم کے دعووں میں جری کو دیا جائے اظہار ہے کہ وہ حل نہ کر سکے گا، اس صورت میں اسے کچھ اس انداز سے ہومرلین کے پاس روانہ کر دیا جائے جیسے سزا کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔

جیسا خیال تھا وہی ہوا، دوسرے دن جری سوال لئے ہومرلین کے کمرے میں داخل ہوا ہومرلین خلاف معمول بڑی سختی سے پیش آیا، سوال دیکھ کر بولا:

تم اتنے بڑے ہو کر اتنا معمولی سوال نہیں حل کر سکتے؟ دیکھو ابھی ابھی میں اس سوال کو زبانی حل کر کے تمہیں شرمندہ کرتا ہوں۔

سوال حل کرنا شروع کیا تو عہداً ٹھوکریں کھانا شروع کیں، ہومرلین کا حال دیکھ کر لڑکے کو دل چسپی پیدا ہوئی، جب سوال زبانی حل نہ ہو سکا تو ہومرلین نے فیصل اور کاغذ اٹھالیا، پھر بھی ایسی کھلی کھلی غلطیاں کرنے لگا، جن پر لڑکے نے اسے نوکنا شروع کیا۔ آخر ہومرلین نے بڑے اضطراب کا اظہار کیا، اب وہ ہر دھڑ دیکھ کر بولا:

دیکھو مجھے یاد ہی نہیں رہا، میرا گھوٹا بیبا رہا، مجھے اس کے متعلق معلوم کرنا ہے تم خواہ مخواہ میرا وقت خراب کر رہے ہو۔ لے جاؤ اپنا سوال ادب اب کبھی اس طرح میرا وقت خراب کرنے مت آنا لڑکائی سن کر مسکرایا، ہومرلین تو باہر نکل گیا۔ مگر لڑکے کو تنہا ہو گیا کہ گھوڑے کی پیادہ یعنی ہانہ تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف یہ سوال جری نے حل کر لیا بلکہ حساب میں اس کی دل چسپی کا یہ حال ہوئی کہ رات کے سو اگیارہ بجے تک سوال حل کرتا رہتا تھا، اسی کامیابی کا نتیجہ تھا کہ ہومرلین شہری حالت میں اپنی طبیعت ضبط کر سکا۔

جری کو اسکول سے اس لئے نہیں نفرت تھی کہ وہ پڑھ نہیں سکتا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ تھا کہ وہ اس لئے نہیں پڑھ سکتا تھا کہ اسے مسلسل سزاؤں کی وجہ سے اسکول سے نفرت ہو گئی تھی، اسی وجہ سے جماعت کے کمرے میں اس کا داغ بال بے کار ہو جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیمی معاملے میں

اسے کئی طرح احساس کتری پیدا ہو گیا، خاص طور سے حساب کے معاملہ میں اپنی بے بسی کا بڑی طرح احساس ہو گیا، جب تک یہ احساس دودھ نہ کیا جاتا اس وقت تک اس کی اصلاح ناممکن تھی، مرض کافی پانا اور سخت تھا، پرانے مرض کا کامیاب علاج اسی صورت میں ممکن ہے جب پہلے عرض کیا، پھر دے طور سے ابھار دیا جائے، اور پھر مرض کی بیخ کنی کے لئے پوری طاقت کی عوامی جائے اسی لئے ہومرلین نے ابتداء میں وہ طرز عمل اختیار کیا جس سے لڑکے کا احساس کم تر می پوری پوری شدت سے ابھر گیا، اس کو شرمندہ کیا اور نااہل بتایا اور پھر جب خود حل کرنے میں ناکام رہا تو ایسی ایسی غلطیاں کیں جن سے لڑکے کی منزل بھی پہنچ گئی، اس طرح رفتہ رفتہ لڑکے کو یہ احساس دلایا کہ وہ ہومرلین سے بہتر جانتا ہے، آخر میں کچھ اس انداز میں پسپائی اختیار کی کہ لڑکے کو اپنی بات کے اظہار پر پورے طور سے آمادہ کر دیا، چنانچہ لڑکے کا احساس کم تر می ختم ہو گیا۔ اب اس کی ماہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی، لہذا اس کی اہلی ملا حینیں بروئے کار آ گئیں اور جس کام کو وہ اپنے بس کی بات نہیں سمجھ رہا تھا اسی میں اسے دل چسپی پیدا ہو گئی۔

مذکورہ چند واقعات سے آپ نے اندازہ فرمایا ہو گا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کتنا اہم مسئلہ ہے مگر ایک قدم فلٹا کر جاتا ہے تو اکثر حالات میں اس کا خیال نہ بچے کو عمر بھر بھگتنا پڑتا ہے حقیقت میں بچے کی شخصیت اس طرح لپٹی پٹائی ہوتی ہے جس طرح ریشم کے کیڑے کے لپیٹے ہوئے تار۔ یاد ہر ان کا کونسا بہت آسان مگر حقیقت میں بہت مشکل، اگر ریشم خام کسی ہنرمند کے ہاتھوں میں پڑتا ہے تو اس کی چست اور نرم اٹھکیاں ایک ایک تار کھول کر لجا دی جاتی ہیں، جب یہی ریشم خام ایسے ہاتھوں میں پہنچتا ہے جو پورے طور سے اس فن کا ماہر نہیں تو کچھ تار سلجھ جاتے ہیں اور کچھ الجھ جاتے ہیں، اس طرح ریشم کی کافی بھیج جاتی ہے، لیکن بد قسمتی سے اگر یہی ریشم کسی انارٹھی کے ہاتھوں میں پڑتا ہے تو اس کے کھر دے اندر نرم و نازک تاروں کو اس طرح الجھا دیتے ہیں کہ جلا کر زخم میں بہنے کے علاوہ وہ کسی اور مصرف کا نہیں رہتا، یہی حال بچے کا ہے، اگر بچہ کسی نااہل مربی کے چنگل میں پھنس جاتا ہے تو مربی کی نااہلی بچے کی صلاحیتوں کا مکمل گھونٹ کر اسے مٹا کر دے دیتا ہے۔

نذاب بنا دیتا ہے، بصورت دیگر اگر کوئی بچہ کسی نیم حکیم کا تختہ مشق بنتا ہے تو اس کی بعض صلاحیتیں
 پس پھر گرتا ہوا جاتی ہیں اور صرف چند صلاحیتیں ابھرنے پاتی ہیں، البتہ اگر خوش قسمتی سے کوئی مکمل
 مربی مل جاتا ہے تو بچے کی شخصیت کے نازک سے نازک تار کو بھی اس طرح سلجھا دیتا ہے کہ
 اس کی معمولی سے معمولی صلاحیت بھی ننا نہیں ہونے پاتی، لہذا اگر کسی کے دل میں باپ یا استاد
 بننے کا شوق ہے تو بچے کی نفیات اور بچے کی صحیح تربیت کے متعلق معلومات بہم پہنچانا بھی اس کا
 فرض اولین ہے +

تعلیمی دنیا پر ایک منظر

پیشہ ورانہ تعلیم

پچھلے دنوں جمہوریہ آئرلینڈ کے وزیر معارف نے کان ادا بال برکین میں قومی تعلیمی اداروں کا افتتاح کیا۔ ان اداروں کے افتتاح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آئرلینڈ میں پیشہ ورانہ تعلیمی تعلیم کافی فروغ پا رہی ہے۔ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۱ء تک پیشہ ورانہ اداروں سے کھل چکے ہیں لیکن پھر بھی مزید اداروں کی مانگ بڑھ رہی ہے، اس بڑھتی ہوئی مانگ کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں سے چار مہسوں کی تعمیر میں لوگوں نے رضا کارانہ طور پر کام کیا۔ ۱۹۹۰ء میں پیشہ ورانہ تعلیمی ایکٹ منظور ہوا اور اس سال سے اس ملک میں پیشہ ورانہ تعلیم کو بھی فروغ ملنا شروع ہوا، اس سے پہلے ۱۹۹۰ء میں پیشہ ورانہ اداروں کی تعمیر و تجدید کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی تھی، اس ایکٹ نے اس کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے اس مہم کے مدارس کو نئی زندگی اور نیا رنگ و پختہ چنانچہ پیشہ ورانہ تعلیم کو پھیلانے کے لئے اس ایکٹ کے مطابق پیشہ ورانہ تعلیمی انجمنیں قائم ہوئیں، ان انجمنوں کا کام ان اداروں کو نظم و نسق اور ان کی مالیات کو دیکھنا ہے، اس کے علاوہ ان کا کام طلباء کے لئے حساب مقرر کرنا بھی ہے، اس قانون کی دوسری ذریعہ معارف کو یہ بھی اختیار ہے کہ تعلیم مزید کو جاری رکھنے کے لئے ۴ سال سے ۱۶ سال کی عمر کے بچوں کے لئے جو کسی منظورشہ مدر سے میں موجود ہوں اسے لازمی قرار دے سکتا ہے۔

۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۱ء تک اس ملک میں ۱۲۴ پیشہ ورانہ مدارس قائم ہوئے جن کی تعمیر میں ۴۸۲۵۵،۸۰ پونڈ لاگت آئی، ان میں سے بعض مدارس تین یا چار کمروں پر مشتمل تھے جن کی تعمیر میں ۲۵۰۰ پونڈ سے ۵۰۰ پونڈ صرف ہوئے، قصبوں اور شہروں میں ان مدارس سے کہیں زیادہ بڑے

دوں کی فرہیت ہے، اس قانون کی رو سے جو نئے اچھے اداکار ہند سے تیسرے تھے ان میں سے
 ایک کا ایک ایک آٹ کانس اینڈ ٹو میک سائٹس (گھریلو سائٹس) اور اقتصادیات کا ادارہ) اور
 دوسرا ڈبلن کا میری ڈو میک سائٹس کالج ہے، ان دونوں کالجوں کی تعمیر میں علی المرتیبا
 اینڈ آف اپنڈ مرٹ ہوئے۔

قبضوں اور شہروں میں ٹریڈ یونین اور آجریں کے تعاون سے کارآمدی کی تربیت کا انتظام
 بھی کیا گیا، ڈبلن میں اس طرح فن تعمیر چھپائی، گھریلو سازی جیسے پیشوں کی تربیت کا اہتمام ہوتا
 ہے۔ علاوہ میں جہان لانی کی تربیت کا ایک مخصوص کورس ہوتا ہے، اداکارک میں بھری انجینئرنگ کی
 تربیت دی جاتی ہے اور بعض مقامات پر تو شکر سازی کے کارخانوں اور بجلی کے محلوں میں کارآمدی
 کی تربیت دی جاتی ہے، ۱۹۴۸ء میں طلباء کی مجموعی تعداد جو مختلف پیشوں کی تربیت میں شامل
 ہوئی ۸۰۹۶۲ تھی

تعلیمی آزادی

برلن کے تعلیمی سینٹر ڈاکٹر ٹائی برٹس کا یہ اعلان کہ وہ یونیورسٹی کے متعلق اپنے مجوزہ سوالاتوں کو
 اپنے پس منظر میں رکھ کر کالج اور فری یونیورسٹی کی بہت بڑی جیت ہے، اس مجوزہ قانون کا مقصد برلن
 ٹیکنیکل کالج اور فری یونیورسٹی کی آزادی کو محدود کر دینا تھا، اس اقدام سے انہوں نے میونسپل کالج پشین
 کے حکام کو تعلیمی اداکاروں کے اندرونی نظم و نسق اداکار کے نظام کار میں دخل دینے سے روک دیا۔
 ڈاکٹر ٹائی برٹس کا خیال ہے کہ نازیوں کے عہد اقتدار اور دوسراں جنگ میں یہ پرائیویٹ کالج
 اپنے انتظام و انصرام میں کچھ بے راہ سا ہو گیا ہے، اس لئے اس کی بے قاعدگی کو دور کرنا ضروری ہے
 ۱۹۴۸ء میں حالات کچھ ایسے ہنگامہ خیز تھے کہ فری یونیورسٹی کو غیر معمولی طور پر آزاد پبلک کالج
 کا درجہ حاصل ہو گیا، حال چومینٹر طور صوف نے اس کے نظام کار کا نہایت مرتب و نظم کرنے کے لئے
 یہ سوچ قانون پیش کیا، اس سے ان اداکاروں کو کوئی حاسن نہ رہا، یہو پتا، لیکن ڈاکٹر ٹائی برٹس
 اداکار کے پاس کچھ بے راہ انتظام حاصل ہو جاتا، اس لئے اس کے حصول کے لئے وہ ایک

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر ٹائی برٹس نے اسے محسوس کر لیا اور اس میں
 فری یونیورسٹی کو کچھ اتنی کوششیں نہیں کرنی پڑیں۔ فری یونیورسٹی کی حقیقت اس علاقے میں
 مغربی انکادونیالٹ کی مانند ہے اور وہی ملنے کی ہم بڑی بڑی ورکشاپ کا بدلہ سمجھا جاتی ہے، قدیم
 میکینیکل کالج نے اس جدید ادارے کا اثر قبول کر لیا اور وہوں کے ریکٹر نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا
 کہ یونیورسٹی کے متعلق جو مسودہ قانون پیش ہونے والا ہے ہمارے لئے اہل اور غیر ضروری ہے۔
 ہن میں جو کچھ شروع ہوا وہ وہیں ختم ہو جاتا، اگر مغربی جرمنی کے مقامی حکام متعلقہ زمین
 اس وقت ہیڈل برگ، فرانک برگ اور توہن جن یونیورسٹیوں میں اساتذہ کے تقرر میں براہ راست دخل
 دینا شروع نہ کر دیتے، ان اداروں نے حکام کے اس رویے کے خلاف احتجاج ہی نہیں، اس کا مقابلہ
 بھی کیا ان کے سامنے ہن کی مثال تھی اور اس مثال سے ہی ان میں اتنی تاب مقاومت بھی پیدا ہو گئی۔
 ڈاکٹر ٹائی برٹس نے جو کچھ لکھا اور اس سے جو اہر سہا پہل ہوئیں، وہ دور دور تک پھیل گئیں
 اور یہ اسی لہر کے اثرات ہیں کہ یونیورسٹی ریکٹر کی کانگریس کے ایجنڈے پر سب سے پہلی چیز
 یونیورسٹی اور حکومت کے تعلقات اور ان کے اختیارات کا مسئلہ ہے۔ ان ریکٹر نے ہن میں
 حکومت کے اس اقدام کی مذمت کی اور کہا کہ حکومت یونیورسٹیوں کو مزید زیر دست بنانے کی
 کوشش نہ کرے، اور یونیورسٹیوں کو جو آزادی تنظیمی چارٹر کی رو سے میسر ہے ان سے نہ چھینی جائے۔
 ریکٹر کانگریس میں مغربی جرمنی اور ہن کی مختلف یونیورسٹیوں کے نمائندے موجود تھے، یہاں
 جو کچھ طے ہوا اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا، ڈاکٹر ٹائی برٹس کا مسودہ قانون کو واپس لینے کا اقدام بھی
 ہایت مستحسن ہے، اور اس سلسلے میں انہوں نے ایک مخصوص بیان بھی دیا اس میں انہوں نے اس
 امر کا اظہار کیا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز پیش کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جسے یونیورسٹی کے نمائندوں
 نے پہلے منظور نہ کر لیا ہو، حتیٰ کہ طلبہ کی جماعتوں نے بھی اسے اپنا لیا ہے۔

دریں کی کمی

مددے اؤس ٹرنینگ کالج، یڈن برا کے ناظم تعلیمات، ڈاکٹر اٹھلیس ایڈن باغیانی، تنظیمی کمیٹی کا

خواستہ ایک یا دو داشت مرتب کی ہے جن میں ایسے امور کا ذکر ہے جن کا پیشے سے براہ راست تعلق ہے۔ اس میں موجودہ اساتذہ کی کمی کو بھی اٹھا میں رکھا گیا ہے۔

اس یادداشت کی رو سے محکمہ تعلیم کے ملازمین کے حالات اور ان کی ملازمتوں کے متعلق تحقیقات ردی سمجھی گئی ہے، یہ درست ہے کہ درس و تدریس کے سلسلے میں بہت سی ایسی باتیں پیدا ہو گئی ہیں جن سے اس پیشے کی جاویدیت کم ہوتی جاتی ہے، پچھلے چند سال سے فوجیوں کو اور دوسری ازمتیں مل جاتی ہیں اس لئے مذہبی کے پیشے کی طرف لوگ کم توجہ دیتے ہیں اور فوجیوں کے ہی مخصوص گروہ سے اساتذہ کا تقرر ہوتا تھا، اس سے پہلے دوسری ملازمتوں کی نیت فوجیوں کو اس پیشے میں کچھ نیکہ فائدہ حاصل تھے، لیکن موجودہ سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے ان میں یا تو کمی ردی گئی ہے یا انہیں بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔

اس یادداشت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موجودہ تعلیمی اور مذہبی ترقیوں نے معلم اور معلم کے جذبہ خود کاری کو محدود کر دیا ہے، مدرسے کی انفرادیت کو ختم کر دیا گیا ہے اور اس کی بجائے اب ایک یا نظام تعلیم منظم عام پڑ گیا ہے، اس نئے نظام میں یا تو پورے ملک یا پورے شہر کے لئے ایک ہی نظام اور ایک ہی طریق کام ہوتا ہے اور یہ مدرسے نام تعلیمات اور محکمے کے دوسرے افسروں کی تجویزوں کے مطابق اور ان کے مشوروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کام کرتے ہیں، ایسے نظام کا میں بھی صلاحیتوں کو بڑھانے کا لائحہ کار تیار نہیں کیا۔ مدرسین کو بالعموم یہ شکایت رہتی ہے کہ انہیں ایک نہیں بلکہ بیسیوں آقاؤں سے سابقہ پڑتا ہے ابتدائی مدارس میں مخصوص مضامین کے گھروں کے تقرر میں معتد بہ اضافہ، جماعت میں مدرس کے کام کو بے وقیع کر دیتا ہے، اس سے کام میں تعلق اور جمود پیدا ہو جاتا ہے، اس نظام کو زیر اثر اس کے خطرات روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔

اس یادداشت میں مدرسین کے معیار، ان کی فراہمی اور ملازمت کی شرائط کے متعلق بھی تفصیلات موجود ہیں، اور یہ غمید کیا گیا ہے۔ اس یادداشت کو مرکزی عاملہ اور صوبائی انجمنوں کے پاس ان کے متفقہ مشورے کے لئے بھیجا جائے گا۔

سرکاری جریہ کے اعلانات

نید- ۱۸/۱۸ گورنر پنجاب سکسٹھ ایس۔ ایم۔ خریف۔ ایم۔ اے (کیٹب) ناظم تعلیمات پنجاب اور
۲۰ اپریل ۱۹۵۵ سیکریٹری شعبہ تعلیمات حکومت پنجاب کو یونیس کوئی مجلس عاظمہ میں شرکت کی اجازت و حجت
فرمائی۔ مجلس عاظمہ کی میٹنگ پیرس میں منعقد ہوگی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ سے ۲۵ اپریل ۱۹۵۵
تک کارآمد سرکاری کام کی انجام دہی میں ٹھاکا کیا جائے گا۔

جناب ایس۔ ایم۔ خریف کی مدد موجودگی میں میاں سراج الدین بی۔ اے۔ بی۔ اے (آکس
بی۔ ای۔ ایس۔ دوم اول (سیکٹ) گریڈ) بحیثیت ناظم تعلیمات پنجاب اور سیکریٹری شعبہ تعلیمات
حکومت پنجاب کام کریں گے۔

جناب ایس۔ ایم۔ خریف ۵ اپریل ۱۹۵۵ کو کراچی میں ہوں گے اور وہیں سے بعد دوپہر
وہ اپنے محلہ کا چارج دے دیں گے۔

نید- ۲۵/۵۵ محمد زینب نے م۔ ایم۔ اے۔ مخدومی ایم۔ اے۔ ایم۔ ایڈ (ایڈز) انپیکٹر ٹریننگ انسٹی ٹیوشن
۲۸ اپریل ۱۹۵۵ پنجاب کربادہ دن کی رخصت م حجت فرمائی اور ۳۰ اپریل سے ۲۰ اپریل تک قصہ کشا رہے گی
طبی رخصت ملاقاتی۔

م۔ ثناء اللہ خاں ایم۔ اے۔ پی۔ ای۔ ایس۔ (دوم) افسر بکار خاص دفتر ناظم تعلیمات پنجاب
کو پی۔ ای۔ ایس (اول) میں (بشمارہ) ۳۵۰ - ۲۰ - ۵۰۰ - ۴۰ / ۵۰۰ - ۹۵۰ - ۵۰۰ - ۱۰۰۰
ترقی ملی اور وہ یکم اپریل ۱۹۵۵ تا ۳۰ اپریل ۱۹۵۵ م۔ ایم۔ اے۔ مخدومی کی جگہ قائم مقام
انپیکٹر ٹریننگ انسٹی ٹیوشن کے کام کریں گے۔

ایس۔ شبیر حسین ایم۔ اے۔ پی۔ ای۔ ایس۔ دوم ڈسٹرکٹ انپیکٹر اسکول و کالجز
بحیثیت افسر بکار خاص دفتر ناظم تعلیمات پنجاب م۔ ثناء اللہ خاں ایم۔ اے۔ پی۔ ای۔ ایس۔
(اول) کی جگہ بدستور کام کرتے رہیں گے۔

نید- ۱۰/۴۸۷۷ ایس۔ شبیر حسین ایم۔ اے۔ پی۔ بی۔ بی۔ پی۔ ای۔ ایس۔ دوم ڈسٹرکٹ انپیکٹر اسکول و کالجز
۲۰ اپریل ۱۹۵۵ م۔ ثناء اللہ خاں کی جگہ قائم مقام افسر بکار خاص دفتر ناظم تعلیمات پنجاب (بشمارہ خود مقرر
ہوئے اس سلسلے میں انھیں خود ہی مخصوص تنخواہ ملے گی۔

نید- ۱۳/۴۹۶ جو دھری عبد الوحید بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ بی۔ پی۔ ای۔ ایس۔ دوم ڈسٹرکٹ انپیکٹر اسکول و کالجز
۳۰ اپریل ۱۹۵۵

ڈاکٹر عظیم حسین خاں نیالہ پی۔ ای۔ ایس (دوم) کی تجویز کا تبادلہ بحیثیت اے۔ ڈی۔ او (ایم) دفتر عام تعلیمات پنجاب میں ہو چکا ہے ۲۲ اپریل ۱۹۵۷ء سے ڈسٹرکٹ انٹیکٹرکٹ اسکولز لائل پور مقرر ہوئے۔ بشاہرہ خود۔

۱۰۵۸۷- م۔ عبدالعزیز ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ساہیوال (ضلع شیخوپورہ) ۱۹۵۷ء آزمائشی پی۔ ای۔ ایس (دوم) نیالہ اسکیل ۲۵۰ - ۲۰۰ - ۲۵۰/۲۵۰ - ۲۵۰/۴۰۰ - ۲۵۰ روپے ایک خالی آسامی پر ۱۲ فروری ۱۹۵۷ء سے اس عہدہ میں منتقل ہوئے۔

کالج شعبہ نا۔

۱۳۰۹- ڈاکٹر دیکم، کنیز مدنی ایم۔ اے۔ ڈی۔ ٹی۔ (دکنو) ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (ڈنکاگو) بینر لکچرر اور قائم مقام پرنسپل گورنمنٹ کالج فار ویمن۔ او۔ ایل۔ پی۔ ای۔ ایس (دوم) بشاہرہ ۲۰۰ - ۲۵۰ - ۵۵۰ - ۲۵۰ - ۵۵۰ - ۲۵۰ پرنسپل گورنمنٹ کالج فار ویمن (بشاہرہ) ۴۰۰ - ۲۰۰ - ۱۰۰/۱۲۰۰ - ۵۰ - ۱۲۰۰ پی۔ ای۔ ایس۔ او۔ ایل میں ۱۹ فروری ۱۹۵۷ء سے مقرر ہوئیں۔

۱۳۰۸۸- مس نغمت دانا بیٹ ایم۔ اے (فارسی) ایم۔ او۔ ایل۔ لکچرر گورنمنٹ کالج فار ویمن ملتان۔ آزمائشی) بیگم عروج کی جگہ لکچرر گورنمنٹ کالج فار ویمن گجرات مقرر ہوئیں۔ بشاہرہ خود۔ (تاریخ حاضری =)

بیگم عروج ایم۔ اے (فارسی) بی۔ ایڈ لکچرر گورنمنٹ کالج فار ویمن گجرات (آزمائشی) مس نغمت بیٹ کی جگہ لکچرر گورنمنٹ کالج فار ویمن ملتان مقرر ہوئیں۔

۱۳۰۷۲- بیو۔ ۱۲۲۰۲- مس تاج بیگم ایم۔ اے (فارسی) ایم۔ او۔ ایل۔ لکچرر لاہور کالج فار ویمن۔ لاہور پی۔ ای۔ ایس (دوم) آزمائشی ۲۵۰ - ۲۰۰ - ۲۵۰/۲۵۰ - ۲۵۰/۴۰۰ - ۲۵۰ روپے ایک خالی آسامی پر یکم مارچ ۱۹۵۷ء سے اپنے اس عہدہ پر منتقل ہوئیں۔

مس قریا سلطانہ فضل ایم۔ اے (تاریخ) لکچرر لاہور کالج فار ویمن لاہور پی۔ ای۔ ایس (دوم) آزمائشی بشاہرہ ۲۵۰ - ۲۰۰ - ۲۵۰/۲۵۰ - ۲۵۰/۴۰۰ - ۲۵۰ روپے ایک خالی آسامی پر یکم مارچ ۱۹۵۷ء سے اپنے اس عہدہ پر منتقل کی گئیں۔

مس اقبال ایم ڈار ایم۔ اے (فلسفہ دوم) لکچرر ایڈی میکیٹنگ ٹریننگ کالج لاہور۔ پی۔ ای۔ ایس (دوم) آزمائشی بشاہرہ ۲۵۰ - ۲۰۰ - ۲۵۰/۲۵۰ - ۲۵۰/۴۰۰ - ۲۵۰ روپے ایک خالی آسامی پر اپنے اس عہدہ میں منتقل کی گئیں۔

بیگم سیدہ رشید ایم۔ اے (معاشیات) لکچرر لاہور کالج فار ویمن۔ پی۔ ای۔ ایس (دوم)

دانا ماشی (بشاہر ۲۵ - ۲۰ - ۲۵/۲۵۰ - ۲۵/۶۰۰ - ۴۵۰ - ۲۵۰ روپے
ایک خالی اسی پر اپنے اس مہرے پر مستقل ہوئیں۔

کالج۔۔۔۔۔ شعبہ رجال

ذیہ ۱۲۴۸ء جناب ایس۔ ایم۔ خریف صاحب ایم لے کی واپسی پر گورنر جناب نے میاں سراج الدین صاحب
۲۰ مارچ ۱۲۴۸ء ایم لے۔ بی۔ لٹ (آگسٹن)، پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور کو حکیم مئی سٹشہ سے ان کے
مزید فرائض سے بیک دوش ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ میاں سراج الدین صاحب
اس وقت تک بحیثیت ناظم تعلیمات پنجاب اور سیکریٹری محکمہ تعلیم حکومت پنجاب کام کرتے
۱۵۰۸ء ۱۵۰۸ء میاں اٹھارہ الحسن صاحب بی۔ ایس سی (ایگلہ می کلچر) بی۔ ٹی۔ بی۔ ای۔ ایس (اول
۲۲ مئی ۱۲۴۸ء جسٹس اٹھارہ امتحانات دفتر ناظم تعلیمات پنجاب۔ م۔ محمد حسن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
اپیکر اٹ (ورنیکل ایجوکیشن) (دفتر ناظم تعلیمات پنجاب) مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے۔
میر محمد حسن، بی۔ ایس سی۔ بی۔ ٹی۔ بی۔ ٹی۔ ای۔ ایس (اول) انسپکٹر آف ورنیکل ایجوکیشن (دفتر
ناظم تعلیمات پنجاب) میاں اٹھارہ الحسن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ جسٹس اٹھارہ امتحانات
دفتر ناظم تعلیمات پنجاب مقرر ہوئے۔ تاریخ حاضری سے۔

ڈی/۱۴۳۱ م بعد از تخریک جغرافیہ گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان، پشاور ۲۲۵ - ۱۵ - ۴۵۰ - ایس ۲۸
 مئی ۱۹۵۳ء - ایس۔ اے۔ دی بیکٹن ایک نئی آسانی پر جسے حکومت پنجاب نے بحالہ چھٹی نمبر ۲۴۳ منسلک
 کیا ہے، گورنمنٹ کالج سنگھری کے لٹری ڈیپارٹمنٹ ۲۴ اپریل ۱۹۵۳ء سے سیورین انسٹرکٹر پشاور
 ۳۵۰ - ۲۰ - ۲۵ / ۴۰۰ - ۲۵ / ۴۵۰ - مندرجہ ہوئے۔

دیہ/۱۵۳۲۱ م محمد افضل ایم۔ اے۔ کچور گورنمنٹ کالج منٹگری، انڈیا آسانی پر جسے حکومت پنجاب نے ۱۹ مئی ۱۹۵۸ء کو بحالہ یعنی ریزولیو/۱۵۵۸۲، منسلک کی تھیں۔ کچور گورنمنٹ کالج منٹگری مقرر ہوئے، ان کی تنخواہ ۹۰۰ روپیہ مقرر ہوگی۔

ٹیڈ ۱۲۳۷ م۔ عبدالقدیر بیگ ایم۔ ایس سی (آنرز) اسٹنٹ ماسٹر پرنسپل اسکول لائوس کالج گورنمنٹ
۷ مئی ۱۳۳۷ء بشاہہ ۲۲۵ - ۵ - ۵۰ / (اس کے علاوہ ۵۰ روپے مخصوص الاؤنس) اپنے آزمائش
زمانے کے ختم ہونے پر اسی گریڈ میں ایک سال کے لئے مزید عارضی مستقل اسٹنٹ
مقرر کئے گئے۔

[illegible]



پنجاب ایجو کیشنل جرنل

اور

آموزش (اردو)

۱۔ پاکستان بھر میں بہ دوہی تعلیمی رسالے ہیں۔ جنکو سرکاری سرپرستی اور امداد حاصل ہے۔

۲۔ پاکستان بھر میں یہی دو تعلیمی رسالے ہیں۔ جو مرکزی اور صوبائی درسگاہوں اور تعلیمی حلقوں میں مقبول ہیں۔

۳۔ ان رسالوں کے متعلق ادارتی خطوط اور چھپنے والے مضامین ایڈیٹر (پرنسپل) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کو بھیجے جائیں۔ ان رسالوں میں چھپے ہوئے مضامین کیلئے معاوضہ دیا جاتا ہے۔

۴۔ یہ رسالے ہر مہینے کے دوسرے ہفتہ میں چھپتے ہیں اور ان کا چندہ آٹھ روپیہ (انگریزی) اور چھ روپیہ (اردو) ہے۔ جو کہ منیجر کو بھیجنا چاہئے۔

۵۔ ان رسالوں میں اشتہار دینے سے آپکی اشیاء مقبول ہونگی۔ تجارتی معاملات کیلئے خط و کتابت منیجر سے کریں۔

پنجاب ایجو کیشنل جرنل
آموزش

منیجر

۲ کچہری روڈ۔ لاہور (پاکستان)



امروز

[جون ۱۹۵۳ء]

لاہور

[ارہ ۳]

اس شمارہ میں

- | | | |
|----------------------------------|---|--------------------------|
| غیر سرکاری مدارس | : | ادارہ |
| احادیث نبوی میں مسئلہ نصاب | : | عبدالغفور چودھری |
| امریکہ میں جرائم اطفال | : | فضل احمد |
| عربی زبان کی تعلیم پر تمہیدی بحث | : | عبدالرحمن الماعر (سورقی) |
| عراق میں لازمی تعلیم | : | محمد عبدالعزیز |
| ایٹیل یا روسو کی تعلیم (مسلل ۲۲) | : | توقیر مرزا رزقی |
| تعلیمی دنیا پر ایک نظر | : | ادارہ |
| سرکاری جریدہ کے اعلانات | : | ادارہ |

عبدالغفور چودھری
معاونین : ادم - اے - عزیز

: بشیر ہاشمی

تعلیمی ماہ نامہ

آموزش

لاہور

سالانہ چہندہ

پاکستان کے لئے 4 روپے

غیر مالک کے لئے 8 روپے

جون ۱۹۵۳ء

جلد 4

شمارہ 3

قیمت فی چہندہ مل آنے

پیشہ

یونیورسٹی بک اینڈ پرنٹنگ لاہور

ایک ڈی خالد پرنسٹون پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں طبع کرا کے یونیورسٹی بک اینجی
۶۔ پھری روڈ لاہور سے شائع کیا

چند نامور شخصیات

لاہور (دوسری)

20

غیر سرکاری مدارس

پچھلے دنوں محکمہ تعلیم پنجاب لاہور شہر امد ضلع کے منسلک شدہ مدارس کا معائنہ کیا، اس معائنہ کی نوعیت عام سلاہ معائنوں سے مختلف تھی، لاہور شہر میں سڑکٹ آپیکٹاٹ اسکول لاہور نے مختلف مدرسوں پر پوریش کی جس میں کارپوریشن اور مقامی انجمنوں کے مدارس شامل تھے، امد چوں کہ ان مدارس کے ارباب آفت دار کو محکمہ کے اس مامست اقدام کا قبل از وقت علم نہیں تھا، اس لئے انھیں چند ناگزیر کوٹنا ہیروں کی پردہ پوشی کے لئے مناسب موقع نہ ملا، امد جوڑجک مصنوعی ملمع کاری سے چھپ جاتا، اس کا صحیح رنگ روپ نمایاں ہو گیا، اس سلسلے میں ڈی، آئی، ایس۔ لاہور نے مجدد پوٹ پیش کی ہے اس کے چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں امد غالباً اس کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہ ہو گا۔

اگر حکومت، کارپوریشن اور دوسری مقامی حکومتوں (لوکل باڈیز) نے مدارس کے موجودہ حالات کو بدلنے کی کوشش نہ کی تو اس کے نتائج مجموعی طور پر قوم کے لئے منفرت سماں ہو سکتے ہیں، اس وقت صرف لاہور شہر میں مدرسہ جانے والے بچوں کی تعداد ۵۶۲۶ ہے، لیکن چوں کہ موجودہ مدارس شہر کی بڑھتی ہوئی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، اس لئے بچوں کی بہت بڑی تعداد تعلیم سے محروم رہ جاتی ہے، ایسے طلبہ کی تعداد جنہیں کسی مدرسہ میں داخلہ نہیں ملا ۲۹۶۶۱ ہے، یعنی بچوں کی کل تعداد کے نصف سے کچھ اوپر لاہور کارپوریشن کے زیر اہتمام اس وقت ۸۵ ابتدائی مدارس ہیں جن میں ۱۵ مدرسوں کی عمارتیں اچھی کہی جاسکتی ہیں۔ باقی، عمارتیں کم سے کم کسی حد سے کی حالت کھلانے کی

مستحق نہیں ہیں، ان میں سے بیشتر نوٹی ہوئی اور ناقابل استعمال ہیں، اس لئے مجبوراً بچے کھلے ہوئے میدان میں بیٹھتے ہیں، اور دھوپ کی تلاوت اور بادوباراں میں انھیں بالعموم چھٹی مل جاتی ہے..... ان حالات کے پیش نظر حکومت کارپوریشن سے کم از کم مزید پاس ابتدائی مدارس کھولنے کا مطالبہ کرے۔ شہر کی بڑھتی ہوئی تعلیمی مانگ کو پورا کرنے کی خاطر کارپوریشن کو کچھ نئے منصوبے بنانے ہوں گے موجودہ مدارس کی توسیع اور نئی عمارتوں کی تعمیر کے لئے اگر کارپوریشن ایک پانچ سالہ منصوبہ تیار کرے تو وہ ان میں سے بہت سی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے، اس مجوزہ منصوبے کی رو سے ہر سال پندرہ نئی عمارتیں تعمیر ہوا کریں، جن میں سے پانچ نئے مدارس کے لئے مخصوص ہوں اور دس موجودہ مدارس کے لئے، ایک عمارت پر کم و بیش پچاس ہزار روپے لاگت آئے گی، اس طرح کارپوریشن کا تعمیری میزانیہ آٹھ لاکھ روپے سالانہ ہو گا۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے کارپوریشن کو اپنے موجودہ سترہ فی صدی میزانیے کو بڑھا کر ۲۵ فی صدی کرنا ہو گا اور حکومت کو بھی حسب ضرورت زبائداد میں قابل قسط اضافہ کرنا ہو گا۔

اس رپورٹ میں کارپوریشن کے اراکین اور اس کے کارکنوں کو اور زیادہ مستعدی کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ بچوں کی تعلیم ہر صورت مقدم ہے اور فی الحقیقت جس تعلیم میں بچوں کو اپنے ذہنی اور جسمانی قویٰ کہ مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا اور اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے کا موقع ملے اور جس میں اخلاق و صحت دونوں کی تعمیر و تکمیل کے لئے ماحول ساز گار نہ ہو، اسی تعلیم ہمارے لئے نہایت مضر ہے، قوم کے کاروبار کی شان کچھ دنوں کے بعد انھیں چھوڑ کر ہاتھوں میں ہونے لگا یہ محسوس ہے کہ یہ تعلیم انھیں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ ہٹا ہونے کا اہل بنا سکے۔

اس رپورٹ کے مطابق لاہور جیسے شہر میں پانچ نئے ہائی اسکولوں کی ضرورت ہے، یہ مدارس کل رنگ لاہور، بسن آباد، مصری شاہ، رادوی بدو اور نسخ چند زمانہ کالج میں کھولے جاسکتے ہیں فتح چند زمانہ کالج کی حالت محکمہ تعلیمات کے تعارف میں ہے۔ اور گورنمنٹ جیون مجلس قانون ساز پنجاب کے ایک رکن کے قبضے میں ہے، اگر محکمہ تعلیم ان حالات کو غالی کرے تو سرکاروں اور کالجوں میں ہمارے مارے

رہنے والے ہوں گی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہو سکتا ہے ؟

مکن ہے بغیر عوام کے لئے نئی اندجیران کن ہو لیکن جو لوگ تعلیم و تعلم سے براہ راست متعلق ہیں جو لوگ قوم کی تعلیمی سطح کو دودھ کرنے کے آندو مندیں ، وہ ان خستہ میوں سے پہلے ہی واقف ہیں بلکہ ان کی نگاہوں میں اس تعلیمی پس ماندگی اور اس بے راہ دہی کے اسباب و اسباب کی جڑیات بھی ہیں ، ان کے لئے ان اداروں کے غیر مطمئن حالات کاظم کیا نہیں پانا ہے ۔ اور اس رد واد میں تو بعض ان مدارس کا جائزہ لیا گیا ہے جو منظور شدہ ہیں اور جنہیں محکمہ باقاعدہ امداد دیتا ہے ، ان میں ان بے شمار تباہاتی اداروں کا تذکرہ بھی ہے ، جو اس صوبے کے بڑے بڑے شہروں میں بکثرت موجود ہیں اور جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت نہیں ، تعلیم و تربیت کی سودا بازی ہوتی ہے ، لوگوں کو عام طور پر مدارس کے غیر صحت مند ماحول ، ٹھکے ٹانیاں ، محنت منقول اور تربیت یافتہ اساتذہ کی کمی ، فیس کی بڑھتی ہوئی شرح ، اور مقررہ فیس کے علاوہ دوسری مددوں کے لئے چند سے جمع کرنے کی ایک نہیں بیسیوں شکایات تھیں ، لیکن محکمے کے اس ناگہانی معائنے سے یہ الزام محکمہ تر ہو گئے ۔

عبوری دور میں بالعموم اس قسم کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں ، اس سے مایوس یا کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے ۔ مانا کہ اب سے کوئی پانچ چھ برس پہلے ان تعلیم گاہوں کے نظم و نسق میں اتنی نمایاں نہیں تھیں لیکن آج طلبہ کی تعداد میں اضافہ ، تربیت یافتہ اساتذہ کی کمی اور تدریسی لوازم کی عدم فراہمی ، انتظامی بے سیلفگی اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں ۔ اس کے باوجود اگر ہم ایک مرتبہ ان خرابیوں کو دودھ کرنے کا ارادہ کر لیں تو یہ خرابیاں دودھ ہو سکتی ہیں کیوں کہ لاہور کے ان بے شمار بچوں کے لئے تعلیمی سہولتیں بہم پہنچانا ۔ اگر حکومت کے فرائض میں داخل ہے تو عوام بھی اس ذمہ داری سے بیک دوش نہیں ہو سکتے ، انہیں بھی حسب مقتعدہ آگے بڑھنا چاہئے ۔ ایسے یقین سے کہ دونوں کی مشترکہ مساعی سے یہ ذمیتیں بھی دور ہو جائیں گی اور بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ہو جائے گا ۔

ایک مقامی اخبار نے نجی اداروں کے عنوان سے اپنے ادارے میں موجود تعلیمی مسائل پر بحث

کہ تھوٹے گھاسے میں یقین ہے کہ مجھے نے جس عرصہ استعداد سے اس کام کو شروع کیا ہے اس پر کاغذ ہے اور جو لوگ اور جو ادارے اس بد نظمی کے ذمہ دار ہیں، انہیں اس کی قسم دینی چاہیے۔
مجھے لگتی ہے کہ ان کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ان اداروں کو جو زیادہ دیا ہے ان کی اپنی ضروریات کے لئے ناکافی ہوتا ہے۔ اس لئے حکومت کو زیادہ کے طریق کار پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔
جب تک ان اداروں کے زیادہ میں اضافہ نہیں ہوگا، ان کے عہدہ داروں کا سبب مشکل نظر آتا ہے اور انہیں آپ تشدد سے دبا بھی نہیں سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ ان اداروں کی آمدنی کم اور فرائض محدود ہیں، اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے انہیں نئے نئے وسائل کا جائزہ لینا ہوتا ہے لیکن اسے صرف زیادہ کے ناکافی ہونے پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ تعلیم کی توسیع میں نجی اور عوامی اداروں کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے اور انہیں قوم کی تعلیمی ترقی میں یقیناً سہولت جتنی لینا چاہئے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اچھے اداروں کے قیام کے لئے مشترکہ کوششیں کی جائیں، لاہور کا یونیورسٹی ایجوکیشن بورڈ اور ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ اس پر غور کرتی ہے۔ اس رپورٹ میں نظر آتی ہے وہ نہایت گنہگار ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لاہور کا یونیورسٹی بورڈ اپنے سالانہ میزانیے میں سے سترہ فی صدی رقم تعلیم پر صرف کرتی ہے لیکن جو تعویذ کا یونیورسٹی بورڈ کے تعلیمی اداروں کی ہیں اس رپورٹ میں نظر آتی ہے وہ نہایت گنہگار ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لاہور کا یونیورسٹی بورڈ ان اداروں کے اہتمام کے لئے اتنی رقم ناکافی ہے۔ یا کاغذ پیدائش کے نظام کار میں ایسی خامیاں ہیں کہ اسے اپنے حاصل کا صحیح مصرف معلوم نہیں، دوسری انجمنوں کے متعلق بھی یہی رائے قائم کی جاسکتی ہے، اس لئے انہیں بھی اپنے محدود وسائل کے پیش نظر اپنی آمدنی کو اچھے سچے انداز میں خرچ کرنے کا طریقہ پیدا کرنا چاہئے۔

جنوری ۱۹۵۷ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور، محکمہ تعلیم پنجاب اور یو۔ ایس۔ ایجوکیشن کاؤنسل کے زیر اہتمام ماہرین تعلیم کا ایک سہ روزہ تعلیمی مذاکرہ منعقد ہوا تھا۔ اس مذاکرے کی ایک نشست میں ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کے مسائل پر کافی بحث ہوئی، مادمہ شخص نے اپنے اپنے نظریات کی ترویج کی

لیکن موجودہ اقتصادی بحران اور بڑھتی ہوئی تعلیمی مانگ کے پیش نظر ایک بہتر تعلیم کا یہ شعور کہ اگر ہر سہم
 تعلیم کو فی الواقع فروغ دینا چاہتے ہیں اور موجودہ وقتوں پر عبور حاصل کرنے کے... آئندہ مندرجہ ذیل تدبیریں
 فی کس کچھ تعلیمی سسٹم لگانا ہو گا نہایت معقول اور مناسب ہے، اس رقم سے نئے مدرسہ کھولے جاسکتے
 ہیں۔ پرانی عمارتوں کی مرمت ہو سکتی ہے، اور بچوں کی ضروریات کے مطابق کتابیں خریدی جاسکتی ہیں اور
 دوسرے تعلیمی لوازم مہیا کئے جاسکتے ہیں، لاکھوں کی موجودہ آبادی آٹھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ اگر صرف
 ایک روپیہ فی کس تعلیمی سسٹم لگایا جائے تو اس سے تھوڑا ایک سو پانچ سو فی صد اضافہ ہو سکتا ہے۔

احادیث نبوی میں مسئلہ انصاف

عبد الغفور چودھری

امام غزالی نے اس حدیث پر کہ ”تلاش علم کو ہر نیک مسلمان مرد اور عورت پر فرض کیا گیا ہے“ تبصرہ کرتے ہوئے انصافِ حلیم کے مسئلہ پر ایک بصیرت افروز بحث چھیڑی ہے۔

وہ اس مسئلے کو یہ سوال پیش کرتے ہوئے اٹھاتے ہیں ”علم کیا ہے اور اس کی نوعیت اور مافیہ کاتبعین کون کرے گا؟“ اور بحث کو جاری رکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ مصوفی (SCHOLASTS) محدث اور فقہ میں ایک دوسرے سے بنیادی اصولوں کے متعلق کیا اختلاف ہے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مخصوص شعبہ علمیت ہی وہ علم ہے جس سے آنحضرت کے ارشادات میں مراد لی گئی ہے غزالی کے مطابق یہ کسی خاص شعبہ سے متعلق نہیں ہے اور دعویٰ ہر قسم کے علم کو لازم قرار دیتا ہے، ہر فرد کو وہ علم ضرور حاصل کرنا چاہئے جو اس کے لئے سماج میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ناگزیر ہے، ہر ایک پر کوئی مخصوص شعبہ علم لازم نہیں کیا گیا ہے، برعکس اس کے یہ چیز (ہر شخص کے) گرد و پیش کے ماحول، وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

اس حدیث کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مخصوص طور پر مذہبی مطالعہ سے متعلق ہے لیکن ہمارے پاس اسی موضوع سے متعلق ایک دوسری حدیث ہے جو بہت واضح اور بے لاگ ہے۔ اور جس میں تلاش کے لئے دور دراز کے سفر اختیار کرنے کی شاندار روایت مفسر ہے۔ ”علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین میں جانا پڑے۔“

یہاں جس علم سے مراد لی گئی ہے وہ یقیناً مذہبی علم نہیں ہو سکتا، تقدیٰ طور پر یہاں لفظ ”علم“ کا مطلب

دیہی علم لیا چاہئے نہ کہ مذہبی معنوں میں

یہاں تعلیم کے اس بنیادی مسئلہ کے متعلق الفزالی کا رویہ معلوم کرنے کے لئے چند طور پر وقف کر دینا بے محل نہ ہو گا، انہوں نے اپنے نتائج کی بنیاد احادیث پر رکھی ہے، اور اس موضوع پر ان کی رائے میں ان کی وسیع علمیت، علمی تجربات اور وجدانی وقت نظر سے روشن ضمیری پیدا ہو گئی ہے، اور یہی چیز ہے جو ان کو سرمد لیل اور گرم جوش جذبات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی حیرت انگیز طاقت بخشی جو انہوں نے تعلیم کے مافیہ کی قدر و قیمت کا اندازہ انادی نقطہ نظر سے کیا ہے، جبکہ اجتماعی اور انفرادی مقاصد ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں اور مذہب کے تحت آکر ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ جس علم کو ہر مسلم پر فرض کیا گیا ہے وہ الفزالی کے مطابق علم معاملات ہے جو اس تجربہ کا ایک حصہ ہے، جو سماج میں ایک فرد کے دوسرے افراد کے رشتہ سے گہرے طور پر متعلق ہے، اس علم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، فرض عین اور فرض کفایہ — فرض عین بلا استثنا سماج کے فرد پر واجب ہے، یہ وہ فرائض ہیں جن کی انجام دہی اس کی اپنی ذات اور سماج کے لئے ضروری ہے، فرض کفایہ جو دی معنوں میں فرض ہے، اس لئے کہ یہ سماج کے ایک حصہ یا اس کے چند افراد پر عاید ہوتا ہے۔ لیکن اس فرض کی جو دی نوعیت سے اس فرد کی ذمہ داریوں میں کسی طرح بھی نہیں آتی جو سماج میں اس مخصوص فرض کی انجام دہی کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔

تعلیم قلب جو مذہبی عقائد اور اخلاقی شعور کی ترقی پر مشتمل ہے فرض عین ہے جو سب پر عاید ہوتا ہے کیوں کہ کوئی بشر ایسا نہیں جو حصہ غرور، بے اعتمادی، انتقام اور اس قسم کے دوسرے اخلاقی عوارض سے محفوظ ہو، اور الفزالی کے مطابق ان متعدی امراض کا علاج اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ فرد کو اس کے مناسب علاج کی تربیت نہ دی جائے۔

انہوں نے ناقصانہ انداز میں اس قسم کی مذہبی معلومات کا تجربہ یہ کیا ہے جو ہر فرد پر بطور فرض عاید کی گئی ہیں، ویسی درس گاہوں کے برعکس جہاں مذہبی علم کے پیدے ہو جو کہ طالب علم پر ڈال دینا پسند کیا جاتا تھا، الفزالی نے فرد کی ضروریات اور ان معلومات میں جو اسے ہم چھپنا چاہئیں

نہایت ہوشیاری سے طاقت پیدا کرنے کی تلقین کی ہے اعتدایا ہے کہ اس کی فرصت اسی فیہ عطف انرا کے لئے عطف حالات اور ماحول کے ساتھ ساتھ بدلتے رہنا چاہئیں اور کوئی علم اسی وقت فرض ہوتا ہے جب زندگی کی واقعی صورت حال میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے، مثال کے طور پر حج کے متعلق مذہب رسم و رواج کا یا نسا اسی وقت لازم ہوتا ہے جب حج کے لئے جانے کا وقت قریب ہو، مذہک اس سے قبل یا یہ کہ خدای کے متعلق مذہبی احکام سے دو تناس ہونا مذہم شادی ادا ہو جانے کے بعد ہی لازم ہوتا ہے درحقیقت وہ علم اور عمل کے باہمی انحصار کو تسلیم کرتے ہیں لیکن غلام کا علم خواہ وہ مذہبی علم ہی کیوں نہ ہو جس کا گرد تقدس کا ہالہ پڑا ہو، ان کے نزدیک تعلیمی عمل کے ایک نمایاں جزو کی حیثیت کوئی اہمیت نہیں رکھتا علم کے اس حجتہ کو جس کا نام انھوں نے علم کفایہ (وہ علم جو سماج کے کسی خاص طبقہ پر واجب کیا ہو) رکھا ہے۔ آج کل کے مذہبی اور غیر مذہبی دھرموں میں تقسیم کیا ہے۔

غیر مذہبی شعبوں میں علم ادویہ، ریاضی اور زراعت، کپڑا بنانا، خد کھولنا، خیاطی اور دوسرے شعبے شامل ہیں، جو خالص دنیوی تعلیم کی تسکیں ہیں، وہ اپنے نتائج کی بنیاداً مختصرت کی اس حدیث پر رکھے ہیں جس کے ذریعہ علم معاملات ہر مسلمان پر فرض کیا گیا ہے۔ اس نوع کا دنیوی علم جب معاشرتی فلاح و بہبود کے لئے سماج کے کسی خاص فرد پر فرض کی طرح مانڈ کر دیا جاتا ہے تو وہ اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا فرض میں، اسی لئے وہ تعلیم جو سماج کو برقرار رکھنے اور اس کے تسلسل کی فاسن ہو، خاصہ مذہبی نوعیت کے مطالعہ کی حیثیت سے تعلیمی منصوبہ کا ایک ناگزیر جزو ہے۔

ان کے نزدیک مذہبی مطالعہ کے عام عنوان کے تحت آنے والے تمام تعلیمی شعبے لازمی طور، مذہبی نہیں ہوتے، وہ اس مقصد کے لئے مقرر شدہ نصاب کے مافیہ کا ناقد و تجزیہ کرنے اور دیتے ہیں، وہ مذہبی مطالعہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، بنیادی یا خاص مضامین، مضامین اور مقدمات، انھوں نے اس علم کو جو بجائے خود ایک مقصد ہوتا ہے (یعنی علم برائے علم) علم سے میز کیا ہے، جو صرف دوسرے مقاصد کے حصول کے لئے آؤ کار یا ذریعہ کام کرتا ہے علم کی تیسری قسم یعنی مقدمات۔ زبان، علم، قواعد و ہالت کتابت پر مشتمل ہے۔

انہوں نے اپنی آسمانوں سے اس وقت کی موجودہ دنیا میں بے کیف معیاریں
 wor کے ایسے شاہد کیا تھا کہ دیکھ کر انہیں بڑا افسوس ہوا تھا کہ طلبہ اپنی پوری زندگی صرف دھوکے
 خانی اور باریکیوں کو سمجھنے پر مشغول کر دیتے ہیں، وہ درحقیقت صحت و معافی پرستی کے چھلاوے کا مقصد
 رہتے تھے۔ بجائے اس کے کہ ان اعلیٰ روشنیوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے جو ان کی شخصیت کے
 مالی ظرف خیالات اور سائیت کردار سے منور کر دے، ان کا تجزیہ اہل دلوں کی آنکھیں کھول دیتا جو
 اس قسم کی صحت و معافی پرستانہ (Pessimistic) علیت کو روحانی فیض اور آئندہ زندگی میں اس کا
 مل پانے کے خیال سے حاصل کرتے تھے، انہوں نے اعلان کیا کہ ہمارے حاصل کرنے کے اس آلاؤنگ
 میں تعلیم نہ سمجھنا چاہئے اور نہ انہیں تعلیمی عمل کا خاص مدعا سمجھ کر ان کی پرستش کرنا چاہئے، کیوں کہ ان میں
 زندگی کے کوئی ذاتی قیمت نہیں ہے، بلکہ وہ خاص مضامین ہی سے فیض یاب ہوتے ہیں، اور ان کی
 قدر و قیمت کے تعین علم کے خاص شعبوں سے تعلق چارہ کار ہی سے ہوتی ہے۔

عربی زبان سیکھنے میں یہ بے سود کوشش نہ کرنا چاہئے کہ پوری فراہم پر عبور حاصل ہو جائے
 بلکہ ذہانت کے ساتھ زبان کے روزمرہ کام آنے والے اور شناخت والے الفاظ کے درمیان تمیز کرنا
 چاہئے، اور آتنا ہی سیکھنا چاہئے جتنا کہ چیزوں کو واضح طور پر سمجھنے اور بات چیت کرنے کے لئے ضروری
 ہے، اور زیادہ نادر الفاظ میں سے صرف ان کو سیکھنا چاہئے، جو قرآن اور احادیث کے مطالعہ کے لئے
 ناگزیر ہیں، آتنا سیکھنا ہی مقصد کے لئے کافی ہوگا۔

انہوں نے ان ممالک کے رجحان کے خلاف عظیم الشان طریقہ پر جنگ کی ہے جو مختلف قسم کے ممالک
 کرتے ہیں، اور اپنے مخصوص شعبے کے لئے دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کو مذہبی تعلیم کا اساتذہ اور انہجرت کی
 پسندیدگی حاصل ہے، اس طرح وہ روحانی پیش اور فضیلت مآبی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور انہوں
 (نام غفرانی) نے اس خیال کو باطل ٹھہرایا ہے کہ دنیوی علم کسی طرح بھی مذہبی علم سے کم ہے اور تیار
 کہ ان میں سے دونوں یکساں طور پر ضروری ہیں، اگر ایک تعلیم دہی کے لئے ضروری ہے تو دوسرا بھی ضروری
 ہے اور اسے شیریں جاتا ہے، اس نے چند مسئلے جن کو مذہبی حیثیت دے دی گئی تھیں دنیوی علم کے

دائرہ میں متعلق کر دیئے گئے، اور ان کو بڑے طور پر فکر کے ساتھ مرتب شدہ تقسیم واد منصوبہ تعلیم میں ایک حساب بگھڑی گئی، انھوں نے عالموں کو جو اپنی حاصل کردہ مراعات کے بل بوتے پر بہت تاسودہ نظر تھے یہ اعلان کر کے ادب بھی حیرت میں ڈال دیا (ایسی چونکا دینے والی حیرت جہاں کو اپنی زندگی میں کبھی نہ ہوئی تھی) کہ فقہ لازمی طور پر دنیوی علم سے متعلق ہے اس لئے انہیں کردہ ابتداء و سلف کے بڑے بڑے مہدے حاصل کرنے کی غرض سے یکجا جاتا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ سیاسی نظم و نسق سے متعلق تھا کہ اخلاقی ترقی یا شخصیت کی نشوونما ہے۔

جس طرح عوام کو قانون میں رکھنے کی غرض سے سلطان کو ان کے لئے قانون بنانا پڑا، اسی طرح فقہ کے لئے جس کو سیاسی نظم و نسق پر عبور ہوتا ہے ضروری ہے کہ وہ عدل و مساوات قائم کرنے کے فن میں ماہر ہو جس طرح مملکت کی نفاذ اور اس کے نظم و نسق کے لئے سلطان کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح عوام کے تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے فقہ کا ہونا بھی لازمی ہے جس طرح سیاسی اقتدار کے ساتھ حکمرانی کرنا اعلیٰ مذہبی تصورات کے مطابق نہیں ہے، اسی طرح نظم و نسق کے طریقوں اور قدیموں کا علم جو دراصل فقہ ہے، اعلیٰ قدر و قیمت کا مذہبی مطالعہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس طرح انھوں نے دہرے علم کے مختلف شعبوں کی قدر و قیمت کی تشخیص کرنے کے مسئلہ کو حل کرنے میں سب سے پہلی مدد دی بلکہ دنیوی علم کو منصوبہ تعلیم میں ایک معززہ فریضہ پر مقرر کیا اور تعلیم کا ہوشیاری سے تقسیم واد مرتب شدہ منصوبہ پر دے گا لائے، ان کی تعنیف اسلامی تعلیم کے ناقدانہ مطالعہ کے لئے ایک گراں قدر اضافہ ہے، جسے ہمیشہ بہ نظر خاص دیکھا جائے گا۔

ان کی رائیں دین دار شخص کے لئے تجلی اور غفلت سے پر ہیں۔ اس لئے کہ ان (رائیں) کی وجہ تریک آنحضرت کی صرف ایک حدیث ہے، ان کے خیالات کی صفائی اور نظریہ کے خلوص کی وجہ سے یہ رائیں بہت نمایاں طور پر معقول اور اعتدال پسند بن گئی ہیں، دراصل ہمارا دینی نظام اور دوسری دینیں گاہیں بہت مایوس کن انداز میں ایک نئے جہلم کی مناج ہیں، ان کے مقاصد اور تصورات، طریقہ تعلیم اور اس کے مافیہ کے احیاء کی ضرورت ہے، پچھلے وقتوں میں انفرادی اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی اور داخلی حشریں کو

اب مرتبہ ہاتھ لگایا ہی تھا کہ اس میں سے پر مغز عمل اُحد سرگرمی کا ایک ذرہ دست دعا حاصل ہے۔
 نعوں نے اپنی ذبردست تعینیت "احیاء" میں ایک بار انقلابی فکر عمل کو بیلاد کیا ہے، اور میں امید ہے
 ایک روز ان کا کوئی باہمت جانشین ہمارے ویسی تعلیم کے اس ساکن پانی کو ایک طاقت ور
 حادے میں تبدیل کر دے گا لیکن اس ذبردست قوت کا مانند قرآن اُحد احادیث میں مفسر ہے
 اس کی اصل بنیادیں ہیں۔

قراءت | زمانہ قدیم کے لوگوں میں خیالات کا پر زور لہجہ میں اظہار کرنے اور فن تقریر کو بڑی قد کی
 سے دیکھا جاتا تھا، قدیم یونانیوں اور رومیوں میں فن خطابت نصاب تعلیم میں
 بہت نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ عربوں میں سیاسی خطبات اور اموی اعلانات نے تاریخ میں ایک
 بے مثال کا زمانہ انجام دیا ہے، انھوں نے تاریخی واقعات کی وہ نمائی کی ہے، اور بعض اوقات
 ان کا رخ بھی بدل دیا ہے۔

آنحضرت کی مقدس تعلیم سورہ اقرہ کے نزول کے ساتھ وجود میں آتی ہے۔ اقرہ باسمہ
 رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ یہاں قراءت کا
 مفہوم جماعت میں سبق گو بہ آواز بلند پڑھنے سے نہ لینا چاہئے، بلکہ ایک ایسی تلاوت جس سے
 پوری شخصیت کے جوش و ولولہ کا جزیراتی اُحد ذہنی طہور پانچاں ہو۔

آنحضرتؐ نے بار بار اپنی امت کو کلام پاک پڑھنے کی تاکید کی ہے، "میری امت کے لئے اعلیٰ ترین
 عبادت کلام پاک کی تلاوت ہے" پھر ارشاد ہوتا ہے۔ تم میں سے زیادہ نیک (VIRTUOUS)
 وہ ہے جو خود قرآن پڑھتا ہے اور دوسروں کو پڑھاتا ہے۔ اور اس پودے گروہ پر تلاوت کلام پاک
 کے لئے جمع ہوتا ہے اس دعاغیت کی رحمت نازل ہوتی ہے، "ایک عالم کا قول ہے قرآن کی ہر آیت
 جنت کی ایک منزل (STAGE) ہے اور ہمارے گھروں کو منور کرنے والی ہے۔"

ہم کہ تلاوت قرآن اس زمانہ کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کی نگہ دہی میں سرایت کر چکی تھی
 اس باب کا اصل ماخذ "احیاء" (باب علم کی حسیں) ہے۔ مکتبہ اقرہ ۹۶ آیت ۳-۱۰ صفحہ ۱۱۱
 جلد اول صفحہ ۱۱۱، مکتبہ ابی داؤد،

اس لئے قادیوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو بعد میں ماہرینِ قراءت کے متعدد مذاہبوں میں تبدیل ہو گئی معلوم تھا کہ تلاوتِ قرآن اس زمانہ کی تعلیم کا ایک خاص جوہر بن گئی تھی اور صحابہ کرام کے مد سے زیادہ دلدادہ تھے۔ آنحضرت کو ہدایتِ جاری کرنا پڑی تھیں کہ اگر کوئی شخص دورانِ تلاوت میں تھک جائے تو اسے غنڈی دیر کے لئے رک جانا چاہئے۔ الفاظ کے اظہار اور تلفظ کے طرز آنحضرت کی احادیث کا بہت گہرا اثر پڑا۔ آپ کی تلاوت کو تزیل کہا جاتا ہے جس کا منہوم ہر لفظ کو طبع پراد و مقررہ زود کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ جب بچہ پہلے پہل ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں روانہ ہو سکتا تو آنحضرت ہدایت کرتے تھے کہ اسے بار بار لا الہ الا اللہ کہنا سکھانا چاہئے۔

یہ فقرہ آواز کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی لے میں روانی ہے اور جس کا تلفظ بہت آسان آنحضرت کو نرم سے دل چسپی تھی، آپ کی متعدد احادیث ایسی ہیں جن سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ آپ نے کلامِ پاک کو خوش الحانی اور مصنفیت سے پڑھنے پر زور دیا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت کو کسی چیز کی اتنی تاکید نہیں کی ہے جتنی قرآن کی مصنفین تلاوت کی "مناجس" خوش الحانی سے نہیں پڑھنا وہ ہمک سے نہیں ہے" قرآن کو اپنی آواز کے زور سے آراستہ کرنا پھر ارشاد ہوتا ہے "یقیناً خدا تلاوتِ قرآن کرنے والے کو زیادہ توجہ کے ساتھ سنتا ہے بمقابلہ اُم استاد کے جو گانے والی لڑکی کی موسیقی کو سنتا ہے" و

صحابہ کو تلاوتِ قرآن کے جمالیاتی پہلو کا پورا احساس تھا اور جب آنحضرت ان کو ایک آیت پڑھ کر سنائی تو ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ اندھے اتنی فرحت بخش تھی جتنا میوہِ اندہا ہر سے ٹرہ دیتی۔ موزوں تلاوت کا ذوق و شوق بہت عام تھا اور ایک مرتبہ جب آنحضرت نے ایک غلام کو خوش الحانی سے تلاوت کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کی امت کو اتنا اچھا آدمی بخشا۔

ط ملاحظہ ہو بخاری ط ملاحظہ ہو مسلم ط ملاحظہ ہو ابوداؤد ط ملاحظہ ہو ترمذی ط

ابو موسیٰ اشجری اپنی خوش گوئی کے لئے مشہور تھے، مگر حضرت عائشہؓ کی عادت تھی کہ اس دور جھٹکے دہرتے تھے کہ سب کچھ بھول جاتے تھے اور جب صاحبان مجلس بتاتے تھے کہ کمازہ وقت قریب آگیا ہے تو آپؓ پوچھتے تھے کہ کیا ہم اس وقت یاد آئی میں معروض نہیں ہیں؟ آپ اکثر کہاتے تھے کہ ابو موسیٰ کو کبھی واقف ہی ملا ہوا ہے۔

مسلمین تعلیم میں قراءت کی طرف کافی توجہ دیتے تھے اور ابن خلدون نے اپنے دیباچہ - PROLOGUE میں اس مسئلہ کے ساتھ مطالعہ کے لئے ایک باب وقت کیا ہے۔ اس عہد کے مختلف ممالک میں قراءت کی تعلیم کے طریقوں کا جو بعیرت افروز تجربہ کیا گیا ہے اس سے تعلیمی اصولوں پر مکمل عبور اور مسائل کے ایک سائنسی اور غیر جانبدار مطالعہ کی صلاحیت کا انکشاف ہوتا ہے، یہی وہ صحت بخش اثرات تھے جن کے تحت اسلامی اطباء نے زبانی اظہار - ORAL EXPRESSION کی ایک شاندار علامت قائم کی۔

ہر قسمی سے قوم کی موجودہ درس گاہوں نے خواہ وہ عیسائی طرز کی ہوں یا مغربی تعلیم دے رہی ہوں اس فن کو گھوڑیا ہے، اور وقت آگیا ہے کہ الفاظ کے ذریعہ شخصیت کے اسی بے تکلف اور پرمست اظہار کے طریقہ کو دوبارہ واپس لایا جائے جس کی معاشرتی اور سیاسی اقدار سے کسی بھی جمہوری سماج میں ہمیشہ ایک انوکھی اہمیت برقرار رہے گی اور جو ایک مکمل شخصیت کی تعمیر کے لئے ایک راستہ کھول دیتا ہے۔ آنحضرتؐ اور آپؓ کے صحابیوں نے اپنی امت کو قرآن، احادیث اور اپنے خطبات کی شکل میں ایک بیش قیمت ورثہ بخشا ہے جن کا طرز بیان روحانیت سے پر، سادہ اور غیر مبہم ہے اور جو اخلاقی کم فوجی اور جذباتی اعتدال کی مدد سے منسوب ہیں، موجودہ زمانہ کی مدنی سماجوں کے معنفین کو ان میں تلاش کرنے سے ایک ایسے ادب کا دفر میسر آئے گا جو زیادہ مالید کے مقابلہ آمیز (SOPHISTICATE) اور بکے

تقابل میں بچے کے شعری تجربے (ELEMENTAL MAKE UP) سے قریب تو ہے

مدنیوں سے مسلم بچہ اپنی مکتبی زندگی کا آغاز قرآن کے ایک پالہ سے کرتا ہے لیکن مسلمانوں کے دل میں جو قرآن کا احترام ہے، اس سے اکثر بچے کی مربوط تعلیم پر الٹا اثر پڑتا ہے، جب اس کی تسلی

تعلیم کے خاص مضمون کی حیثیت سے قرآن خصوصاً اس کے آخری پارہ کا انتخاب کیا جاتا ہے جو شعاعی،
 اختصار، اور صراحت کا مجموعہ ہے، قاضی ابو بکر ابن عربی جیسے معلمین (EDUCATORS) نے
 علماء بنیادوں پر اس رواج پر جرات آمیز بحث پیش کی ہے اور تجویز کیا ہے کہ ان مضامین کو
 فرقیّت دی جائے جو بچہ کی فطری دل چسپیوں کو براہ راست اور پروردگار پر اپیل کرتے ہیں، اللہ
 جو بچے کے لئے انفرادی نقطہ نظر سے اعلیٰ تر قدر و قیمت رکھتے ہیں، انھوں نے قرآن کو تیسری منزلت
 رکھا تھا، اس سے مقدم منزلیں مادی زبان اور ریاضی کی ہیں۔ ۴

مرکبہ میں جرائم اطفال

نفل احمد

جدید نفسیاتی تحقیقات نے جرم و تہذیب کے مفہوم میں جو انقلاب پیدا کیا ہے اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مہذب دنیا میں ہر جگہ قید خانوں کے پرانے تصور کو بیکار خیال کیا جانے لگا ہے۔ اب یہ ایک شدہ بحث ہے کہ بالکل جس طرح جسمانی بیماری کی صورت میں مریض کو پرتھیرا درد و ا کے علاوہ خوش گوار دل کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے، بالکل اسی طرح ذہنی امراض کے مریضوں کو بھی ان چیزوں کی درت ہے، ہر مجرم درحقیقت ایک ذہنی مریض ہے جس کی ذہنی صحت کو برائی کے لئے مناسب مادہ اور خوشگوار مضافہ دردی ہے، اس سے انتقام لینے کے لئے اسے قید خانے میں رکھ دیا جاتا ہے جیسے کسی بیمار کے مریض کو یہ ضرورت پڑا جائے کہ چوں کہ تھیری بیما و اسے بارے عمر کے کسی ایک لوگوں کو پریشان کیا ہے، اس لئے تمہیں ایک مہینہ کے لئے قید خانے میں بیجا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریق سے اس کی بیماری تو کیا دور ہوگی صحت اور بھی بگڑے گی۔

یہ اسی طرح ذہنی امراض کے بیماروں کو ایک مقررہ میناؤنٹ تک قید خانوں میں بند کرنے سے ذہنی صحت کی بجائے بدتر ذہنی فساد پیدا ہونے کے امکانات کہیں زیادہ ہیں یہ انہی نفسیاتی نتائج کے احساس کا نتیجہ ہے کہ تعزیر کا مقصد اب انتقام کی بجائے اصلاح قرار پایا ہے۔

ان جدید نفسیاتی تصورات سے قطع نظر مجوں کے معاملہ میں قدیم ذمہ داریات بھی مختلف (ن) کار کا حامی تھا، درجہ بالکل ظاہر ہے، افراد کو ان کے اعمال کا ذمہ دار اسی صورت میں ٹھہرایا جاسکتا ہے، جب وہ ہم و فراست سے کام لینے کے قابل ہوں اور چوں کہ کم عمر بچے بالعموم

طرح پختہ ذہنی قوی کے مالک نہیں جوتے، اس لئے ان کے ہمارے میں جو اہم کام ہوتا ہے اس طرح نہیں کیا جاسکتا جس طرح بالغوں سے۔ یہ اسی اصول کا مندرجہ ہے کہ مختلف مذہب نے نابالغ انھما کو اپنے احکام سے ہر قراءہ دے رکھا ہے، لیکن بلوغت کی حد عمر کے کس سال سے شروع ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیشہ ایک نہیں رہا، بلکہ مختلف اوقات اور مختلف ملکوں میں بدلتا رہا ہے، مہذب دنیا میں اب بالعموم بلوغت کو ذمہ دار شہری حقوق کی بنا قرار دیا گیا ہے، گویا نابالغ ہونے کے بعد ہی حق رائے دہی مل سکتا ہے، امریکی میں پندرہ سال قلمدادی تھی ہے۔

بلوغت کی اس قانونی حد بندی کا ایک منطقی نتیجہ یہ ہے کہ حکومت اس سے ہر کم عمر شہری کی تعلیم کا بندوبست کرے، کیوں کہ جب تک وہ پختہ فہم نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس کی موزوں تعلیم و تربیت ضروری ہے، اور ایک ترقی یافتہ مہذب ریاست میں یہ فرض خواہ مخواہ ریاست کے اسی ذمہ عائد ہوتا ہے، مگر سچ یہ ہے کہ امریکی کا سادہ دولت مند اور ترقی یافتہ ملک بھی ابھی اس نصب العین کو نہیں پہنچا۔ اگرچہ وہ اس کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔

ہمارے اس نظری طور پر ابستدانی تعلیم لازمی ہے، مگر عملاً ابھی آپ کو سیکڑوں ہزاروں ایسے بچے گلی کوچوں میں گھومتے نظر آئیں گے جنہیں قانوناً مدرسے میں ہونا چاہئے تھا، اگرچہ آزادی ملنے کے بعد ہم نے اس سمت میں کافی پیش قدمی کی ہے۔ مگر گونا گوں سیاسی مشکلوں اور اقتصادي بے بسی نے پاؤں جکڑ رکھے ہیں اس لئے یہ بہت نصب العین بھی ابھی کوسوں دور ہے، اس کے مقابلے میں امریکی میں ثانوی تعلیم لازمی اور مفت ہے، اکثر ریاستوں میں لازمی تعلیم کی حد اٹھارہ برس کی عمر تک ہے، اور بعض میں سولہ برس کی عمر تک، گویا اس عمر تک ریاست کے ہر لڑکے اور لڑکی کے لئے مدرسے میں جانا قانوناً لازمی ہے اور یہ قانون محض سرکاری ہجڑوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے کہ اوقات مدرسہ میں آپ کسی بار بار یا تفریح کاہ میں نکل جائے، آپ کو مدرسے جانے کی عمر کا کوئی لڑکے یا لڑکی کا نظر نہیں آئے؟

ناؤں کے والدین نے کسی دس وچہ سے اسے ایک آدھ دن کے لئے گھر پر نہ رکھ لیا ہوا۔
 یہ کہ والدین کی تحریری اجازت حاصل کئے بغیر خود سبھی اس بات کا جواز نہیں کہ بچوں کو مدرسے
 سے باہر کہیں بھیجے، ہمارے ہاں اکثر اساتذہ طلبہ کو اپنے نجی کاموں کے لئے بازار میں یا مدرسے
 سے باہر کسی اور جگہ بھیج دیتے ہیں، مگر امریکہ میں یہ بات ناممکن ہے، اس امر کی وضاحت کے لئے
 ایک دو مثالیں عائد دل چسپی کا باعث ہوں گی۔

میں ڈیلاویئر یونیورسٹی کے ٹیچرز کالج میں نفسیات کی جماعت کو دیکھنے گیا، اس روز جماعت کو
 ۱۱۔۱۱ سال کے بچوں کی ذہنی کیفیات کا عملی مشاہدہ کرنا تھا اور اس غرض سے مقامی اسکول کی
 پڑھتی جماعت سے کوئی ایک درجن طلبہ بلائے گئے تھے۔ طلبہ کے ساتھ ان کی معلمہ بھی آئی
 تھنائے سخن میں اس نے پروفیسر سے معذرت کی کہ مملو بتداد سے ایک طالب علم کم ہونے کی
 وجہ بڑی حد تک میری سستی ہے، مجھے چاہئے تھا کہ والدین کو ذرا پہلے اطلاع دیتی، میں نے
 کل ہی خط لکھے، اس لئے ایک بچے کے والدین کی طرف سے بروقت اجازت نامہ نہیں پہنچ
 سکا۔ اس لئے اسے ساتھ نہیں لاسکی۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ دل چپ ہے، میں ایک روز نائی کی دوکان پر گیا، دوپہر کا
 وقت تھا اتنے میں ایک لڑکا بھی دوکان میں آیا، اس کی عمر کوئی گیارہ برس کی ہوگی، نائی نے
 بڑے تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا کہو میاں صاحب زادے اس وقت کس طرح
 آنا ہوا، لڑکے نے کہا بال کٹوانے آیا ہوں، اس پر نائی بولا کہ یہ تو تمہارے مدرسے کا وقت ہے
 تم باہر کس طرح گھوم رہے ہو، لڑکے نے جواب دیا ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر کل ہمارا امتحان
 شروع ہو رہا ہے اور آج تیاری کے لئے جلد معیشتی مل گئی، مگر اس جواب سے نائی کو اطمینان
 نہ ہوا، اس نے لڑکے سے اس کا نام۔ جماعت اور اسکول پوچھا، پھر ٹیلیفون پر اسکول کے دفتر
 سے اس کے بیان کی تصدیق کی تب کہیں وہ اس کے بال کاٹنے پر رضامند ہوا۔

غرض امریکہ میں یہ اصول بڑی حد تک عملاً تسلیم کیا جا چکا ہے کہ بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ناک

تعلیم و تادیب کی بیشتر ذمہ داری ریاست پر ہے اور اس زمانہ میں ہر قسم کی ذہنی و جسمانی کوتاہی کی اصلاح کا کام بھی اسی کے ذمہ ہے، چنانچہ ذہنی اصلاح کے لئے ہر ریاست میں عدالت اطفال کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے ہر قسم کے نو عمر مجرموں کو عام عدالت کی بجائے اس خاص عدالت کے حوالے کیا جاتا ہے، یہاں عام عدالتوں کی طرح بیانات قلم بند نہیں ہوتے اور نہ دیکھوں کی جرح ہوتی ہے، بلکہ یہ عدالتیں تمام نوکوششیں اس امر پر صرف کرتی ہیں کہ کسی نوکشی طرح نو عمر مجرم کی ذہنی صحت کو بحال کیا جائے، ان ذہنی محرکات کا کھوج لگایا جائے جنہوں نے اسے جرم پر ابھارا۔ اور ان کے ازالہ کی تدبیر کی جائے، غرض ان عدالتوں کا کام جرم کو مٹا دینا تو سزا بخور کو کرنا نہیں بلکہ تعلیمی کام سرانجام دینا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان عدالتوں کی کارروائی منظم و انتظامی نہیں آئے پاتی، ان کے اجلاس مکمل طور پر خفیہ ہوتے ہیں جن میں نہ اندھکھانہ جرائد یا کسی اور شخص کی رسائی نہیں، ہاں عدالت خود ضروری واقفیت یا مواد جمع کرنے کے لئے کسی شخص کو طلب کرے تو یہ الگ بات ہے، اس راہ داری کی وجہ بالکل صاف ہے، ان نو عمر شخصوں کو ابھی زندگی میں جگہ پیدا کرنا ہوتی ہے، اس لئے اگر اسی مرحلہ پر ان کا نام داغدار ہو جائے تو بقیہ زندگی بہت تلخ ہو جائے اور غائبہ اصلاح کے امکانات بڑی حد تک ختم ہو جائیں، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ گوہر مدرسہ اپنے ہر طالب علم کے متعلق ہر قسم کے ضروری کوائف جمع کرنا رہتا ہے اور مدرسہ چھوڑنے کے بعد جب یہ طلبہ تلاش روزگار میں مختلف تجارتی یا صنعتی اداروں میں جاتے ہیں تو کارخانہ دار مدرسہ سے ان لوگوں کے ریکارڈ طلب کرتے ہیں۔ مگر کیا مجال جو مدرسہ کسی نوکشی طفل سے کہ یہ طالب علم فلاں موقع پر فلاں جرم کے سلسلے میں عدالت اطفال میں بھیجا گیا تھا۔ یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ مختلف ریاستوں میں لازمی تعلیم کے ختم ہونے کی عمر مختلف ہو مثلاً ریاست گجراتی کٹ میں کوئی طالب علم سولہ برس سے پہلے مدرسہ نہیں چھوڑ سکتا، اس لئے سولہ برس کو پہنچنے تک کسی طالب علم سے خواہ کچھ بھی جرم صادر ہو، عدالت اطفال کے ہی حوالے کیا جائے گا، عام عدالتوں کے مجرم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اٹھارہ برس تک

بچوں کو بھی تعلیمات اطفال کے حوالے کر دیں۔

ملک کے تعلیمی طبقوں میں یہ خیال دن بدن پکڑ رہا ہے کہ تعلیمات اطفال کا دائرہ عمل اٹھارہ سال کی بجائے اکیس سال کی عمر تک بڑھا دینا چاہئے کیوں کہ جب ملکی قانون اکیس سال سے پہلے حق رائے دہی نہیں دیتا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس عمر سے پہلے کسی شہری کو اس قدر بائع النظر نہیں سمجھتا کہ وہ سیاسی زندگی میں موثر حصہ لینے کا اہل قرار دیا جاسکے تو اس قانون کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اکیس برس تک تعلیم لازمی ہو، چنانچہ غالباً ایک ریاست نے ثانوی تعلیم کا نصاب بارہ برس کی بجائے چودہ برس کر دیا ہے اور باقی ریاستوں میں بھی اس چیز کا مطالبہ ہونے لگا ہے، اس وقت امریکی ثانوی مدرسوں کا نصاب بارہویں جماعت پر ختم ہو جاتا ہے (ہم کہہ چکے ہیں) ثانوی مدارس اپنا نصاب دسویں جماعت پر ختم کرتے ہیں، اب اس نصاب کو مزید دو سال کے لئے بڑھایا جا رہا ہے، ملک کے کئی... مقامات پر یہ دو جماعتیں جو نیئر کالج کے نام سے براہی گئی ہیں جو نیئر کالج ایسے طلبہ کی تعلیم کا نقطہ آخر میں قرار دیا گیا ہے، جو آگے کالج میں اعلیٰ تعلیم کے لئے نہ جانا چاہیں، تعلیم کے ان آخری دو سالوں میں تمام تر توجہ طلبہ کے فنی اور صنعتی رجحانوں کی ترقی اور پیشگی پر صرف ہو گئی۔

ان سطور کے مطالعہ سے شاید بعض قارئین کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جس ملک میں بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کا اہتمام اس توجہ اور ہمہ گیری سے ہو رہا ہو وہاں جرائم اطفال کا وجود ہی نہ ہونا چاہئے، یہ خیال انسانی فطرت کے متعلق ضرورت سے زیادہ خوش فہمی کی بنا پر ہی پیدا ہو سکتا ہے کیوں کہ انسانی کمزوریاں معاشرتی زندگی کے بلند زمینوں پر بھی بالکل اسی طرح کا فرما دیتی ہیں جس طرح نچلے زمینوں پر۔ معاشرتی ترقی ان کمزوریوں کو روکنے اور ان کی شدت کو کم کرنے کے لئے عمدہ اور سلیجھ ہوئے انتظامات کر سکتی ہے، ان کو جوڑ سے اکھاڑ کر نہیں پھینک سکتی، چنانچہ امریکہ میں جرائم اطفال کا وجود بالکل اسی طرح ہے جس طرح کسی دوسرے ملک میں، اور یہ اسی حقیقت کے احساس کا نتیجہ ہے کہ تعلیمی اور انتظامی اداروں نے باہمی سیل و قال سے اس برائی کی

روک نظام اور اس کے مضر اثرات کو زیادہ سے زیادہ صاف کرنے کے لئے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا نظام قائم کر رکھا ہے، ہر مدرسہ اپنے طلبہ کے متعلق ہر قسم کے طرہ وی کو اکٹف اور اس کی ذہنی، جذباتی اور بدنی صحت کی رفتار ترقی کا پورا نقشہ تیار کرتا ہے، اور اس کام میں ملک کے تمام ادا سے اس کی مدد کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

امریکہ میں جو اہم اطفال کی دنیا کیسا ہے؛ اس وقت سارے ملک کے لئے اعداد و شمار پیش نظر نہیں البتہ ملک کی عام حالت کا کچھ اندازہ غالباً ایک ریاست پر نگاہ ڈالنے سے ہو سکے گا، کچھ دن ہوئے ریاست کنی ٹی کٹ کی عدالت اطفال کے ایک ذمہ دار افسر نے ایک گفتگو کے دوران میں بتایا کہ پچھلے سال اس عدالت نے کوئی پانچ ہزار طلبہ کی دست گیری کی، اس امر کے بیان کے مطابق ہر سال اوسطاً ریاست کے تمام طلبہ کی تعداد کا کوئی ایک سے لے کر دو فی صد حصہ اسی عدالت کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہ لینا چاہئے کہ یہ تمام طلبہ بہت سنگین جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جن قصصوں کے لئے ہمارے اساتذہ اور صیغہ پڑ صاحبان خود طلبہ کو بد فی سزا دے لیا کرتے ہیں، امریکہ میں ایسے قصصوں کی سزا خود مدرسہ نہیں دیتا بلکہ یہ معاملہ عدالت اطفال کو سونپ دیا جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی طالب علم مدرسہ سے کے کو چھوٹے موٹے سامان کو توڑ دے تو اسے جرمانہ کرنے یا بد فی سزا دینے کی بجائے عدالت اطفال کے حوالے کیا جائے گا، تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ کون سے نفسیاتی مؤثرات تھے جنہوں نے اس نوع شخص کو اس فعل پر ابھارا۔

عدالت اطفال مجرموں کے ذہنی فساد کا پتہ کرنے کے لئے جرائم کی نوعیت پر اس قدر زور نہیں دیتی جس قدر مجرموں کے معاشری پس منظر پر، جرم کی حیثیت محض علامت مرض کی سمجھی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی طلبہ محض علامتوں کو دیکھ کر نسخہ تجویز نہیں کرے گا بلکہ ان اسباب کا کھوج لگائے گا جن کی بنا پر یہ ظاہری علامتیں پیدا ہوئیں اس حکمت کی مزید شرح غالباً مشائخ ہو سکے گی۔

”عدالت اطفال“ کنسی ٹی کٹ میں دو طالب علم پیش کئے گئے، ایک نے ایک موٹر کار

ہائی تھی اور دوسرے نے دوسرے کی کھڑکی کے دو شیشے توڑ دیئے تھے، بادی النظر میں پہلے لڑکے کا سور بہت سنگین تھا مگر معاشری پس منظر کا کھوج لگانے پر معلوم ہوا کہ ذہنی فساد کے اعتبار سے دوسرا بڑا زیادہ خطرناک ذہنی مرض کا شکار ہے، اس کا باپ شرابی تھا اور سماں ایک بد کا دور تھا، گویا اس کی تربیت ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں محبت، اعتماد، سکون اور مثبت ضبط کا گزرنہ تھا، یہ تمام منفی مؤثرات اس کی ذہنی ساخت کا جزو بن چکے تھے، اگرچہ بظاہر اس کا قصور بہت معمولی تھا مگر یہ ایک ایسے ذہنی خلیجان کا پختہ دیتا تھا جو وقت پا کر بہت خطرناک نتائج کا موجب ہو سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں پہلے لڑکے کا قصور بظاہر زیادہ سنگین تھا مگر معاشری پس منظر کی روشنی میں یہ جرم فی الحقیقت اس قدر سنگین نہ تھا یہ لڑکا ایک اچھے پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی تربیت عامے سلیم ہوئے ماحول میں ہوئی تھی، مدد سے میں اس کا ریکارڈ بہت تسلی بخش تھا، وہ مجلس طلبہ کا ایک نمایاں رکن تھا، مدر سے کی علمی ادبی اور غیر نصیابی کارروائیوں میں اس نے ہمیشہ حصہ لیا تھا، اور چوری کا فوری سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کار غیر متفصل بڑی تھی اور وہ ذاتی اکاؤنٹ پر قابو نہ پاسکا، اس تجربہ کی روشنی میں ظاہر تھا کہ اس طالب علم کی ذہنی صحت کی بحالی کے لئے کوئی لمبا چڑا جتن درکار نہیں تھا، جبکہ اس کے ساتھ ہی کے ذہنی فساد کا علاج بہت لمبے اور مہینے کے علاج کا محتاج تھا۔

عدالت المہال کا کام صرف ذہنی مرض کی تشخیص ہے، اس کے بعد اگلا قدم علاج کا ہے۔ کام سرکاری گھروں میں ماہرین نفسیات کی زیر ہدایت انجام پاتا ہے، جرائم کی پاداش میں طلبہ کو قید خانوں میں نہیں بلکہ سرکاری گھروں میں بھیجا جاتا ہے۔ عرصہ قیام کا فیصلہ ماہرین نفسیات کی رائے پر موقوف ہوتا ہے، ان سرکاری گھروں میں تمام تر توجہ امور صحت بخش اور قدرتی ماحول پیدا کرنے پر صرف کی جاتی ہے، تاکہ مضر معاشری ماحول سے پیدا شدہ ذہنی صحت رنٹہ رفتہ بدل جائے اور آئندہ فکر و نظر میں مطلوب تبدیلی پیدا ہو جائے، اس وقت ریاست کئی ٹی ٹی کے سرکاری گھروں میں کوئی پانچ ہزار ذہنی مریض ہیں، کوئی اڑھائی ہزار ایسے مریض مذہبی اداروں کی

تجربہ میں ہیں، اس کے علاوہ ۶۰۰ ضعیف العقل نوجوان سرکاری اداروں میں موجود ہیں۔

جرائم کی نوعیت کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری ترجمان نے بتایا کہ اس فہرست میں پہلا نمبر چوری ہے، دوسرا اشیا کی توڑ پھوڑ اور لٹنے جھگڑنے کا، تیسرا شراب خودی کا، چوتھا جنسی جرائم کا اور بعد متفرق جرائم کا معنفہ و انتساب جرائم یوں ہے کہ ہر لڑکی کے مقابلے میں کوئی پانچ لڑکے جرم ارتکاب کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکے کے زیادہ مجرم طبع واقع ہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اول تو لڑکیوں کے مقابلے میں شبہ کرتے وقت بہت زیادہ احتیاط و کام لیا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ ان کی زندگی کا بڑا حصہ عام مشاہدہ کی نگاہ سے اوجھل رہتا ہے سرکاری ترجمان نے بتایا کہ لڑکیوں کے مقابلے میں عدالت اطفال کو بہت زیادہ وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کے معاشرتی پس منظر کا صحیح کھوج لگانے اور ان کے ذہنی احوال کو بد بننے کے مقابلے میں لڑکوں کی نسبت زیادہ دشواری پیش آتی ہے۔

چوری کے بارے میں یہ امر دل چسپ ہے کہ جہاں لڑکے ہر اس چیز کو چرا لیتے ہیں جو اٹھ لگ جائے، خواہ وہ کام کی عیبیاد ہو، وہاں لڑکیاں صرف وہی چیزیں چراتی ہیں جو ان کے مطلب کی ہوں۔ مثلاً زیورات، لباس، جوتے، منگاد کا سامان وغیرہ۔ امریکہ کی ہمہ فروش دکانیں اب اس مقابلے میں زیادہ محتاط ہو گئی ہیں، اور ہر دکان میں کچھ اشخاص صرف اس کام پر مامور ہوتے ہیں کہ خریداروں پر نگاہ رکھیں، چوں کہ دکان کے اندر کسی سے مواخذہ نہیں کیا جاسکتا اس لئے چور اطمینان سے اپنا خرید بھرتا چلا جاتا ہے، مگر جوں ہی دروازہ سے قدم باہر دکھا جان کے کسی ملازم نے، اگر دامن پکڑا اور بی صاحبہ دھری گئیں۔

آخر میں جرائم اطفال کے اسباب پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، یہ ماننا ہے کہ نفس کی اکاہٹ اکثر اوقات اچھے بھلے متوازن مزاج لوگوں کو بھی پکادیا کرتی ہے ام طبع نو عمروں کا اس کے مقابلے میں بے بس ہو جانا کوئی ایجنجے کی بات نہیں۔ مگر اس کے علاوہ سوقت امریکی معاشرتی زندگی میں بعض ایسے عوامل کا فرما ہیں جو براہ راست بہت جرائم کے لئے

امریکی معاشری زندگی اس وقت جس انقلاب میں سے گزرتی ہے، اس کی مثال امریکی تاریخ میں
 اپنی گذشتہ چند دہائیوں کی سائنسی اور تکنولوجیکل ترقیوں نے معاشی اور انسانی زندگی کی کایا
 دی ہے، اب تک امریکی اجتماعی زندگی کی ساری عمارت آدم ہنٹ کے معاشی فلسفہ انفرادیت
 کی تھی، اب یکایک یہ بنیاد قائل ہے، اس انقلاب نے زندگی کی بہت سی روایتی اقدار کو
 زلزل کر دیا ہے، کینے اور مذہب کے بندھن جنہوں نے اجتماعی زندگی کے مختلف ٹکڑوں کو جکڑ
 اتفاقہ ڈھیلے پر لگائے ہیں اور ان کی قوت ماسکہ دن بدن ختم ہوتی جا رہی ہے، اس انقلاب کا
 سبب یہی اثر ہے کہ اکثر بچوں کو نشوونما کے زمانہ بہار میں وہ سازگار فضا میسر نہیں آتی
 مت متذللین کردار کی جان ہے۔ انہیں گھر پر جذباتی اور مادی سلامتی غیب نہیں ہوتی اور نہ ...
 بت ضبط کا کوئی نشان نظر آتا ہے، اس کا قدرتی نتیجہ مفلوج اور بڑی ہوتی ذہنی ساخت کی شکل
 سامنے آتا ہے۔

بعض امریکی مفکرین یہ کہتے سنا دیتے ہیں کہ معاشری برائیوں کی اہل جڑ ہماری مادیت پرست
 فنی تہذیب سے جس کے دامن میں کوئی مثبت روحانی اقدار موجود نہیں، ان کا خیال ہے کہ
 اب تک یہ تہذیب ایمان و یقین کے حیات بخش عناصر کو اپنے اندر جذب نہیں کرے گی اس وقت
 اس کی معاشری الجھنوں کا خاتمہ نہ ہوگا، اگرچہ اس بارے میں دوسروں کے لئے کچھ رائے ذنی
 لڑنا مشکل ہے تاہم یہ ضروری کہا جاسکتا ہے کہ پچھلی چند دہائیوں میں امریکہ نے کھانا بھجی اور
 سائنس کے میدان میں جو انقلاب انجینئریش ترقی کی ہے، معاشری فکر اس کا ساتھ دینے سے
 قاصر رہا ہے، تاہم یہ چیز اس بات کی دلیل نہیں کہ اب اس فکر کی صلاحیت سے بھی عاری ہے
 دنیا کی تالیخ میں کمی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ اجتماعی زندگی کا کوئی گوشہ دوسرے گوشوں کو بہت بچھے
 چھوڑ گیا لیکن جہاں کسی قوم کو اپنی اجتماعی زندگی کی اس غیر متوازن حالت کا احساس ہو رہا ہے
 یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ نزدیک یا دیر دوسرے گوشوں کو آگے دھکیلنے کی راہیں بھی پیدا کر لی
 جائیں گی۔

عربی زبان کی تعلیم پر تہمدی بحث

عبدالرحمن طاہر (سورتی)

ہر غیر ملکی زبان کو سکھانے کے لئے نصاب تعلیم بنانے سے قبل چند اہم تہمدی مراحلی ہیں جن کو سمجھ لینی سے ملے کر لینے کے بعد ہم کافی نصاب تعلیم بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، یوں تو ہر غیر ملکی زبان کو مسلسل محنتوں اور پیہم کوششوں کے بعد طویل مدت میں سیکھ ہی لیا جاتا ہے۔ مگر قدیم و جدید طریقوں میں یقیناً کچھ آسان طریقے بھی ہیں جن سے دوسروں کے یہ نسبت زیادہ جلد زبان سیکھی جاسکتی ہے، ذیل میں ہم مذکورہ بالا تہمدی مسائل کو درج کرتے ہیں اور پھر ان پر بالترتیب سرسری بحث کرتے ہیں۔

۱۔ زبان سیکھنے کا مقصد۔

۲۔ زبان کا واسطہ میاں

۳۔ طالب علم کی استعداد

۴۔ زبان کا مزاج

۵۔ طریقہ تعلیم

کوئی زبان کس فرض کے تحت سیکھی جا رہی ہے، اس کا علم کرنا۔ اس زبان سیکھنے کا مقصد۔

۱۔ زبان سیکھنے کا مقصد۔

جتنے میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے جس سے کوئی تیار کر لے۔ غیر ضروری جوشوں وغیرہ سے نا اہل۔ لاطین خطوط سے پتہ نہ چلا۔ یکسوئی سے اس مقصد تک پہنچنا۔ کوشش کرے گا۔ اس زبان کو سیکھنے کا واسطہ میاں۔

۲۔ زبان کا واسطہ میاں۔ ہر ذمہ زبان پڑھنے والوں سے مشابہ ہے اور ہمیں ایک طالب علم

یائے زبان میں طوطہ زنی سے قبل کم از کم اس قدر استعداد ضرور پیدا کر دینی چاہئے جس کے بیہ اس میں خود اعتمادی کے ساتھ اس بحر ذخار کی موجوں سے تعادلہ کی تاب کے علاوہ بے باک اور رنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے اور زبان میں اس قسم کی صلاحیت پیدا کرانے والی قوت اہم ترین زبان کا اوسلہ معیار رکھتے ہیں اس اوسلہ معیار کے کورس کی ابتدا ضروری الفاظ و قواعد کی مشق سے ہوگی اور انتہا اس زبان کی ایسی دشمنی سے استغناء کرنے کی صلاحیت پر ہوگی جس میں الفاظ کی شرح اسی زبان میں کی گئی ہو۔

۳۔ طالب علم کی استعداد | کسی غیر ملکی زبان کا کورس بنانے میں ہم کو اس زبان کے سیکھنے والے طالب علم کی علمی استعداد کا خیال رکھنا از حد ضروری

اور مفید ثابت ہوگا اور اس کورس میں جو کہ مادری زبان سے بخوبی واقف طالب علم کے لئے تیار کیا جائے اس کورس سے بہت بڑا فرق ہونا چاہئے جو مادری زبان سے ناواقف طالب علم کے لئے تیار کیا گیا ہو، عموماً غیر ملکی زبان وہی لہجہ سیکھتے ہیں جو مادری زبان سے بخوبی واقف ہوئے ہیں، لہذا ایک کامل کورس وہی ہو سکتا ہے جس میں طالب علم کی صلاحیت کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔

۴۔ زبان کا مزاج | کسی زبان کے مزاج سے ہماری مراد اس زبان کے وہ مسائل و محضات ہیں اور ایسے بنیادی قواعد و ضوابط ہیں جن کو سمجھ لینے سے طالب علم زبان کے

اجزائے ترکیبی سے مانوس ہو کر اس کو آسان سمجھنے اور اس میں دل چسپی لینے لگتا ہے، ہر زبان کا اپنا ایک مزاج طبعی ہوتا ہے جس کو پہچاننا بلاشبہ وقت المیہ امر ہے اور وہی اسے پہچان لگتا ہے، جو اس زبان کے اصول و مبادی سے پوری طرح واقفیت و لذت میں درک ادب پر وسیع نظر اور پڑھنے لکھنے بولنے میں قدرت رکھنے کے ساتھ ساتھ زبان کو آسان طریقہ سے سکھانے کی کوشش بھی کر چکا ہو۔ اور زبان کے نشیب و فراز سے مطلع ہونے کے لئے فکر کے ساتھ کوشاں رہا ہو زبان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ایک طریقہ جو عربی زبان کو آسانی سے سکھانے کے لئے مفید ہو سکتا ہے وہی اگر انگریزی سکھانے کے لئے استعمال کیا جائے گا

قائم کردی شکل تر ہو جائے گی۔

۵۔ طریقہ تعلیم اور سید صاحبؒ تعلیم دہی ہو گا جو طالب علم کی استعداد اور ذہن کا موزانہ نظر رکھتے ہوئے اختیار کیا جائے گا۔

دماغ پر کم سے کم زور ڈال کر زیادہ سے زیادہ الفاظ کی مشق کرانا۔ طالب علم کی صلاحیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا غیر ضروری قواعد سے گریز غیر مالوس و ثقیل اصطلاحات سے اجتناب، الفاظ کی جملوں میں مشق کے ساتھ ضروری صرف نحو کے مسائل کی آمیزش۔ زمانی سے اجتناب، ایک وقت ضرورت سے زائد الفاظ یا قواعد کی بھرمار نہ کرنا، ایسا ہی قواعد کی ترتیب اور تدریجی ارتقا کی رعایت یہ سب وہ ضروری امور ہیں جن کی رعایت ایک کورس کو کامیاب بنانے کی بنیاد ہے۔ غیر ملکی زبان کو ملکی مروجہ زبان کی طرح پڑھانا ممکن ضرور ہے، لیکن خرابی بسا اید کے بعد تدریس میں ابتدائی مراحل مادری زبان کے واسطے سے ہی طے کرانے چاہئیں، کیوں کہ یہی آسان اور مستحسن طریقہ ہے۔

ان سب کے علاوہ طریقہ تعلیم میں ایک بہت بڑا عامل خود استاد ہے جو اپنی صلاحیت و قابلیت اور محنت و دیانت سے طالب کو آگے بڑھانے میں بہت زیادہ مدد و معاون ہو سکتا ہے، وہ اپنی تجربہ کاری اور مہارت سے کام لے کر طالب علم کو مشکل راہ سے بھی اس طرح گزادہ سکتا ہے کہ طالب علم کو دشواری ماہ کا احساس بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ حقیقت ہے کہ زبان کو دل چسپ بنائیں احاد کا بڑا دخل ہے۔

یہاں اس امر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی ایسا ابتدائی کورس جو کسی ملک میں اسی لیس کی ملکی زبان سکھانے کے لئے رائج ہو، غیر ملک میں اس زبان کو سکھانے کے لئے کبھی مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتا، اور یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے غیر ملکی زبان کو مشکل تر بنانے میں مدد ملتی ہے۔

عربی زبان

ہم آگے مندرجہ بالا مباحث کی روشنی میں پاکستانی مسلمانوں کے لئے عربی زبان کے مسئلہ پر بحث کریں گے۔

مسلمانوں میں عربی زبان سیکھنے کا سب سے قوی داعیہ اس کی دینی اہمیت ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس کے دین کا فرمان قرآن مجید، نیز احادیث رسول اکرم جو قرآن مجید کی جگہ پر شرح ہیں عربی زبان میں ہیں، اور دن میں پانچ وقت کی نمازوں میں تمام عبادتیں اور دعائیں عربی میں ادا کرنی پڑتی ہیں اور دانش مندی کا یہی تقاضا ہے کہ کسی عبارت کو عمر بھر تک بغیر سمجھے سوچے نہ پڑھا جائے۔ دوسرا داعیہ وہ علوم عربیہ ہیں جن کو مسلمان اپنے اسلاف کا بے ہوا سرمایہ اندر گراں قدر میراث خیال کرتے ہیں، نیز اس کا مطالعہ قرآن مجید و احادیث کے فہم میں مساعدا اور اپنے جذبہ دینی کو بیدار و زک کرنے میں معاون جانتے ہیں۔

تیسرا جاذبہ اس زبان کی بین الاقوامی اہمیت ہے، جو کہ اس زبان کو قرآن مجید و احادیث نبویہ فقہ اور تاریخ اسلام کے حامل ہونے کی وجہ سے از خود حاصل ہو گئی، یہ فضل خداوندی کے تحت تمام عالم اسلامی کی ایک مشترکہ زبان بن چکی ہے۔

ان تین عام اسباب کے علاوہ کچھ اور بھی ذیلی اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً عربی مالک کا دار اور وہاں اپنا پڑ پگھڑہ وغیرہ۔

جہاں تک عربی زبان کے مزاج کا تعلق ہے میرے خیال میں وہ نہایت سادہ اور سیدھا ہے اس کی نحو کا بڑا حصہ تین حرکات (ذریعہ، زبر، پیش) (تنبین) اور ایک جزم کے مقام کو معلوم کرنے پر مشتمل ہے اور صرف کا حصہ مادہ اور اس کے مشتقات پر، دراصل وہ اور اس سے سختی سے عربی زبان کی ایک ایسی ستارچک ہے جس کے ذریعہ بغیر لسانی کے طالب علم کو وسیع النظرہ سکھایا جاسکتا ہے بلکہ ان کے معنوں کا بھی مالک بنایا جاسکتا ہے، عربی صرف میں تسلیل کا کٹھن مرحلہ

بھی اس کے فنیل بڑی خوشگواہی سے لے کیا جاسکتا ہے، اور چون کہ عربی کی تمام معتدہ علیہ
ڈکشنریاں مادہ کی ترتیب سے مرتب ہوتی ہیں لہذا اسی کے ذریعہ ہم طالب علم کو وسط معیار
یعنی عربی سے عربی کی ڈکشنری کے مطالعہ کی قابلیت بھی پیدا کر سکتے ہیں، ضروری قواعد کی مشق
نیز مادہ امداس سے مشتقات کے خواص بتا کر ہی ہم طالب علم کو عربی زبان کی ہر کتاب بغیر سائنی-
دشواہی کے پڑھنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔

جہاں تک طریق تعلیم کا تعلق ہے، ہمیں عربی زبان کے مزاج، مادہ کی چمک دار طالب علم
کی استعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک مناسب کورس مرتب کرنا چاہئے جس میں ذریعہ تعلیم مادری
نہاں ہو۔ اساتذہ ٹرینڈ ہوں اور زیادہ بہتر ہو کہ تعلیم یافتہ عربوں کی صحبت میں رہے ہوں۔ اور
جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا عموماً غیر ملکی زبان وہی لوگ سیکھتے ہیں جو مادری زبان سے واقف
ہوتے ہیں، لہذا انھیں بچوں، لڑکوں اور بہروں کے لئے مفید ڈائریکٹ میٹھڈ قلعاً
امناسب ہو گا، ایسے طلبہ کے لئے جو کورس بنے گا اس میں طبعا ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا
پڑے گا جو کہ مادری زبان یا سننے والوں سے امید کی جاتی ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو نتیجہ یہ نہیں ہو گا
کہ عربی زبان انہیں آئے گی بلکہ وقت کی تفسیع اور خام علمی صلاحیت پیدا ہوگی جس کے نونے ہم
ام نہاد ڈائریکٹ میٹھڈ سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔

ہمارے موجودہ کورسوں کی بہت سی خامیوں میں سے چند اصولی خامیاں یہ ہیں کہ ان میں
تعداد کا تعین نہیں جس کی وجہ سے کورس لائقنا ہی سلسلہ بن جاتا ہے اور برسوں اس کے چکر
را پھنس جانے کے بعد بھی قرآن مجید و احادیث رسولؐ کی زبان سے بیگانگی نہ مٹتی ہے، زبان کا
زاج نہ سمجھنے کی بنا پر ہمیشہ زبان کو مشکل ہی سمجھا جاتا ہے اور برسوں کی تعلیم کے بعد بھی لغت
کتابوں سے استفادہ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی، طریقہ تعلیم میں اعتدال نہیں، ایک طرف
نقواعد صرف و نحو پر دام و ملہ ہے تو دوسری طرف محض الفاظ کی مشق ہے اور قواعد سے بیکار خراف
سے طرف ہمیشہ ہمیشہ مادری زبان کو واسلہ بنایا جاتا ہے تو دوسری طرف سرے سے مادری

زبان کا واسطہ اڑانے کی کوشش ہے۔

اس خود بانی، جدت طرازی اور ترقی پسندی کے دھند میں اکرواقعہ مسلمانوں کو عربی زبان کا مکمل آسان اور مقصد تک پہنچانے والا کورس درکار ہے تو اس کے لئے میرے ذہن میں صرف ایک ہی فیصلہ کن تجربہ ہے اور وہ یہ کہ موجدہ و تدیکم کورسوں میں جو کامیاب ترین کورس ہیں ان کو سامنے رکھ کر علماء (دین و لغت) کی کمیٹی ایک جدید نصاب ترتیب دے۔ علمائے لغت میں وہی لوگ کمیٹی میں شریک کئے جائیں جنہوں نے عربی کو آسان کرنے کی کوشش ظلم بند کی ہو اور علمائے دین میں سے کمیٹی میں وہی علماء شامل کئے جائیں جو عربی زبان و ادب سے بھی نا آشنا رکھتے ہوں، یہ کمیٹی مقصد کے تحت مکمل کورس مرتب کر کے مسلمانوں کی ایک عظیم الشان خدمت انجام دے گی کیونکہ بلاشبہ مسلمانوں کو سامان بنانے اور ان کے جھگڑے چکانے کا یہی ایک معقول طریقہ ہے کہ عوام قرآن مجید و احادیث کی روشنی سے براہ راست مستفید ہوں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

عراق میں لازمی تعلیم

محمد عبدالعزیز

۱۹۴۹ء کی تعلیمی کمیٹی نے حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ دہرائے مدارس قومی تعلیمی کونسل کا قیام کی تعلیمی پالیسی کو مربوط اور مضبوط بنانے کے لئے قومی تعلیمی کونسل کا قیام ضروری ہے جو ناظم تعلیمات، اعلیٰ تعلیمی اداروں کے نگراں، دوسری وزارتوں کے نمائندوں پارلیمان کے مندوبین، ملک کی دوسری معروف شخصیتوں پر مشتمل ہو۔ اس کونسل میں دوسری وزارتوں کے نمائندوں شمولیت کی یوں اور بھی ضرورت ہے کہ ان سب کے تعاون اور اشتراک سے ہی اس تعلیمی مہم کو سر کیا جاسکتا ہے۔ اس کونسل کا اہم فرض نظام تعلیم کو استوار بنیادوں پر قائم کرنا اور اسے مربوط اور ہم آہنگ بنانا ہو گا، دوسرے الفاظ میں اسے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ قومی تعلیمی کونسل ایک ایسا ادارہ ہو گی جو تعلیمی نظام میں اشتراک و تعاون کی ضامن ہو گی اور وزیر مضاف کی انفرادی یا سیاسی خواہش ... اسے جھٹکا دے کر نہیں توڑ سکے گی، عراق میں اب تک کسی ایسی قومی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں نہیں آ سکا جس کے سامنے ایک تعین نصب العین ہو، اس قسم کے ادارے اکثر قائم ہوئے اور ختم ہو گئے ان اداروں کی ناکامیابی کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بالعموم وزیر مضاف عوامی رجحانات کا ساتھ دیتا ہے، اور ماہرین تعلیم کی رائے پر عمل کرنے سے غلام گیر ہو جاتا ہے، لیکن ایک ایسے ملک میں جس کی بیشتر آبادی جاہل ہے، جو ملک کے سیاسی اور تعلیمی امور میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتی، اس کے متعلق اس قسم کی رائے قائم کر لینا دانش مندی نہیں۔

بہر صحت اس وقت تو ملک کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنا و نادات کا پہلا فرض ہے۔ اگرچہ

ن فرض کو پورا کرنے کا احساس مدت سے ملایا جا رہا ہے۔ مگر اب تک یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوا۔
یہی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسے قانون کی ضرورت ہے جو وزارت معارف کو پورے تعلیمی
تقاضات دے سکے، اس قانون میں ایک متوازن قومی تعلیمی کونسل کے قیام کی سبیل کی جائے، یہ کونسل
سب موقع اپنے اجلاس کرتی رہے، اور اس کے اختیارات متعین ہوں، یہ تعلیمی کونسل اس وقت
اپنے احاطہ اثرات کو وسیع کر سکتی ہے، جب وزیر معارف کے لئے تعلیمی نظام میں کسی اہم تبدیلی کے پیش نظر
کونسل سے مشورہ لینا لازمی قرار دے دیا جائے، اور فیصلہ کونسل کے ارکان کی اکثریت کے ہاتھوں
میں ہو، اور تعلیمی ترقی کی مختلف اسکیموں کو منظر عام پر لانے سے پہلے کونسل سے منظوری لینا ضروری
ہو، اور اگر کونسل کسی تعلیمی مسئلے پر بحث اور مشورہ ضروری سمجھتی ہو تو اسے یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وزیر
کی دعوت کا انتظار کئے بغیر خود ہی اس قسم کا ایک اجلاس بلا کر مسئلہ زیر بحث کو سلجھانے کی سعی کرے۔
اب اس قسم کے مشاورتی ادارے کے قیام کا وقت آگیا ہے، جو لوگ تعلیمی توسیع و ترقی کے ذمہ دار
ہیں اور جن کے ہاتھوں میں معائنہ امتحان ہے، وہ سب اسے شدت سے محسوس کر رہے ہیں
وزارت معارف کے ایک تعلیمی اجتماع میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔ میں نے ان سب کی گفتگو اور
ان کے انداز کار سے یہ نتیجہ نکالا کہ اب ماہرین تعلیم کے مشورہ کو قبول کرنے اور ان کی تجویزوں کو
منظور کرنے کا وقت دور نہیں ہے اور اگر مستقبل قریب ہی میں ایک ایسی کونسل کا قیام عمل میں آگیا۔ تو
عراق اپنی بہت سی تعلیمی خامیوں کو دور کرے گا۔

اگر وزیر معارف کی رہنمائی اور مشورے کے لئے ایسی کونسل قائم ہو جاتی
تعلیمی نظام کے اہم پیلو ہے تو ایک قومی پالیسی کا انصرام ممکن ہو جائے گا، ہر صوبہ اس
پیلو کے اصطلاحات بروئے کار لاسکے، وزارت معارف کے موجودہ تصویب شدہ قومی تعلیمی
نظام کی اس وقت وزارت معارف تو محض ایک قومی تعلیمی ادارہ ہے، تعلیمی پالیسی اور تعلیمی نظام کار کی
ترتیب و تدبیر اس کے احاطہ کار میں شامل نہیں ہے، محکمے کے بیشتر حکام بعض ایسے فروعی اور معمولی

انتظامی تفصیلات کے اس پیکر میں کسی تعلیمی منصوبہ بندی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ابتدائی مدارس اور ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں یہ فردی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ انتظامی کام جو مرکزی وزارت معارف کے حکام انجام دیتے ہیں، انھیں صوبائی ناظمین تعلیم کے سپرد کر دیا جائے۔ ابتدائی تعلیم علاقائی ہوتی ہے، مرکزی نہیں، اگر ان امور کو صوبوں کے سپرد کر دیا گیا تو مرکزی تعلیمی پالیسی مرتب کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے اور وہ اپنی قوتوں اور اپنی صلاحیتوں کو اچھے اور مفید کاموں میں صرف کر سکتے ہیں۔ اگر ابتدائی تعلیم کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا محض سو کے عام نہیں بلکہ حقیقت ہے تو تعلیم کی اس مرکزیت کو ختم کرنا ضروری ہوگا، اور تعلیم کو اس انتشار سے بچا کر کسی سوچے سمجھے راستے پر ڈالنا ہوگا، اگر وزارت معارف کے حکام مذکورہ معارف کو اچھے منظر دینے کا موقع پا سکیں۔ قومی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آجائے۔ ابتدائی تعلیم کو مقامی تعلیمی نظامت کے سپرد کر دیا جائے تو عراق کا تعلیمی افق روشن اور تابندہ ہو سکتا ہے۔

نظامی اور دیہاتی تعلیم کے متعلق بھی بہت کچھ سوچنا اور وسائل کا جائزہ لینا ہے، آئندہ چل کر ابتدائی لازمی تعلیم کے متعلق بھی ایک لائحہ عمل مرتب کرنا نہایت ضروری ہوگا، اور یہ اہم کام اس وقت تک انجام نہیں پا سکتے، جب تک وزارت معارف اپنے دراز کار فرائض سے نہات نہیں پا جاتی۔

مقامی تعلیمی حکومت

عراق میں اس وقت تعلیم عوامی سطحوں میں مقبول ہو رہی ہے اور اس کی مانگ اس قدر بڑھتی جا رہی ہے کہ موجودہ حالات میں حکومت اس قومی تقاضے کو پورا نہیں کر سکتی بلکہ تعلیمی وسیع کی تحریک لوگوں کے دلوں میں گھر چکی ہے اور وہ اس کے قیام و انصرام کے لئے دماغی درمے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں، چنانچہ وزارت معارف اور اس کے ذرائع سے قطع نظر مقامی آبادیاں اپنے علاقوں میں ابتدائی تعلیم کا بندوبست کر سکتی ہیں، اور حق تو یہ ہے کہ مکمل کا درجہ بھی ان لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے، وہ ہر علاقے میں ایسے وسائل و ذرائع بھی ہیں کہ اگر انہیں کام میں لایا جائے تو

آموزش

دودھ دہکتی ہے ۱۹۲۵ء میں صوبائی انتظامی قانون منظور ہوا اور اس کی مد سے صوبائی کونسل اس کونسل کو کسی حد تک اپنی ضروریات کو پھلانا کرنے کے لئے محصولات کے حصول کا حق با تعلیم بھی شامل ہے لیکن تعلیمی ترویج کے لئے اب تک لوگوں سے اس قسم کا معمول کم یا ہے، اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کونسل کے ہر ممبر کو مزید اختیارات دے دیں کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق محصولات لگا سکے، اور اپنے نظام کو معیاری اور قابل قدر بن میں تعلیم اور بالخصوص ابتدائی تعلیمی نظام بھی شامل ہے، توقع کی جاتی ہے کہ جب اس تیارات میں اضافہ ہو جائے گا تو مقامی تعلیم کی یہ زبوں حالی بھی کسی حد تک ختم ہو جائے گی تو وسیع کے مناسب مواقع ہی نہیں ملیں گے بلکہ لوگوں کے مفاد اور مقامی تقاضوں نے کی کوشش کی جائے گی، اگر مقامی آبادی کو ان کی اپنی تعلیم اور نظام میں دخل دینے اور جی مرتب کرنے کا حق دے دیا جائے تو اس مد کے پچھلے نظام میں جان سی پڑ جائے ہو چاہئے کہ وہ اپنے اداکین میں سے ایک صوبائی تعلیمی انجمن قائم کرے جو ابتدائی تعلیم اور اس کے جملہ انتظامات کی ذمہ دار ہوں، اس سے اچھے نتائج برآمد ہونے کی بروقت لگتی ہے۔

مقامی آبادی کو اپنے تعلیمی نظام کار کو خود چلانے کا حق اور اختیار دے دیا گیا تو لوگوں میں پی اور پھل جائے گی، دونوں میں تعلیم کو فروغ دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ اور ملاو کے علاوہ حصول تعلیمی سس کے ذریعہ تعلیمی ترویج کے لئے نیکو شریع کیا جاسکتا ہے۔ مقامی تعلیمی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے، اور آگے چل کر یہی تعلیمی حکومتیں لازمی ابتدائی یہ بن سکتی ہیں، لازمی ابتدائی تعلیم کے حصول کے لئے مقامی تعلیمی حکومتوں کا قیام اور استحکام جہایت ضروری ہے، ورنہ کسی مرکزی نظام کے ماتحت اس مقصد میں کامیابی ممکن نہیں، موجودہ بڑھتی ہوئی ضروریات اور مقامی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مقامی مفید مطلب ثابت ہو سکتے ہیں، اس لئے مقامی وسائل سے استفادہ کرنا اور انہیں اپنی

ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنانا مناسب اور دونوں سے، لیکن محکمہ تعلیم کے بعض حکام اس طریق کار کو متفق نہیں ہیں، ان کے خیال میں تعلیمی تقسیم موجودہ نظام کو درہم برہم کر دے گی اور ایک نئے نظام کی تعمیر و تکمیل کے لئے نئے طریقوں اور نئی راہوں کی ضرورت ہوگی، ان خطرات کے حق و مخالفت بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ مگر جہوری ملکوں میں چھوٹی سے چھوٹی انجمن اور نئے نئے جبرائیلی محروم اپنی طاقاتی ضروریات کے پیش نظر اپنی تعلیمی پالیسی مرتب کرنے کا حق ہوتا ہے، اس طرح شخص کو کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور دوسروں کی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھ کر اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور زندگی بامد مضمل اور محفل نہیں۔ مربوط۔ ہم آہنگ اور دواں دواں رہتی ہے اس لئے مقامی تعلیمی حکومت کا قیام ایک قوم کی تعلیمی زندگی میں اور بالخصوص ابتدائی تعلیم کو ترقی کا واحد مؤثر ذریعہ ہے۔

نئے تعلیمی نظام کی معاشی اور اقتصادی حالت

قومی اور مقامی اصلاحات | انا کہ حراق میں جو تعلیمی بیداری پیدا ہو رہی ہے، اس کے پیش نظر مقامی تعلیمی حکومت کا قیام عمل میں آجائے گا، مگر ان تعلیمی انجمنوں کا قیام ہی تعلیم کی توسیع و ترقی کی ضمانت نہیں ہو سکتا، دیکھنا یہ ہے کہ ان تعلیمی رجحانات کی تعمیر و تکمیل کے لئے کتنی رقم درکار ہوگی اور اس کے حصول کے ذرائع کیا ہوں گے، اگر ہر صوبے میں ایک تعلیمی انجمن کے قیام کا فیصلہ کر لیا جائے تو یہ ضروری ہے کہ صوبائی کونسل کی طرف سے اس انجمن کو حصول لئے نفاذ اور اس کے حصول کا پورا حق ہو، اس سے مقامی تعلیمی حکومتوں کی مالی حالت بہت بہتر ہو جائے گی اور یہ جمع شدہ رقم نیم سرکاری اور نیم مقامی ہوگی۔ اور قومی اور مقامی میزانیے میں تعلیمی رجحانات کی صحیح تقسیم کے لئے ”ذرا ملو“ کا اصول مرتب کرنا مفید ہوگا، اس اسکیم کے ماتحت ہر صوبائی تعلیمی کیلٹی کو مرکزی تعلیمی میزانیے سے ضرورت کے مطابق رقم ملے گی، جسے وہ اپنے مختلف منصوبوں کو تکمیل بخشنے میں استعمال کر سکتی ہے۔

میزانہ امور علمی

اب تک یہ ہوتا آیا ہے کہ نسل سے جو حق شاہی ملتا ہے اسے میزانہ امور علمی کے لئے مخصوص کر دیا جاتا ہے، لیکن اس وقت تک اس میزانہ میں سے کوئی رقم تعلیمی توسیع کے لئے خرچ نہیں کی جاسکتی تھی، یعنی نہ اس رقم سے مدرسوں کی عادتیں تعمیر ہو سکتی تھیں اور نہ معلمین کے لئے مکانات ہی بنائے جاسکتے تھے۔ پچھلے سال اس میزانہ میں خارہ ہوا، اس حالت میں تعلیم کے لئے کچھ حاصل کرنا مشکل ہی تھا، لیکن اب یہ توقع کی جاتی ہے کہ اگلے چند سال میں یہی رقم مگنی ہو جائے گی۔ ایک خیمہ امداد رس و ذریعہ ساریت پادیمان کو مسجد کے ساتھ ہے کہ اس میں سے کچھ رقم تعلیم کے لئے مخصوص ہونی چاہئے جو لازمی ابتدائی تعلیم کی توسیع و ترویج میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

اس معنی میں کہ اس منصوبے کے ابتدائی ایام میں طلبہ کے داخلے کا مدرسوں میں طلبہ کی حاضری مسئلہ بہت اہم ہوگا، اس لئے وزارت معارف کے آداب بست و کشاد پہلا فرض داخلے کے سلسلے میں بچوں کو زیادہ سے زیادہ آسانیاں ہم چہ چہا نا ادا اُن بچوں کی حسب ضرورت تہذیبی بہت، اظہار کرنا ہوگا جو مجلس ادا نا فارغ افرادوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان حالات میں اگر مقامی محلی حکومتوں کو اگر ضرورت مند بچوں کی خود ادا ان کے لباس پر کچھ خرچ کرنے کی اجازت مل جائے تو مناسب اس طریق کار سے مقامی تعلیمی انجمنوں کو بچوں کی ضروریات ادا ان کی کفالت کے وسائل کا تجربہ ہو گا کیوں کہ ان کے محل کو محکمہ تعلیم کو نئے نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہ عبوری دور چکے کو انے مالی ذمہ داری کی تربیت دے گا۔

عراق میں لازمی تعلیم کی توسیع و ترویج کے لئے ایک مدت درکار ہے۔ ادا لازمی تعلیم کے علاقے اس وقت تو یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ پورے ملک میں ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے، اس وقت تو صرف موجودہ بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے مدرسوں اور پڑھانے والوں کی کمی کو پورا کرنا ہے، اور کسی نئے اقدام سے پہلے مرکزی نظام تعلیم کو وقتی ضروریات کے مطابق ڈھالنا چاہیگا

کچھ اہم نہیں ہے، اور انہیں کے پہلو بہ پہلو مقامی نظام تعلیم کی داغ بیل ڈالنا بھی ضروری ہے جب تعلیم کے ان مختلف شعبوں میں فردی ترمیم و تفسیح ہو جائے گی تو دوسرے شعبوں میں بھی قدم گزارا جاتا ہوگا، عراق کی موجودہ حالت کے پیش نظر یہ ممکن نہیں کہ کسی صوبے کو لازمی تعلیم کا علاقہ قرار دیا جائے اس کے لئے ایک طویل مدت درکار ہے، خطا بغداد میں ابتدائی تعلیم پانے والے بچوں کی تعداد کل تعداد کا ۱۰ فی صد ہے۔ یعنی صرف ۱۰ فی صدی بچے زیر تعلیم ہیں۔ اس شہر میں ابتدائی تعلیم کو لازمی بنانے کے لئے ۶۰ فی صد بچوں کی تعلیم کے لئے نئے مدرسوں کی ضرورت ہوگی، اور فی الحال ایسے مقامات و ضواہر ہیں، اس کے برعکس بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے شہر ہیں جہاں طلبہ کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے، اور بقدر ضرورت مدرسے بھی موجود ہیں مثلاً شامی علاقے کے ایک شہر میں مدرسہ جانے والے بچوں کی تعداد ۲۵۰۰ ہے اس میں ۱۶۰۰ بچے اس وقت مدرسوں میں تعلیم پا رہے ہیں، اسی طرح اگرچہ مرید آباد ابتدائی مدارس کھول دیئے جائیں اور ہر مدرسے میں طلبہ کی تعداد ۲۰۰ ہو تو بہت آسانی سے لازمی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے، اسی طرح اور بہت سے شہر ایسے ہیں جہاں دو چار نئے مدارس کے قیام کے بعد تعلیم لازمی قرار دیا جاسکتا ہے، یا بعض حالات میں موجودہ علاقوں میں تھوڑی بہت توسیع کے بعد مشکل حل ہو سکتی ہے۔

اگر ان انسانی اصلاحات کی کوشش کی گئی تو مجوزہ تعلیمی کمیٹی کو سب سے پہلے ان مقامات میں اپنا اسکیم کو جاری کرنا چاہئے، جہاں صرف چند نئے مدارس کے قیام کے بعد ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دیا جاسکے جن گاؤں، قصبوں یا شہروں میں کافی مدد سے قائم ہو جائیں، وزارت معارف اس علاقے لازمی تعلیم کا علاقہ قرار دے اور مقاصد کے حصول کے لئے صوبائی تعلیمی کمیٹی کو ایک ایسا افسر مقرر کرنا ہوگا جو مدرسہ اور گھر کے درمیان ہم آہنگی اور ارتباط قائم رکھے اور ایسے والدین کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکے جو اپنے بچوں کو مدرسہ بھیجنے سے گریز کرتے ہیں، اس طرح ابتدائی تعلیم ایک مدت تک محض چند مخصوص علاقوں میں ہی لازمی قرار دی جاسکتی ہے۔ مگر رفتہ رفتہ اسے پورے ملک پر پھیلا یا جاسکتا ہے۔

ن کی تعلیم | قبائلی علاقوں کی تعلیم کا انتظام کئے بغیر عراق میں تعلیم کو فروغ دینا امداسے
 ناممکن بنادیا۔ کم و بیش ناممکن ہے، اس لئے قبائل کی تعلیمی ضروریات کو ملحوظ
 رکھ کر ایسے قصبے میں جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ ابھی وہ تادیب قبائلی زندگی بسر کرتے ہیں
 ان سے تعلیم کی بنیاد ڈالی جائے جو ان کے ساتھ ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر
 ہے، اس شش در سے سے تعلیم بالبال کا شعبہ بھی متعلق ہو، جو جاہل نوجوانوں اور
 ہی تعلیم سے مدد نہ پاس کرانے کی سعی کرے، اور اگر نیکو ایسے گفتنی مدارس کی کچھ امداد
 ہو، عراق تعلیمی کام کرنے والوں کی تعلیم کے ساتھ ہر ممکن اشتراک کرے گا۔

طویل معیار پالیسی

اب تو محض ان تجویزوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہیں مختصر سی مدت میں عملی جامہ پہنایا جاسکتا
 ہے مقصد کا یہ طریق محض تدریس معیادی ہے اور اس تعلیمی ٹیم و دو میں نشانی راہ کی حیثیت رکھتا
 ہے خود منزل نہیں ہے، ان میں سے بعض تجویزیں فوری اقدام کی محتاج ہیں اور بعض
 نہیں کسی سازگار وقت کے لئے ملتوی کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ سب مل جل کر عراق کی تعلیمی
 ہی مدد چھوٹ سکتی ہیں، اس لئے اب ہیں ان تجویزوں کا جائزہ بھی لینا چاہئے جو
 ہی پستی دور کرنے میں تو سب سے زیادہ مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں، لیکن ان کی
 لئے طویل مدت درکار ہے، اچھے مدارس کے قیام اور صحیح تعلیم کے فروغ کا یہی ایک فوری
 کے منصوبے کو اس طرح پھیلا یا جائے کہ کم سے کم وقت اور کم سے کم دشواریوں میں
 مدد نتائج حاصل ہو سکیں۔

فستہ اساتذہ | اس ملک کی تعلیمی پستی کی ایک وجہ عراقی اساتذہ کی طبیعتے مانگی اور اچھے
 تربیتی اداروں کی کمی ہے، وزارت معارف اپنے اسلامی احمد میں ہی
 ہر وقت رہتی ہے کہ وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دے سکتی، اگر وزارت معارف کو

احتیاجی کامد بار کے ان گنہ گندہ خندوں سے بچایا جائے تو اسے تعلیمی ہستی کے بہت سے مسائل حل کرنے کا موقع مل جائے اور تعلیم کو عام کرنے کے لئے وہ ان مسائل کو بوجھ سے کنارہ لانے کی کوشش کرے جو تعمیر و ترقی میں سب سے زیادہ مفید و موزوں ثابت ہو سکیں، ان میں... تربیت اساتذہ سب سے اہم۔ اساتذہ میں عراق کے مختلف تربیتی اداروں میں ۵۴ اساتذہ نے تربیت حاصل کی، اس میں شک نہیں کہ بعض تربیتی ادارے بہت عمدہ اور مفید و مطلب کام انجام دے رہے ہیں لیکن ان سامنے سب سے بڑی وقت یہ ہے کہ متعلمین کی بیشتر تعداد ثانوی تعلیم کی تکمیل سے بھی محروم رہ رہی۔ چنانچہ ان اداروں کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ ان طلبہ کی کمی کو پورا کریں، بلکہ ہر تو اس کمی کو پورا کرنے میں کوئی قیاحت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر حق یہ ہے کہ ان طریقوں سے تربیت گاہوں کے کام بہت زیادہ دانت نکل رہا ہے اور جس مقصد کے لئے انہیں بنایا گیا ہے، وہی باقی نہیں رہتا۔ پھر ان اداروں میں اور دوسری ثانوی تعلیم گاہوں میں فرق کیا ہوا، اور جو لوگ ثانوی تعلیم کی تکمیل کر لیتے ہیں وہ ان اداروں کی بجائے ثانوی تعلیم گاہوں سے متعلق تربیتی اداروں میں ایک لکڑی کی تکمیل کے لئے داخل ہو جاتے ہیں، ان اداروں میں تعلیم و تدریس اور اس کے طریقوں کی تبدیلی کے لئے مناسب مواقع اور ضروری سائنس سامان نہیں ہوتا، ایسی تدریس اس وقت مناسب کہی جا سکتی ہے جب ملک کی تعلیمی ضروریات بہت زیادہ بڑھ جائیں۔ نئے مدارس کی تعداد میں بھی نہ بڑھو اور نہ بہتر ہو، اس وقت تو مدین کی تعداد کے بڑھانے کا ہی ایک طریقہ قابل عمل اور موزوں ہوتا ہے تربیت کی اس کمی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب مدرس نہایت بھونڈے انداز میں درس و تدریس شروع کرتا ہے۔ بہت کم اساتذہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اس بے مائیگی کو اپنی شخصیت اور اپنے ذہن و ساقی بدولت دہر کر لیتے ہیں، اور یہ حق یہ ہے کہ مقررہ نصاب سے ہٹ کر وہ چھوٹے بڑے کوئی مفید کام انجام نہیں دے سکتے، اور اگر بچوں نے چندا لٹے سیدھے فقرے کچھ ہی پڑائی کھائی اور باقی کے دوران کا طریقہ سیکھ لیا تو اسے تعلیم نہیں کہا جاسکتا، ان مدارس کو قواعد و اصول تعلیم کے مطابق بنانا چاہیے۔

طریقوں پر غور فرمائی کرے، اس سلسلے میں جو اس نظام نہایت ضروری ہیں، انہیں مختصراً ملاحظہ فرمادیں۔

۱۔ کچھ دلوں کے لئے دس سالہ تعلیم کے عہد کے لئے موجودہ نصاب کو ختم کر دینا چاہئے۔ اور اس کی بجائے پیشہ ورانہ نصاب کو داخل دوس کر دیا جائے جس میں ناطقہ کی شرط ثانوی مدارس کے امتحانات کی تکمیل سے اردی جائے۔

۲۔ ابعدہ ثانوی مدارس کی تربیت کے یک سالہ نصاب کو دو سالہ نصاب میں تبدیل کر دیا جائے۔

۳۔ ان اداروں کے پرکھنے والے اساتذہ کے نظام کار کو از سر نو ترتیب دیا جائے، لیکن اس کی ترتیب و تدوین کے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ابتدائی مدارس میں پڑھنے والے بچوں کی زیادہ تر تعداد دیہاتوں میں رہنے والی ہوگی، اس لئے گھریلو صنعتوں اور دوسرے دیہاتی علوم کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہوگا۔ اس وقت عوام میں دیہاتی اساتذہ کی تربیت کے لئے دو ترقیاتی ادارے ہیں تعلیمی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ان ترقیاتی اداروں کو پیشہ ورانہ تربیت کے اداروں میں تبدیل کر دیا جائے، اور ان میں سے زیادہ تر ضمنی علوم کی تربیت کی طرف توجہ دی جائے، لیکن داخلے کے لئے طالب علم کے پاس کم سے کم دس سالہ تعلیم کا سرٹیفکیٹ ہونا، ان میں ایک ادارہ بہت ہی بڑے ماحول میں قائم ہے، اسے اس کے موجودہ ماحول سے کسی ایسے مقام پر منتقل کر دیا جائے، جہاں مذہبی اور دیہاتی علوم کی ترقی و ترقی کا کام ہو رہا ہو۔

۴۔ دیہاتی علاقوں میں تعلیم کی ایک بڑھ چکی ہے، اس لئے دیہاتی مدارس کے اساتذہ کی تربیت کے لئے تربیتی ماحول سے قائم کئے ضروری ہیں، لیکن ایسے تعلیمی و ترقیاتی اداروں کے تعلیم کے لئے ایسے مقامات کا انتخاب کرنا چاہئے، جہاں جدید تعلیمی پروگرام کے مراکز ہوں، ان ترقیاتی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی رہائش کے لئے مکانات کی تعمیر بھی ضروری ہے، گاؤں، قصبوں اور شہروں میں رہائش کا مسئلہ اہم ہے کہ بعض اساتذہ کو دلا تاملتہ کے کسی کمرے میں بچوں کے ساتھ ہی رہنا پڑتا ہے اور بعض حالات میں بہت ہی گندے اور غیر صحت مند ماحول میں زندگی گزارنی پڑتی ہے، قوم کی

ترقی و تعمیر میں مدرس جواہر پارٹ ادا کرتا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اس کی رہائش کا انتظام نہایت ضروری ہے یہ حالات کچھ ایسے ناگفتہ بہ ہیں کہ بعض اساتذہ اسی وجہ سے گھاؤں میں اور ایسی جگہوں پر کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جہاں انہیں رہائشی دقتیں ہوتی ہیں، اگر رہائش کا معقول انتظام ہو تو دیہاتی علاقوں میں بھی اچھے مدد میں کام کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں۔

ابتدائی مدارس میں تدریسی طریقوں کو بہتر بنانا

ابتدائی مدارس کی معاشرتی زندگی | مدرسے کی معاشری زندگی میں ہم اہم پہلی پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ طلباء اور اساتذہ کا گہرا اور مربوط تعلق ہے۔ اور کسی سماج کی ترقی اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے ان کا تعاون اور اشتراک عمل ضروری ہے، اگر مدرسے لئے دن ایک مدرسے سے دوسرے مدرسے میں منتقل ہونے کی فکر میں رہے گا تو وہ مدرسے کی سماجی زندگی میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لے سکتا، ابھی تو بچوں سے اس کی دو ایک ملاقاتیں ہی ہونے پاتی ہیں کہ وہ کسی دوسرے ادارے میں جانے کے لئے اپنا رخت سفر باندھ لیتا ہے، دیکھئے اس بدشاس ہونے پاتے ہیں اور وہ ان کے دلوں میں استاد کا احترام اور تیار پیدا ہوتا ہے، استاد کو بچے کی انفرادیت کے جاننے اور اسے ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنے کا موقع ہی نہیں ملتا، انجام کار وہ اس ملاقات کی معاشری زندگی کو اپنانے میں کامیاب نہیں ہوتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ دیہاتی مدارس میں اساتذہ کے لئے مکانات تعمیر کئے جائیں اور انہیں کچھ "دیہاتی الاؤنس" بھی دیا جائے اس طرح اچھے اور تربیت یافتہ اساتذہ دیہاتی تعلیمی ترقی میں حصہ لینا شروع کر دیں گے، اگر اس قسم کے انتظامات کئے گئے تو دیہاتی مدارس بہت جلد عراق کی سماجی زندگی میں ادنیٰ مقام حاصل کر لیں گے۔

ادارہ دہوں کی تربیت اور ان کی رہائش کا معقول انتظام کر دیا گیا۔ اور
مددہوں کے لئے آزادی کا | انہیں ان تفکرات سے نجات مل گئی تو وہ زیادہ مددگی سے اپنے پرکھا

کو مرتب کر سکیں گے۔ اور اس سے مدرسے کے شائق اور اس کی تعلیم و تربیت میں نئی زندگی اور نئی روح پیدا

دجائے گی، حالانکہ دیہاتی اور شہری مدارس اور لڑکوں اور لڑکیوں کے نصاب میں کوئی فرق نہیں
 پر بھی اس تعلیمی ماحول میں بھی آزادی کار کے مختلف مواقع موجود ہیں، جن سے فائدہ اٹھا کر سماجی زندگی
 بہتر بنایا جاسکتا ہے، یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ بہت جلد ایک ایسا وقت بھی آجائے گا جب امتداد
 رکوی نصاب کو ختم کر کے علاقائی ضرورتوں کے پیش نظر نصاب اور اساتذہ کی رہنمائی کے لئے ایک ماہر
 پروگرام مرتب کرے گی، اگر اس قسم کا نصاب اور پروگرام مرتب کر لیا گیا اور مدرسوں کو بھی اپنا اپنا طریق کار
 متعین کرنے کی اجازت مل گئی تو اس سے ان کے پروگرام میں نیا جوش پیدا ہو جائے گا، اس اساتذہ
 بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنے لگیں گے، اور ان بے وقوف مدرسوں میں زندگی کی ایک لہر بھی دوڑ
 جائے گی۔ اور اگر وزارت معارف اس تجویز کو اتنا مفید نہ سمجھے یا ہر مدرسے کو اپنی اسکیم بنانے کی اجازت د
 دے تو کم سے کم ہر صوبے میں اساتذہ کا ایک مشاہداتی بورڈ تیار ہو کر مقرر کر دیا جائے، جو اپنے علاقوں کے
 پروگرام مرتب کر سکے اور ان صوبائی پروگراموں کو مرکزی حکومت بھی منظور کر لیا کرے۔

اساتذہ اور ان کی ضروریات | درس و تدریس کے سلسلے میں اساتذہ کی تربیت اور رہائش کے لئے
 مکانوں کے انتظام سے قطع نظر ان کے بڑے علمی و دستوراتی خود اعتمادی کا
 بھی ضروری ہے، انہیں اپنے ماحول سے پوری پوری واقفیت ہو، اپنے پیشے سے وابستگی ہو، طلباء کے
 جہانات کا علم ہو اور باہمی تعاون و اشتراک سے وہ ایک نئی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہوں۔

الحق تعالیٰ میں لازمی ابتدائی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے سب سے پہلے ملک کے معاشی اور
 سماجی مسائل کو حل کیا جائے۔ اس کے بعد ہی صوبائی تعلیمی کمیٹی لازمی تعلیم کے لئے راہ ہم دار
 کر سکتی ہے۔ اس لئے صوبائی تعلیمی کمیٹی کا قیام نہایت اہم ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے کم سے دو
 صوبوں میں ”مشامی لازمی تعلیمی ترقی“ کی تجویز کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان میں سے
 ایک صوبہ شمال میں ہو اور دوسرا جنوب میں۔ اسی طرح رفتہ رفتہ پورے ملک میں لازمی تعلیم کو
 جاری کیا جاسکتا ہے۔

ایسیل روسوں کی تعلیم

توقیر میرزا رزقی

سلسلہ نمبر ۲۲

ہر ایک کے لئے دوڑنے کے جدا جدا مقامات معین کرنے وقت وہ یہ نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ دوڑنے کے فاصلے فی مسافت میں اور معینہ مقام پر پہنچنے کے لئے جس کسی کو طویل ترقی فاصلہ دوڑنا ہو تا تھا وہ ڈوٹے میں ہی رہتا تھا اور باوجودیکہ میں نے اپنے شاگرد کو جس مقام سے وہ چاہے دوڑنے کی آزادی دے رکھی تھی ہیکسی وہ اس سے فائدہ اٹھانا نہ جانتا تھا وہ محض بلالی لافعل ہمیشہ صاف اور ہم ولا ترین راستہ ہی اختیار کرتا تھا پس انتخاب کے قبل ہی میں پیش گوئی کر سکتا کہ وہ کونسی راہ اختیار کرے گا۔ اور تقریباً اپنی اپنی مرضی سے جتوایا کر سکتا تھا اس حکمت عملی میں مجھے ایک سے زائد مقاصد مد نظر تھے میں چاہتا تھا کہ ان فاصلوں کی کمی بیشی کو وہ خود محسوس کرے پس اس سے واقف کرانے کی میں نے سعی کی۔ عام طور سے ٹوہ آرام طلب اور سست ضرورت تھا لیکن اس کھیل میں اس کو اس قدر تھما کہ ہو گیا تھا اور مجھے پراس قسیر کمال بھروسہ رکھنے کا تھا کہ یہ محسوس کرانے کے لئے کہ میں اس کو دھوکے میں رکھتا تھا، مجھے خود بخود ہی وقت اور دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر جب اس کے اظہار میں مجھے کامیابی حاصل ہو گئی تو وہ باوجود اس قدر جوش و خروش رکھنے کے مجھ سے ناراض ہو گیا، میں نے اس سے کہا۔ تم کس بات کی شکایت کرتے ہو؟ کوئی علیہ یا انعام اگر میں کسی کو دینا چاہتا ہوں تو اس انعام کے متعلق شرائط عائد کرنے کا کیا میں بذات خود مختار نہیں ہوں؟ تہیں دوڑنے کو کس نے کہا ہے؟ کیا میں کسی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اسے فاصلے سادی

آموزش

رکھوں گا، کیا میں نے تمہیں بالکل آزادانہ اختیار دے رکھا تھا، کیا تمہیں یہ نہیں دکھائی دیتا کہ تم پر میری کتنی غنایت ہے، میں ہم مساوات کا تم کو دکھاتے ہو کیا وہ تمہارے ہی فائدے کے لئے نہ تھی، بشرطیکہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے۔ اس سے معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ آئندہ سے اس بچے کو دوڑنے کا مقام ترجیح دینے کے لئے زیادہ احتیاط سے کام لینا ضروری ہو گیا۔ ابتداءً اس نے اپنے قدموں سے فاصلوں کو ناپنے کی کوشش کی لیکن بچے کے قدم چھوٹے اور غیر صحیح ہوتے ہیں۔ اور پھر میں نے بھی ایک ہی دن میں کئی کئی دوڑوں کا اعلان کر دیا، پس چوں کہ بچے کو اس کھیل کی ایک لست سی پڑ گئی تھی، اس لئے وہ دوڑنے کے وقت کو فاصلوں کے ناپنے میں صرف کرنا پسند نہ کرتا تھا، اس قسم کی تاخیر بچوں کی سرخیہ الراجی اور نا صبور سی سے پہل نہیں کھا سکتی ہے، لہذا اس بچے نے خود سے دیکھ کر نظر کے ذریعہ ہی زیادہ صحیح اندازہ لگانے کی مشق شروع کر دی۔ اب بچے کی قوت کو صحت اور قوت دینا کچھ زیادہ دشوار معاملہ نہ رہا تھا، بالآخر چند ماہ کی عملی مشق اور اس بچے کی غلطیوں کی تصحیح ہو جانے کے بعد اس کی قوت اندازہ اس قدر مدھرت گئی کہ میں کسی فاصلہ بعید پر صرف ایک خیالی ایک لکھ دیتا تھا تو وہ ایک منظر میں اس فعل کا ایسا صحیح اندازہ لگا دیتا تھا جیسا کہ کوئی پائش کرنے والا اپنی زنجیر کے ذریعہ ناپ کر جانتا ہے۔

جملہ جو اس میں فقط نظر ہی وہ جس سے جس کی تفریق ذہنی فیصلوں کے ذریعہ ہم بھٹک ہی کر سکتے ہیں، لہذا کسی شے کو دیکھنا سیکھنے کے لئے ایک مدت مدیدہ کا رہتی ہے، بصارت اور پس کا موازنہ کرنے اور بصارت کو کسی منظر اور اس کے فعل کے متعلق صحیح اور ٹھیک اندازہ لگانے کی طہارت حاصل کرنے کے لئے ایک طویل عرصہ کا مدت ہے، حرکت ارتقائی کے اندر چھوٹے بغیر دنیا میں نیز سے تیز گام بھی ہیں حاصلے کا صحیح نقل نہیں بخش سکتی ہے، میپ کے کیڑے کو مادی دنیا ایک ہی نقطہ نظر آتی ہے، اور اس کے پاس اگر انسانی ذہن بھی ہوتا تب بھی اس سے زیادہ اسے کچھ بھی دکھائی دیتا صرف چلنے چھوٹنے، حساب لگانے اور اشیاء کی وسعت کی پائش کرنے ہی سے ہم چیزوں کا صحیح اندازہ لگانا سیکھتے ہیں، لیکن اس کے برخلاف اگر ہم ہر چیز کی ہمیشہ پائش ہی کیا کریں۔ تو ہمارے حواس صرف حالات اور اوزانوں ہی ہی اکتفا کرنے لگیں۔ اور خود کبھی بھی فائدہ کامل

حاصل نہ کر سکیں، نہ ایک بچے کو پیمائش کرتے کرتے ایک دم سے خود بخود نفل لگانے لگتا چاہئے اگر وہ کل قاصلے کا اندازہ نہ لگا سکتا ہو تو اسے اس قاصلے کے علیحدہ علیحدہ اجزاء کا اندازہ لگاتے دہنا چاہئے، اسے پیمائش شدہ مساوی حصص کی جگہ اپنے اندازہ کردہ مساوی حصص قائم کرنا چاہئیں اور ہاتھوں سے پیمائش کرنے کی بجائے آنکھوں سے اندازہ لگانے کا مادی ہونا چاہئے، ہر حال میں اس کے پہلے اندازے کو پیمائش کے ذریعہ جانچ کر اکر کے بناؤں گا تا کہ وہ اپنی غلطی کی تصحیح کر سکے اور اگر اس کے پاس پر کوئی غلط نقش قائم ہو گیا ہو تو اسے زیادہ صحیح اندازے کے ذریعہ درست کرے، پیمائش کے فطرتی معیار یعنی انسان کا قدم۔ اس کے ہاتھوں کا پھیلاؤ اور اس کا قدم قاصد تقریباً ہر جگہ مساویانہ طور پر استعمال ہوتے ہیں پس جب کبھی ایک بچہ اپنے کمرے کی چھت کی اونچائی کا اندازہ لگانا چاہے تو پیمائش کا گزہ خود اذاتیق کو ہی بنانا چاہئے۔ اگر وہ کچھ کسی مینار کی بلند کی کا اندازہ لگانا چاہے تو اس کا آلہ پیمائش مکان ہونا چاہئے، اگر وہ کچھ یہ معلوم کرنا چاہے کہ کوئی سڑک کتنی لمبی ہے تو اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ ایک سرے سے دوسرے سڑک تک جانے میں اسے کتنے گھنٹے درکار ہوتے ہیں، اور سب زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ اس کے لئے آپ خود کچھ نہ کریں، بلکہ یہ سب کچھ اسے بذات خود ہی کرنے دیجئے۔

اجسام کی حیثیت پہچاننا اعدان کی اشکال کی نقل اتارنا سیکھے بغیر کوئی شخص بیک وقت مصدوری ان کی جسامت کا اندازہ لگانا نہیں سیکھ سکتا ہے۔ اس لئے کہ نقالی کا انحصار فی الواقع کلیتاً قوانین بصارت پر ہی ہوتا ہے اور ان قوانین کو جانے بغیر قاصلے کا کوئی شخص بھی اندازہ نہیں لگا سکتا ہے، تاہم بچے اپنی محدود نقالیوں کے دوران میں مصدوری کی بھی کوشش کرنے لگتے ہیں لہذا مفسر فن کے لئے نہیں بلکہ صحیح نظری اور انکلیوں میں لچک پیدا کرنے کی غرض سے میں بتائیں کہ اس فن کی بھی مشق کرواؤں گا، یا بالفاظ عام متذکرہ صند مشق سے جو نظر کی صحت لطافت جسمانی پاکیزگی اور بیک پن کی عادت پڑ جاتی ہے، وہ اگر مسلسل کو حاصل ہو جائے تو پھر مجھے اس کی فکر نہیں رہے گی کہ وہ اس سے واقف ہے یا نہیں پس میں اس بات کی بڑی استیاء کروں گا کہ

اسٹیل کے لئے میں کسی ڈرائنگ ماسٹر کو دو کھوں جو اسے حسن نقوش کی نقل اتارنا اور نقشوں پر سے ہی نقشہ بنانا سکھائے گا، اسانی قدرت ہی ہوگی اور اس کی نقشہ کشی کا نمونہ اختیار اور مناظر ہوں گے، اسٹیل کے سامنے اہلی چسپیز ہوئی چاہئے کسی چیز کی کاغذی نقل نہ ہوئی چاہئے، اسٹیل کو دیکھ کر گردخت اور آدمی کا نقشہ اتارنا چاہئے تاکہ اسے اشیاء اور ان کی صحیح حالت دیکھنے کی عادت ہو جائے اور مصنوعی و ناماشی چیزوں کو وہ اہل نہ سمجھنے لگے، میں اسٹیل کو اس کی بھی عادت ڈالوں گا کہ وہ صرف انہی چیزوں کا نقشہ اتارے جو اس کے سامنے موجود ہوں، اپنے حافطے کو دخل نہ دے تاکہ شاہدوں کی ہکار کے باعث اس کے ذہن میں چیزوں کی ٹھیک اور صحیح شکل بیٹھ جائے اور ایسا نہ ہو کہ اصلی اور حقیقی چیزوں کو چھوڑ کر وہ بیکار اور خیالی نقشے اتارنے لگے اور ان اشیاء کے مناسب احساس اور قدرتی مذاق کو ضائع کر بیٹھے۔

یہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ کوئی قابل اقیانوس چیز تیار کرنے کے قبل وہ انکنت ٹیڑھی ٹیڑھی لکیریں اور ناقابل اقیانوس نقشے ہی اتارے گا، اور یہ کہ ایک نقشہ نویس کے ہاتھ کا بسک پن اور اس کے خاکوں کی قدرت حاصل کرنے کے لئے اسٹیل کو ایک عرصہ درکار ہوگا، اور شاید اپنے نقشوں میں باذہبیت نگاہ اور اعلیٰ مذاق تو وہ بھی پیدا نہ کر سکے گا۔ برخلاف اس کے صحیح الفطری، پُر وثوق ہاتھ، جانوروں، پودوں اور قدرتی چیزوں کے درمیان شکل و جسامت کے اہلی تعلقات کا مسلم مع مناظر کے اثرات کی سریع الحسی کے اُسے یقیناً حاصل ہو جائے گا، میں حقیقتاً چاہتا بھی یہی ہو اور میرا مقصد حقیقی بھی یہی ہے کہ اسٹیل نقل اتارنے کی بجائے خود اشیاء ہی سے واقف ہو جائے میں تو ایک اعلیٰ شاہکار کی نسبت ایک بول کے درخت کی ناقص تصویر ہی بنی ہوئی دیکھنا زیادہ پسند کروں گا۔

طاوہ بریں دیگر مشاغل کی مانند اس شغل میں بھی اسٹیل کو میں اکیلا نہ چھوڑوں گا، بلکہ زیادہ دل چسپی پیدا کرنے کے لئے خود میں بھی اس کا ہم سبق بن جاؤں گا، میرے سوا اس کا کوئی رقیب نہ ہوگا، اور میری اس رقابت سے اسے کسی قسم کا خطرہ نہ ہوگا، اس لئے کہ میری شرکت سے

حد پیدا کئے جبرائیل کے مشاغل کی دل چسپیوں میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا۔ اسکیل کی تقلید میں ایک نپل میں خود بھی اٹھاؤں گا، اور شروع شروع میں بھی اسی کی مانند اناڈی اپنے ہی سے کام لوں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو میں اپیلیز (APELLES) کے مانند ہر جاذب کا۔ ابتدا میں ایک آدمی کا خاکہ بالکل ایسا بناؤں گا جیسا کہ بچے دیواروں پر اتارا کرتے ہیں، ہر ہاتھ اور ہر پیر کے لئے ایک ایک لمبی لکیر اور اٹھکیاں ہاتھوں سے لمبی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد ہم میں سے ایک اس تناسبی نقص کی طرف متوجہ ہو گا، اور ہم یہ مشاہدہ کر لیں گے کہ ٹانگہ مٹتی ہوئی ہے اور اس کی موٹائی تدریجی اور سڈول ہوتی ہے، اور ہاتھوں کی لمبائی جسم کے تناسب کے مطابق ہوتی ہے، ان ارتقائی مدارج میں یا تو میں اپنے شاگرد کے ساتھ چلوں گا۔ یا بعض اتنا ہی اس سے آگے دوں گا کہ وہ بہ آسانی مجھے پکڑ کر کے اور بعض بعض اوقات مجھ پر بھی فوقیت حاصل کر سکے، اس کے بعد ہم ہوش اور رنگ بھی لے آئیں گے اور چیزوں کا خاکہ اتارنے کی بجائے ہم ان چیزوں کے رنگ، روپ کی پوری پوری نقل اتارنے کی کوشش کریں گے، مطبوعہ خاکوں میں رنگ آمیزی کریں گے اور انٹے سیدھے دھبے ڈالیں گے، ان تمام الٹی سیدھی لکیروں کو کھینچتے وقت ہم قدرتی اسرار کی مسلسل جستجو میں بھی رہیں گے، اور جو کچھ کام بھی ہم کریں گے اسی اتانی کی نگہانی میں انجام دیں گے۔

ہمارے کرے کی زیبائش کے لئے ہیں اس کی آراستگی اور سجاوٹ کی ضرورت ہوگی، ہمارا مقصد ہی ہے ہیں تمام سامان تیار مل جائے گا، ان تصویروں کو میں عمدہ اور خوبصورت چمکھٹوں میں جڑواؤں کو اندھے لکھواؤں گا۔ تاکہ انہیں کوئی ٹھونڈے اور وہ ایسی جگہ آویزاں ہوں گی۔ اور سبائی جائیں گی جہاں ہر وقت ہماری نگاہ کے سامنے رہنے کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے مال کی حفاظت کا موقع حاصل ہو میں ان تصاویر کو جو میں ہیں اور میں تیس مرتبہ اتاری گئی ہوں گی کرے میں علی الترتیب چاروں طرف اس طور پر لٹکا دوں گا کہ ہم میں سے ہر ایک صورت کی اس وقت سے تدبیر کی رفتار کی کاپیہ چل سکے، جب سے کہ اس نے اپنی پہلی تصویر مکان کے بے قاعدہ چٹاؤں کی

بائی تھی، پھر مکان کے صدر حصہ کا منظر اٹھا۔ اس کے بعد دونوں پہلوؤں کا منظر اٹھا۔ اور پھر مکان کا تناسب قائم کر کے اس کے اندھیروں اجالوں کا شیڈ دے کر ایک بالکل صحیح اور ٹھیک نقشہ اٹھا۔ یہ طارح نہیں ایسی تصویریں بنیا کر دیں گے جو خود ہمارے لئے بھی ایک دل چسپی کا باعث ہوں گی، اور دوسروں کے لئے بھی ایک حیرت و استعجاب کا اور جن سے ہمیں اقدام مزید کی اور بھی زیادہ ترغیب ہوگی، ابتدائی اور مجبوزندی تصویریں بعض نمائش کی غرض سے میں نہایت عمدہ سنہرے چوکھٹوں میں جوڑا دوں گا، اور جوں جوں نقالی صحیح تر اور مصوری حقیقتاً عمدہ ہوتی جائے گی، میں تصویروں کو سادہ ترین اور یادہ چوکھٹوں میں جوڑا تا جاؤں گا، اس لئے کہ ان تعادلیہ کو ذاتی خوبی کے سوا کسی سبب کی ضرورت نہ ہوگی اور یہ بڑی ہی افسوسناک بات ہوگی کہ تصویر کی ذاتی نفاست اور خوبی کو چوکھٹا جذب کر لے، پس ہم دونوں میں ہر ایک کو سادے چوکھٹے ہی کی خواہش رہے گی اور جب کبھی ہم ایک سے کسی تصویروں کی جوادہ مت کریں گے تو اس پر سنہرے چوکھٹے کا فقرہ ہی چسپاں کریں گے، بینہرا چوکھٹا کسی زمانے میں ہمارے مابین شاید ایک ضرب المثل ہو جائے گا، اور ہم یہ معلوم کر کے تعجب کیا کریں گے کہ کتنے لوگ ہیں جو سنہرے چوکھٹوں کی خواہش رکھنے کے ذریعہ اپنی اصلیت اور حقیقت کو آتش کا کر دیتے ہیں۔

یہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ جیومیٹری بچوں کے بس کی بات نہیں ہے لیکن یہ ہمارا جیومیٹری

اپنا ہی قصور ہے کہ ہم یہ دیکھنے سے محروم رہتے ہیں کہ بچوں کا طرز عمل ہم سے مختلف ہوتا ہے جو ہمارے لئے گیان ہے وہ ہمارے لئے دعیان ہے، انھیں اپنا طریقہ سکھانے کی بجائے یہ بہتر ہوگا کہ ہم خود ہی ان کا طریقہ اختیار کر لیں، اس لئے کہ جیومیٹری سیکھنے کا ہمارا طریقہ اتنا سخیلی ہے جتنا کہ وہ قہقی ہے، جب کوئی ایک مقالہ بیان کیا جائے تو اس کے ثبوت کا تصور باذعنہ آپ کے بہت ضروری ہوتا ہے، یعنی آپ کو یہ سوچنا ضروری ہوتا ہے کہ آپ کے پڑھے ہوئے مقالوں میں اس کا کس مقالے سے تعلق ہے اور پھر اس مقالے کے جملہ استنتاجوں میں سے ایک صحیح مطلوب نتیجہ منتخب کرنا آپ کو ضروری ہوتا ہے۔ اس طور پر پڑے سے بڑا منطقی بھی بشرطیکہ وہ جدت پسند نہ ہو

خود کو جھکا ہوا پا سکتا ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے یہ کہ خود ہم سے ثبوت معلوم کرانے کی بجائے وہ ہم سے بیان کر دیا جاتا ہے، اور عقل استعمال کرانے کی بجائے ہم سے ہمارا حافظہ استعمال کر دیا جاتا ہے۔
 صحیح تسکین کہنی ہے، اور انہیں اکٹھا کر دیجئے، اور پھر انہیں اوپر تلے نکل کر ان کے تعلقات جانچئے تو آپ کو تطبیق، تعریفوں، منسلوں یا کسی اور قسم کے مظاہروں کا ایک لفظ بھی معلوم کئے بغیر ایک ہڈ کے ذریعہ دوسرا مشاہدہ کرنے کی وجہ سے تمام ابتدائی جیومیٹری آجائے گی، میں یہ نہیں کہتا کہ انجیل کو میں جیومیٹری سکھاؤں گا بلکہ وہ خود مجھ ہی کو سکھائے گا، تعلقات کا میں پتہ چلاؤں گا وہ انہیں معلوم کرے گا، اس لئے کہ میں ان کی تلاش ہی اس طور پر کروں گا کہ وہ انہیں خود ہی معلوم رکھے مثلاً دائرہ کہنیے کے لئے کسی پرکار کا استعمال کرنے کی بجائے میں ایک ڈوری میں منسل اندر کر اس ڈوری کا ایک سر، ایک کونٹھی سے باندھ دوں گا، اس کے بعد جب میں دونوں ٹروں کا مقابلہ کروں گا تو اسمیل میرا مذاق اڑائے گا، اور مجھے بتائے گا کہ ایک محدود تے ہوئے فہرے سے کوئی دائرہ غیر مساوی قطروں کا نہیں بن سکتا، اور اگر میں ۶۰، درجے کا زاویہ اپ کر بناؤں گا تو میں زاویے کے کنارے قوس کی بجائے پورا دائرہ ہی کھینچ دوں گا، اس لئے بچوں کے معاملات میں کسی چیز کو مسلم الثبوت خیال دکر ناچاہئے، مجھے اس سے یہ معلوم ہو چکا گا، دائرے کا وہ حقیقتہً جو زاویے کی دو ٹانگوں کے مابین واقع ہوتا ہے وہ دائرے کا چھٹا حصہ ہوتا ہے پس اسی مرکز سے میں ایک اور ذرا بڑا دائرہ بناؤں گا تو مجھے معلوم ہو گا کہ اس دائرے کی سبھی جو اس زاویے کی دونوں ٹانگوں کے مابین قائم ہوئی ہے اس دائرے کا چھٹا حصہ ہے۔
 سہ بارہ ایک اور دائرہ کہنیوں کا اس کا بھی حشر ہو گا، الغرض میں دائروں پر دائرے اسی ایک نتیجہ کے ساتھ کہنی پتا چلا جاؤں گا، حتیٰ کہ انجیل میری حماقت سے متغیر ہو کر مجھے بتائے گا کہ ہر قوس وٹی ہو یا بڑی جو ایک ہی زاویے کی ٹانگوں کے درمیان قائم ہوگی وہ ہمیشہ اپنے دائرے کا چھٹا حصہ ہی ہوگی، اس کے بعد ہم چاہیں تو پوڈو کیٹر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔
 یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ایک خط مستقیم پر دو متصلہ زاویوں کا مجموعہ دو زاویوں کے برابر

آموزش

لوگ یہ دائرہ کھینچ دیتے ہیں۔ میں اس کے برعکس سہیل کو اسی دائرے کے اندر اس واقعہ
ادول گا، اور اس سے کہوں گا، اگر ہم دائرہ شادیں اور محض کبیروں کو ہی دہنے دیں تو زادیوں
ن کیا فرق پڑ جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

ن کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے کہ شکلیں صحیح بنائی جائیں بلکہ انہیں صحیح فرض کر کے محض ان کے
ورد دیا جاتا ہے، اس کے برعکس ہمارے پاس ثبوت وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، ہمارا
م یہ ہوتا ہے کہ نہایت سیدھی اور صحیح لکیریں مکمل اور ٹھیک جو کو درج اور بالکل صحیح
ت دائرے کھینچیں، ان شکلوں کی صحت کا اطمینان کرنے کے لئے ہم ان کی ہر ایک جھولامیت
ہیں جس سے ہمیں روز بروز نئی نئی غامضیتیں معلوم کرنے کا موقع مل جاتا ہے، ہم دائرے کے
محصول کو قطر پر اور ربع کے دو نصف حصوں کو خط بین الزاویہ پر موڑ دیتے ہیں، اس سہیل
ن دونوں کشیدہ شکلوں کا مقابلہ دیکھنے کے لئے کرتا ہے کہ کونسی شکل کے کنارے نہایت
ٹھیک بیٹھتی ہیں یعنی ہم دونوں میں سے کس کی بنائی ہوئی شکل صحیح ترین ہے، پھر ہم یہ
تے ہیں کہ آیا یہ مساوی تقسیم متغییل اور متعدد پہلوؤں والی شکلوں میں ممکن ہو سکتی ہے بعض اوقات
م کرنے کے لئے ہم کسی ایک نتیجے کے متعلق پیشین گوئی بھی کر دیا کرتے ہیں، میرے طالب علم
دل اور پر کا دیکھ کر استعمال ہی جیومیٹری ہے، سہیل کو ڈواٹنگ جس میں کہ یہ آلات استعمال
تے ہیں اور اس علم کو ہرگز غلط طے نہ کرنا چاہئے۔ میں جغتی اور پر کار دونوں کو ہی متغفل
لا کہ وہ ان کے ساتھ گڑبڑ کرنے کا عادی نہ جائے، لیکن کبھی کبھی ہم اپنی ان شکلوں کو
جی کے وقت اس غرض سے ساتھ لے جایا کریں گے کہ ہم جو کچھ کام انجام دے چکے ہیں
نہ دینا چاہتے ہوں ان کے متعلق گفتگو کر سکیں۔

ایک نوجوان شخص کو جسے میں نے ٹورین میں دیکھا تھا میں کبھی نہیں بھول سکتا، اقلیدسی
تی اشکال کے لکچر میں سے روزمرہ مساوی الاضلاع کی ایک چٹنی جی فادت کے باعث
ہمیں ہی سے سلج اور اونچی نیچ کے تعلقات کو جان لیا تھا، اس چھوٹے سے پودے نے

یہ معلوم کرنے کے لئے کسب سے بڑا ایک کونسا ہے، اکیڈمیڈ (ARCHIMEDES) کی سار (اسنادی غتم کردی تھی)۔

پھر جب پتنگ اڑاتا ہے تو اس وقت وہ آنکھ اور ہاتھ دونوں کا صحیح اندازہ معلوم کر سکتا ہے، اور جب وہ لوگوں کو دکھاتا ہے تو اس کے ذریعہ وہ اپنی قوت کو ضرور دکھاتا ہے۔ لیکن کسی قسم کا علم حاصل نہیں کرتا ہے، اکثر میں یہ سوچا کرتا ہوں کہ بچوں کو بھی وہی ماہرہ کھیل کر سیکھائے جائیں جو بڑے آدمی کھیلتے ہیں، یعنی ٹینس، بلیئرڈ، تیرا اندازی فٹ بال اور آلات موسیقی وغیرہ کا استعمال وغیرہ۔ لیکن مجھ سے کہا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض کھیل تو بچوں کا استطاعت کے باہر ہیں اور بعض کے لئے ان کے حواس بچتے نہیں ہوتے ہیں۔

یہ غدر مجھے معقول نہیں سمجھتے ہیں۔ ایک بچہ آدمی کے قد کا نہیں ہوتا ہے، لیکن گو وہ اسی نوٹے کا ذیبتن کرتا ہے جو پورا آدمی استعمال کرتا ہے، میں اسے تین فٹ اونچی بلیئرڈ کی میز پر اپنے کیو سے ٹھوڑی کھلانا چاہتا ہوں، ان میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ ادھر ادھر مارا مارا پتھر اور ذیبتن چاہتا ہوں کہ ہارٹیس کا بلا اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں ہلاتا پھرے، لیکن کرے کی کھڑکیاں بند کر کے بچے کو اس کے اندر کھلائے اور ٹینس کا بلہ ٹھوڑی کا بنوادے، پھر کھال یا بلہ بنوادے اور بعد ازاں کا جیسے جیسے وہ ترقی کرے آپ کا عمل بھی بدلتا رہنا چاہئے، پتنگ بازی کو آپ محض اس وجہ سے سبقت دیتے ہیں کہ اس میں تھکان بھی کم ہوتی ہے اور خطرہ بھی کم لیکن یہ آپ کی دھڑی غلطی ہے۔ پتنگ بازی تو عورتوں کا کھیل ہے جو سخت میچ سے بھاگتی ہیں اور جن کا نازک اور ملائم چہرہ چومیں کھا کر سخت ہونے کے لئے نہیں بنا اور نہ ان کا چہرہ زخمی ہونے کے لئے بنا ہے۔ لیکن ہم مرد تو طاقت ہی کے کاموں کے لئے بنائے گئے ہیں، کیا آپ کے خیال میں ہم بغیر مشقت و دہن سکتے ہیں؟ اور ہم پراگم کوئی حلہ اور ہر یا کوئی آفت آجائے تو کیا ہم بغیر استعمال قوت اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ جن کمیلوں میں خطرہ اور جو کم نہیں ہوتا ہے اخیر لوگ دم توڑ چکی اور لا پرواہی کے ساتھ کھیلتے ہیں، ایک مرنے والی پتنگ سے کوئی زخمی نہیں

ہر سکتا لیکن سر کی مخالفت کرنے سے باز نہیں آتا جس قدر پیک اور پھرتی آتی ہے، اور آٹھ کی حرکت میں جس قدر کھینچا جاتا ہے، اتنی کسی اور ورزش میں نہیں ہوتی ہے، ایک کمرے میں اس کو نہ تک بھاگنا، گیند کے گرنے کے قبل اس کے اچھلنے کا اندازہ لگانا اور پوری قوت اور صبر اندازے کے ساتھ گیند کو واپس لوٹانا وغیرہ دراصل صرف آدمیوں کے کیلئے ہی کے کیل نہیں ہیں بلکہ بچے کے بھی یہ آدمی بنانے والے کیل ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ بچے کے اعضاء، طالع اور نازک ہوتے ہیں، بے شک ان کے قومی آدمی کے مانند مضبوط اور طاقتور تو نہیں ہوتے ہیں لیکن جس طرح کہ ہم بچوں سے دیگر آدمیوں کو استعمال کراتے ہیں، اسی طرح ان کے ہاتھوں کو بھی جلد امور کا لحاظ رکھ کر استعمال کرنا چاہئے، بچوں کو اپنے ہاتھوں کو استعمال کرنے کی عادت نہیں ہوتی ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ بچے فی الواقع اپنے ہاتھوں کو استعمال کرنے کی عادت حاصل کریں، اس لئے کہ نقص مشق سے آدمی بھی نرا کھوادی کا کھوادی رہ جاتا ہے، ہم اپنے اعضاء کو استعمال کرنے سے ہی ان کا استعمال صحیح طوعہ پر کرنا سیکھتے ہیں اور بعض ایک طویل تجربے کے بعد ہی ہم اپنے بہترین قاتی فوائد سے واقف ہوتے ہیں، اور یہی تجربہ ہمارے مطالعے کا مقصد متینتی ہے جس میں کہ ہم زیادہ جلد مصروف نہیں ہونے پاتے ہیں۔

جو ایک مرتبہ کیا جا چکا ہے وہ پھر کیا جا سکتا ہے، ایسے تیز و تار اور ہنرمند بچے جن کا ایک ایک عضو پھرتی اور چستی میں پورے آدمی کی مانند ہوتا ہے، بہت نام نظر آتے ہیں، ہر ایک ایسے ٹیبل میں ایسے بچے جموں کی ٹیبل میں بھرتے۔ ہاتھوں کے بل چلتے، کودتے، اچھلتے اور دیووں پر ناچتے نظر آتے ہیں ان کی قدیم تماشہ گاہوں میں عرصہ دراز تک بچوں کی ٹکڑیاں ہی لگوں تو تادیخی گیتوں اور رقصوں میں محو اور مسرور کئے رکھتی تھیں، جو منی اور ان کی میں وہ کوئی شخص ہے جو کوئی لہجہ کی شہرہ آفاق ہانسی کے نام نامی سے واقف نہ ہو، کیا کسی کو کبھی یہ بھی خیال گذرا کہ اس نامک کہنی کے بچوں کے کیل اور ان کی نفس و حرکت پڑے آدمیوں کے مقابلہ میں ناقص تھی یا ان بچوں کی وضع قطع کچھ کم فائدہ نہ تھی یا ان کی ساخت غیر صحت تھی، یا ان کا نالج زیادہ بجا اور بد وضع تھا، اگر ابتدائی سن میں ہی بچوں کا

اکھلیاں موٹی۔ چھوٹی اور بھونڈی ہوتیں اور ان کی گہری تھیلیاں کوئی چیز پکڑنے کے قابل نہ ہوتیں
 تو اس سے کیا بہت سے بچے پڑھنے لکھنے سے اس عمر میں محروم ہو جاتے جبکہ دوسرے قلم یا منسل
 تمام ہی نہ سکتے ہوں؛ اس کم سن انڈیو بچی کو تمام پیریں والے آج تک یاد کرتے ہیں جس نے
 چنگ کے تادمل پر حیرت انگیز جہالت کا مظاہرہ کیا تھا، میں نے ایک مجسٹریٹ کے سالانہ بچے کو جو
 دسترخوان کی مشرتابوں میں ایک گروپ کے اندر بیٹھا تھا، تقریباً اپنے قد کے برابر اونگی اس قدر
 عمدگی سے بجاتے ہوئے دیکھا کہ اکثر ماہرین فن بھی ششہ ہو کر رہ جاتے تھے، مندرجہ بالا اور
 بشمار دیگر مثالوں کی بنا پر میل خیال ہے کہ ہمارے بڑوں کے کھیلوں کے متعلق بچوں کی مفروضہ
 نااہلیت محض خیالی ہے، اور یہ کہ اگر بچے کسی کھیل میں ناکام رہتے بھی ہیں تو یہ محض ناقص مشق ہونے
 کے باعث ہی ہوتا ہے۔

آپ فرمائیں گے کہ ذہن کی قبل اذقت بالیدہ گی پر میں جو سابق میں اعتراض کر آیا ہوں اب
میں خود بھی جسم کی نشوونما کے متعلق اسی غلطی میں پڑ رہا ہوں، درحقیقت یہ ہر دو اشکال باطل
مختلف امد جہاں ہیں، ایک کی رفتار ترقی محض ظاہری ہوتی ہے اور دوسرے کی حقیقی، میں یہ
بیان کر چکا ہوں کہ بچے جس چیز کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ دراصل ان کی ذہنی ترقی
نہیں ہوتی ہے، لیکن جو کام وہ کرتے نظر آتے ہیں وہ فی الواقع کرتے ہی ہیں، علاوہ ازیں یہ بھی
فرا عرض نہ کرنا چاہئے کہ نقل و حرکت کو فطری ضرورت کے مطابق باسانی از خود قائل میں رکھنے اور
کھیل کود کو پر لطف بنانے کے لئے تغیر و تبدل وغیرہ کا عمل سب کا سب کھیل کھیل کے اندر ہی
ہونا چاہئے، اور اس کھیل کو کام میں تبدیل کرنے کی ذرا بھی کوشش دہونی چاہئے، اس لئے
کہ بچے آخر وہ ایسا کون سا کھیل کھیلتے ہیں جس میں کہ ان کی رہ نمائی اور تربیت کے لئے مجھے کافی
مواد نہ دکھائی دیتا ہو، اور اگر میں بچوں کو کوئی تربیت نہ بھی دوں تب بھی جب تک وہ بچے ہر
لطف حاصل کرتے رہیں اور نہ ہی خوشی وقت گزارتے رہیں اس وقت تک ان کی رفتار حصول علم
کوئی اہمیت نہیں رکھ سکتی ہے، لیکن اگر ہر وقت امد ہر وقت پانہیں کچھ نہ کچھ سبق دیا جائے تو

ساحہ
الاعضاء میں کے استعمال کرنے کے متعلق جن کا استعمال نہایت مستعمل اور اہم ترین ہے۔ میں جو کچھ عرض کر چکا ہوں وہی دیکھو حالوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بلوغت و نوجوانی کے لئے اہم ہے، اجسام اسے ساکت ہوں چاہے متحرک دیکھنا اور سمجھنا ہر حالت میں کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ لیکن سننا چوں کہ محض ہوا و خشک چیز چلاہوتے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لئے جب کوئی جسم حرکت میں ہوتا ہے تب ہی وہ شولہ و غلو دیکر آتا ہے، اگر وہ ساکن ہو تو ہم کوئی آواز نہ سن سکیں۔

ذات کے وقت جب ہم اپنی مرضی سے چلتے پھرتے ہیں تو ہمیں سوائے محرک اجسام کے کسی اور چیز کا زہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں نہایت تیز کام اور اس جس کے ذریعہ جو پہلے تجربہ حاصل ہو چکا ہو اس کا پرت فائدہ استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ جس جسم کی وہ جس پیداکردہ ہوا ہے یا چھوٹا، دھڑلے یا نہ دیک اور یہ کہ اس کی رفتار تیز ہے یا سست ہے یا طوفانی۔ ایک مرتبہ جب ہوا میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے تو اس حرکت سے ہوا میں ایک جوابی دباؤ پڑتا ہے جس کے باعث ہمیں ایک گونج پیدا ہو جاتی ہے جو ہمارے احساس کو تازہ کر دیتی ہے اور ہم ایک دوسرے مقام پر س بلند تیز آواز کو سن لیتے ہیں۔ اگر میڈیٹوں اور وادیوں میں آپ اپنے کانوں کو زمین پر ٹھائیں آپ کو گول اور گھوٹول کی ٹاپوں کی آوازیں اس سے کہیں زیادہ فاصلے پر سے سنائی دے سکیں گی جتنے فاصلے سے کہ آپ کو کھڑے ہو کر سنائی دیتی ہیں۔

جس طرح کہ دیکھنے اور سمجھنے کا مواد نہ کیا جا چکا ہے۔ اب اگر سننے کا بھی مواد اس طرح کر لیا جائے بہت بہتر ہو گا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کسی ایک جسم سے جب دو اثرات رواد ہوتے ہیں تو اگر کسی نے پاس ان میں کا کون سا اثر پہلے پہونچتا ہے، جب آپ توپ کی چمک دیکھتے ہیں اس وقت آپ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، لیکن جب آپ اس کی آواز سنتے ہیں تو گولہ آپ تک پہونچ چکا ہے، اور آپ کو حفاظت کا وقت نہیں مل سکتا ہے، چمک اور گرج کے مابین وقفہ کا حساب لگا کر طوفان کا اصلہ معلوم کیا جاسکتا ہے، یہ تمام واقعات بچے کو سیکھنے دیجئے اور جن جن واقعات تک اس کی سنائی ہوئے ان کو تجربہ حاصل کرنے دیجئے اور مابقی کو تحقیقات کے ذریعہ معلوم کرنے دیجئے:

میں تو اس بات کا بڑا خواہش مند ہوں کہ آپ کے کھانے پر دیکھنے کی بجائے کچھ بھی نہ دیکھتے تو بہت بہتر ہو گا

ہماری آواز میں ایک آواز ہوتا ہے جو سننے کا جواب ہے، ہمارے دیکھنے میں کوئی ایسی جوابی چیز نہیں ہے اور جس طرح ہم آواز کو دھڑکتے ہیں۔ رنگوں کو نہیں دھڑکتے ہیں۔ لہذا ہم بول سکتے ہیں۔ آواز کی مشق سے کانوں کو تعلیم و تربیت دینے کا مزید ایک ذریعہ پیدا ہو جاتا ہے۔

انسان کی آوازیں تین قسم کی ہوتی ہیں نطق یعنی محض گویائی۔ موسیقی یا ترنم یعنی سرگئی آواز۔ آواز یعنی کیفیت کا اظہار کرنے والی آواز اور یہ آخری آواز جذباتی زبان کا کام بھی

دیتی ہے۔ اور کانوں اور تقریروں میں بھی جان ڈال دیتی ہے، بچے میں بھی یہ تینوں آوازیں بالکل اسی طرح موجود ہوتی ہیں جس طرح کہ ایک بڑے آدمی ہیں، لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بچہ ان کے استعمال سے انجان ہوتا ہے، وہ ہنستا ہے۔ چلاتا ہے۔ رنجیدہ ہوتا ہے۔ چیختا ہے اور کرتا ہے لیکن اپنے جذبات کو کسی تقریر یا گیت میں ادا نہیں کر سکتا ہے۔ ان ہر سہ آوازوں کا بہترین استعمال موسیقی ہی کے ذریعہ آسکتا ہے، بچوں میں اس قسم کی موسیقی کی قابلیت معدوم ہوتی ہے۔ اور ان کے کانوں میں جذبات بالکل مفقود ہوتے ہیں، اسی طرح ان کی نگاہوں میں بھی اثر نہیں ہوتا ہے، بچے چلا کر ضرور ہیں لیکن پُر اثر الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے ہیں، بچوں کی آوازیں بھی اتنی ہی کم قوت ہوتی ہے جتنی کہ ان کی تقریر ہے۔ میرے چیلے کا طرز گفتگو اور بھی سیدھا سادا ہو گا، اور بچوں کو اس کے جذبات ہنوز خوابیدہ ہی ہیں اور وہ اس کے لب و لہجہ کو متاثر نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے آپ بچے سے کوئی بگڑا سو یا خوش گو اور عمدہ نہ پڑھوائیں، اور نہ آپ بچے کو کوئی نام نہاد قصہ یا بیع تقریر سکھانے کی سعی فرمائیں جن چیزوں کو وہ سمجھ نہیں سکتا اور جن جذبات سے وہ بالکل ہی نا آشنا ہے، ان کے اظہار کے لئے بچے کو اپنی عقل صرف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

آپ بچے کو سیدھے سادے الفاظ بولنا اور ان الفاظ کا صاف تلفظ ادا کرنا سکھائیے اور یہ سکھائیے کہ وہ بغیر تعقید کے نظم و نثر کا صحیح لب و لہجہ معلوم کر سکے، اس کی عقل کو بڑے اور درجہ سوں کے

بچوں کے مام نقائص کو نظر انداز کر کے بغیر جینے چلانے کے ہمیشہ اتنی ہی اونچی آواز سے گفتگو کیا کرے۔ جو دوسرے لوگ سن سکیں۔ الغرض کسی حالت میں بھی تفسیع اوقات نہ ہونے دیجئے۔

موسیقی کے لئے بھی یہی طریقہ زیادہ مناسب اور ٹھیک ہے، آپ بچے کی آواز سرلی سدھی ہوئی بھلا اور مکمل بنائیے اور بچے کے کافوں کو اوقات موسیقی اور سروں سے آشنا کر دیجئے اور بس اس سے زیادہ کچھ نہ کیجئے۔ ذرا حیر اور تعیروں کی موسیقی بچے کی عمر کے لئے غیر موزوں ہے، میری رائے میں اس سے تو یہ بہت ہی بہتر ہو گا کہ موسیقی کا ایک نسخہ ہی نہ کیجئے۔ اگر میرے چلیے کہ الفاظ کے ذخیروں کی ضرورت ہو گی تو میں بذات خود اس کے لئے گیت موزوں کروں گا جو اتنے ہی دل چسپ اور سادہ ہوں گے جتنے کہ ایک بچے کے خیالات سادہ ہر تھے ہیں۔

آپ شاید یہ فرض کر سکیں کہ بچوں کو اہمیل کو بکھنا پڑھنا سکھانے کی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے اس لئے شاید میں موسیقی بھی نہ سکھاؤں گا، ایسے ہم بے ضرورت دماغ سوزی اور اس کی شدت اہمیل کو محفوظ کر دیں اور اس کے ذہن کی رسمی اشادوں کی طرف رہ نہائی کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں یہ تو میں جانتا ہوں کہ کیا ہر یہ معاملہ و شوار ضرور معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ بادی النظر میں تقریری حروف کے علم کے مقابل میں جاننے کے گیتوں کا علم گویا زیادہ ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن حقیقتاً ان کے مابین ایک بڑا فرق یہ ہے کہ جب ہم تقریر کرتے ہیں تو اس میں گویا ہم صرف اپنے ذاتی خیالات ہی کا اظہار کرتے ہیں۔ لہذا دوسروں کے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے ہیں ان خیالات کا پڑھنا یعنی موسیقی سیکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

علمی دنیا پر ایک نظر

بیک کالج

جس تقسیم اسناد کے سلسلے میں ڈاکٹر لاک دو ڈٹ نے پچھلے دنوں برگ بیک کالج کی ترقی و توسیع کے متعلق مختصر سی تقریر کی، اور اس تقریر میں لندن یونیورسٹی کے نظام عمل میں اس کے مقام کو واضح کیا، انھوں نے اس کی تدبیر کی ترقی اور اس کے بڑھتے ہوئے معیار پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیا، شروع شروع میں اس کالج لکچر غیر علمی ساتھ ادنیٰ مباحثہ، عقلانیت، شطرنج اور ورزش مضامین تفریحی، مشاغل کا درجہ رکھتے تھے، ان جنم میں تعلیمی مشاغل میں نمایاں ترقی ہوئی اور تحقیقات کے شعبوں میں بھی جان سی پڑ گئی، اب تو ٹیچر کوریٹ کلاس میں طلبہ کی تعداد ۴۰۰ ہونے لگی اور مختلف ڈگری کلاس میں پڑھنے والے طلبہ کی دویہ ہزار تک پہنچ گئی ہے، پچاسیٹھ میں مختلف طلبہ نے ۴ ڈگریاں حاصل کیں جن میں سے ۲۲ ڈاکٹر کی تھیں اور ڈگری امتحانات میں کامیاب ہونے والے ۲، طلبہ میں سے ۴۲ آنرڈ ڈگری کو اس میں شامل تھے، طلبہ کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر لاک دو ڈٹ نے کہا کہ اس کالج میں داخلے کی ایک شرط اس ملازمت تھی بلکہ ۱۹۵۰ کے اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ طلبہ کی کل تعداد ۱۵۰۰ تھی جس میں ۱۰۰ طلبہ مختلف اداروں کے مسلم تھے۔ ... تکنیکل سسٹمٹ، ۲۰۰ ایک میٹری اور ۴۰۰ اصول ملازم قاری سرکاری افسر اور ۸۰ کیا دان تھے۔ اور باقی تعداد پادریوں، قانونی مشیروں، ڈاکٹروں اور گوروں پر مشتمل تھی۔

ان جیسے دفتروں کے باوجود طلبہ کی یونین نے پچھلے ۲۰ سال میں طرح طرح کے مبالغہ کا اہتمام یونین کی بالغ نظری اور پختہ کاری کے پیش نظر سے یونین ۲۰ سال تک کالج کی مجلس انتظامیہ لئے دو نمائندے منتخب کرتی رہی اور ایک ایسے کالج میں جہاں پڑھنے والوں کی عمریں مختلف ہیں

کی ہر اس قسم کی غلطی کا نام رہ سکتی ہے۔

مدیسین کی تربیت

یورپی و روسی کالج ہل کے پرنسپل مٹر جے آج کل سن لے پچھلے دنوں "مدیسین کی تربیت" کے موضوع پر ایک مختصر مگر جامع تقریر کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اساتذہ کی تربیت اور ان کے لئے مطالعہ کی فہم کی بحوالہ وضاحت کی۔ ان کے خیال میں بوڑھے ہونے کے باوجود مدیسین کی تربیت فرد کی بعض دیگر تجربہ کار اور تعلیم یافتہ مدیسین کو اس کلیے سے مستثنیٰ قرار دینے کے مادی ہو چکے ہیں، حتیٰ کہ کمندیس میں جان ڈالنے کے لئے اور اسے بچوں کے لئے زیادہ موثر اور دل چسپ بنانے کی خاطر مدیسین کو نئے نئے خیالات و رجحانات سے واقف ہونا ضروری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اساتذہ کی تربیت میں جوان اور بوڑھے کی قید اٹھادی جائے، لیکن تدریس میں ایک اور تکنیکی ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے، انسان ذہنی اعتبار سے بہت پیچیدہ ہوتا ہے، بعینہ جس طرح ایک مین اپنے کل پڑوں کی ساخت میں پیچیدہ ہوتی ہے۔ تھارن ڈانک اور دوسرے مفکرین نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ چالیس جیتالیس سال کی عمر میں بھی پڑھنے لکھنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے، اگر بالغ انسان مطالعہ سے گریز کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ بڑا سا بچے نے اس کے دماغی قوی کو معطل کر دیا ہے، بلکہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے رائج ایک نہیں بیویوں مسائل ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنی توجہ کا ایک مقام پر مرکوز نہیں کر سکتا۔

مٹر کلن نے مزید کہا "بعض مضمون جو شخص تکنیکی حالت کا مالک ہوتا ہے اور اس میں ادبی فوق کم کہ ہوتا ہے، آگے چل کر اچھا اور مفید بالغ طالب علم بن جاتا ہے، تکنیکی ہدایت کے مالک اور صنعت کار اپنی حدود سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ کسی فن کو سیکھنے کے لئے اور اس میں تدریس پیدا کرنے کے لئے اس کے مبادیات کو سمجھنا اور اس کی حدود کو جاننا ضروری ہوتا ہے، ذہن متواضع

..... کے سلسلے میں بھی یہ بات بعد کی بعدی صادق آتی ہے۔ حدس کے لئے خود اپنے ذہن اور اپنے

شاگردوں کے ذہن کے تعامل کا تجربہ ضروری ہے، اسے اپنے شاگردوں کی صلاحیتوں کے اختلاف کا علم ضروری ہے، اور اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ذہن ہمیشہ بہترین نہیں ہوا کرتا۔

اسی مجلس میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے سر مکملن نے کہا یونیورسٹی میں پڑھنا والوں کو طریق تدریس کی تربیت نہیں دی جاتی۔ جہاں تک میرا ذاتی تعلق ہے اس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہتا ہے میں مانتا ہوں کہ اس دنیا میں کچھ پیدا کنشی مددیں بھی ہوتے ہیں جنہیں قدرت درمیان تدریس کا عجیب و غریب ملکہ بخش دیتی ہے لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے۔

اسکاٹ لینڈ میں تعلیم

اسکاٹ لینڈ کے حکمرانوں نے ۱۹۰۳ء کی جوتیسٹی رپورٹ پیش کی ہے اس میں کینیڈا کی تعلیم کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ تعلیم کے دوسرے شعبوں سے تہمتی برتی گئی ہے،

یہاں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو فروغ دینے کی مسلسل کوششیں جاری ہیں، لیکن اس رپورٹ کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ کچھ پیالیگریزنگ کے اثرات اب تک باقی ہیں جس کی وجہ سے ان اداروں کی رفتار ترقی کچھ رکی رکی سی معلوم ہوتی ہے۔ ابتدائی مدارس میں بچوں کو انگریزی بولنے، پڑھنے لکھنے اور سمجھنے میں اب بھی وقت محسوس ہوتا ہے۔ تاریخ و جغرافیہ کی تدریس میں پہلی سی بے ترتیبی باقی ہے بلکہ بعض اوقات قویہ تدریس فہم و ادراک سے بعید ہوتی ہے، علم الحساب کی تدریس میں جو خامیاں تھیں وہ آج بھی موجود ہیں، ان میں بنیادی علم کو مربوط کرنے میں ناکامیابی اور مختلف مسائل میں وقت اور توجہ کا ذکر شامل ہیں مطالعہ قدرت کی تدریس بھی کچھ ان مضمینوں سے مختلف نہیں ہوتی۔ سماجی مشاغل کے اہتمام میں بھی کچھ کوتاہیاں ضرور ہیں، ان مشاغل میں کامیابی کا انحصار بالعموم علم کی شخصیت اور اس کی تدریس پر ہوتا ہے۔ البتہ آرٹ اور موسیقی میں طلبہ نے اچھی خاصی ترقی کر لی ہے جس کی تربیت کی تعلیم کے لئے ہنر کی قوم نہیں کی گئی۔ اس روداد کے مطابق جو نیر اسکولوں میں اب تک پڑانے طریقے طے ہیں اور اسکاٹ لینڈ کی پانی وری روایات زندہ ہیں۔ اچھی اور عمدہ اسکیموں میں وسعت نظر اور پختہ فکر کافی دخل ہوتا ہے، پھر بھی ان میں سے بعض اسکیموں کو از سر نو مرتب کرنا ہوگا۔ ان میں سے کچھ نامزدوں اور غیر مناسب بھی ہیں۔ نامناسب اور غیر موزوں اس لئے کہ جن تعلیم کا پھل کے لئے انہیں مرتب کیا گیا ہے۔

انہیں کے لئے مفید نہیں ہیں۔ اور سب سے زیادہ غیر اطمینان بخش حالت ان اداروں کی ہے جن میں بچوں کی صلاحیتوں کی تعمیر و تکمیل کی طرف بالکل توجہ نہیں دی جاتی اور غیر تعلیمی مشاغل یا کم کوشش بچوں کی تعلیم کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ البتہ یہ درست ہے کہ اگر پچھلے سال کی تعلیمی حالت کا اس سال کی تعلیمی حالت سے موازنہ کیا جائے تو حالت بہتر اور امید افزا نظر آتے ہیں، اس کے باوجود پچیس سال پرانے تعلیمی طریقوں کے اثرات اب بھی غالب ہیں اور ان میں سینئر اسکول سب سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے مدارس نئے تعلیمی تجربوں سے بہت کم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگرچہ بعض مدارس جدید رجحانات کے بھی حامل نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود اس رپورٹ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیمی ترقی کی دوڑ میں اسکاٹ لینڈ کو ابھی دشوار گذر سفر نہیں طے کرنا ہوں گی۔ اس سے پہلے ان بچوں کے مسائل حل ہوتے نظر نہیں آتے۔ جو پندرہ سال کی عمر میں تعلیم و تدریس کو غیر یاد دہی، ہر صحت اس تعلیمی رپورٹ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے مدارس میں تجربے پر اتنا زور نہیں دیا جاتا۔ ان کے پیش نظر صرف ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ اساتذہ کی کئی اور دوسری تعلیمی دشواریوں کے باوجود آگے بڑھنے کی جدوجہد جاری رکھے، بالخصوص تعلیمی ملازمتوں میں اس مسئلے کا حل زیادہ مشکل ہو جاتا ہے، ریاضی اور سائنس کے اساتذہ کی تعداد کم ہونے کی محسوس کی جا رہی ہے۔ اب میتھی، آرٹ اور تربیتی جسمانی کے مدرسین بھی کم یا بے ہیں۔

سینئر ثانوی مدارس کی حالت قابل اطمینان ہے، یہاں بچوں کو لیوننگ سائنسز، ٹیکنالوجی، لیکن جملہ مدارس میں خواہ وہ ابتدائی ہوں یا جونیئر یا سینئر ثانوی مدارس ہوں نئے تعلیمی رجحانات اور تعلیمی طریقوں میں بہت کچھ اختلاف اور موجودہ اسکاٹ لینڈ میں تعلیم کی مشاورتی کونسل کی مسلسل رپورٹوں سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اساتذہ کی کئی نئے منصوبوں کو بروئے کار لانے کا غیر مناسب انتظام سماجی پس منظر میں ثانوی مدارس پر یونیورسٹی کے اثرات۔ پانچ سالہ اساتذہ کا پرانے طریقوں سے گریو دکنا یا لود اسی قسم کے جمیوں اعتراضات متھے نذر افرا رہے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ والوں کو اپنی تعلیمی ترقی کے ان دشوار گذار مسائل حل کرنے کے لئے اساتذہ انہیں مدد کرنے کی کوشش میں معروف رہتے ہیں، اور فی الواقع یہی ترقی کی نشانی ہو سکتی ہے۔

سرکاری جریدہ کے اعلانات

نیشنل ۲۰۰۵/۵ ایم۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

سے بشمارہ ۲۲۵-۱۵-۲۵۰ روپے نائب مدرس مقرر ہوئے (تاقم مقام)

م۔ جلیلتاد ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

تاقم مقام نائب مدرس مقرر ہوئے۔

ای ۱۹۱۱۳/۱۱ ایم۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

ہائی اسکول شہر کوٹ (جھنگ) میں بحیثیت سائنس ماسٹر وائس چوئے (تادریح حاضری سے)

ای ۱۹۹۵۲/۱۱ ایم۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

شیر حسین بخاری ایم۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

سے ڈی۔ آئی۔ ایس۔ محجرات مقوم ہوئے (بشمارہ خود)

ای ۱۹۱۹۸/۱۱ ایم۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

میدلیمین خاں بی۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

مقرر ہوئے (بشمارہ خود)

م۔ حکیم بخش خان بی۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

م۔ مستنصر اللہ بی۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

ہائی اسکول شہر کوٹ (جھنگ) میں بحیثیت سائنس ماسٹر وائس چوئے (تادریح حاضری سے)

م۔ جلیلتاد ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

م۔ جلیلتاد ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

ایس۔ ملک علی شاہ ایم۔ اے۔ ایم۔ این خریدی ایم۔ اے۔ ایک امیدوار ایک لی اسائی پرائنٹس کالج گھونڈا گلی میں ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء

جگتہ ریخ حاضری سے ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول بکترہ ہوئے۔ (بشاہرہ خود)

محمد صری محمد اکرم بیٹے بی بی (دعا ۱۰۰/۳۵۵) لے ڈی۔ آئی۔ ایس۔ لائل پورہ جو صری سلطان علی بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ کی جگہ جو اپنی عازمت کے سبکدوش ہو چکے ہیں تاد ریخ حاضری سے ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول بکترہ ہوئے۔ (بشاہرہ خود)

م بشیر بہادر بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ (دعا ۱۰۰/۳۵۵) سیکٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول ی۔ م۔ محمد اکبر علی ایم۔ لے۔ پی۔ ای۔ ایس۔ کی جگہ جن کا تقریر بحیثیت نائب ناظر تعلیمات حلقہ داول پنڈی ہو چکا ہے، ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول علی خیل مقرر ہوئے۔ (بشاہرہ خود۔ تاد ریخ حاضری سے)

م۔ رشید احمد ایم۔ لے۔ بی۔ ٹی۔ (دعا ۱۰۰/۳۵۵) مسلم انگریز ی گڈنٹ ہائی اسکول شیخوپورہ۔ م۔ عبد الباقی ایم۔ لے۔ بی۔ کی جگہ جن کا تقریر بحیثیت ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکول ریسان والی ہو چکا ہے، تاد ریخ حاضری سے ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول ساہی وال مقرر ہوئے۔ (بشاہرہ خود)

م۔ ایس۔ ایم۔ تقی ایم۔ لے۔ بی۔ ٹی۔ ایٹھٹک ڈپ ایکویشن (لندن) لے ڈی۔ آئی۔ ایس۔ شیخوپورہ۔ م۔ محمد علی کی جگہ جن کا تقریر بحیثیت ڈی۔ آئی۔ ایس۔ جہلم ہو چکا ہے، تاد ریخ حاضری سے ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول مری مقرر ہوئے۔ (بشاہرہ خود)

م۔ اب فواد انصاری بی۔ لے۔ ایس۔ لے۔ وی (دعا ۸۰/۳۵۵) ہیٹھا سٹرگڈنٹ نابل اسکول مظفر گڑھ۔ م۔ منصور احمد پی۔ ای۔ ایس۔ کی جگہ جو اپنی عازمت سربک دوش ہو چکے ہیں تاد ریخ حاضری سے ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول ملتان مقرر ہوئے۔

م۔ محمد شفیع ایم۔ لے۔ بی۔ ٹی (۳۵۵/۲۵۰) مسلم انگریزی گڈنٹ ہائی اسکول ملتان م۔ رب نواز انصاری کی جگہ تاد ریخ حاضری سے ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول مظفر گڑھ مقرر ہوئے۔ (بشاہرہ خود)

ای۔ اے۔ ایم۔ ہندو لیجن ایم۔ لے۔ بی۔ ٹی (دعا ۳۵۵/۲۵۰) لے ڈی۔ آئی۔ ایس۔ داول پنڈی۔ تاجی محمد علی کی جگہ جن کا تقریر بحیثیت ہیٹھا سٹرگڈنٹ ہائی اسکول شرق پورہ ہو چکا ہے، تاد ریخ حاضری سے لے ڈی۔ آئی۔ ایس۔ علی کوٹ مقرر ہوئے۔ (بشاہرہ خود)

م۔ عبد الغنی ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول پشاور
م۔ محمد الدین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ تاریخ حاضری سے، اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ داخل اسکول پشاور
ہوئے (پشاور خود)

۱۸۰۶/۱۔ محمد علی اصغر علی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ بیاگوٹ مقرر ہوئے
صدر ترقی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ تاریخ حاضری سے، اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ لاہور مقرر ہوئے (پشاور خود)
م۔ محمد حسین صدر ترقی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ لاہور م۔ عبد الغنی
کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ تاریخ حاضری سے، اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ لاہور مقرر ہوئے۔
م۔ عبدالقیم ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ شیخوپورہ، محمد علی اصغر علی کی جگہ
تاریخ حاضری سے، اے۔ ڈی۔ آئی۔ ایس۔ بیاگوٹ مقرر ہوئے (پشاور خود)

۱۹۰۶/۱۔ عبدالحمید بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) مدرس سائنس گورنمنٹ ہائی اسکول چنایاں (لاہور) شیخ
محمد نواز کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ تاریخ حاضری سے مدرس سائنس گورنمنٹ ہائی اسکول قصور مقرر ہوئے۔
(پشاور خود)

شیخ محمد نواز بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول قصور عبدالحمید
کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ تاریخ حاضری سے معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول قصور مقرر ہوئے۔
م۔ حمید علی خاں ایم۔ ایس۔ سی (دراعت) مدرس ایک امیدوار (جوئی اعلیٰ پنجاب ذراعتی کالج لاہور)
میں کثرت اگر کی کچھ اسٹنٹ، فرد میکشن کام کر رہے ہیں، ایک خالی اسامی پر تاریخ حاضری سے گورنمنٹ
داخل اسکول شاہ محمد صدیق مدرس ذراعت مقرر ہوئے (پشاور خود)۔ ۱۳۰۷/۲۵

۱۹۹۱/۱۔ محمد علی الدین بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) مدرس انگریزی گورنمنٹ اسکول لکھنؤ (لاہور)۔ م۔
محمد اصغر ملک کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ تاریخ حاضری سے مدرس انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول ساہیوال
مقرر ہوئے (پشاور خود) آزاد ٹی۔ م۔ محمد اصغر ملک بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (۱۳۰۷/۲۵) معلم انگریزی گورنمنٹ
ہائی اسکول ساہیوال (شاہ محمد) آزاد ٹی۔ م۔ محمد علی الدین کی جگہ تاریخ حاضری سے مدرس انگریزی گورنمنٹ



پنجاب ایجوکیشنل جرنل اور آموزش (اردو)

۱۔ پاکستان بھر میں یہ دوہی تعلیمی رسالے ہیں۔ جنکو سرکاری سرپرستی اور امداد حاصل ہے۔

۲۔ پاکستان بھر میں یہی دو تعلیمی رسالے ہیں۔ جو مرکزی اور صوبائی درسگاہوں اور تعلیمی حلقوں میں مقبول ہیں۔

۳۔ ان رسالوں کے متعلق ادارتی خطوط اور چھپنے والے مضامین ایڈیٹر (پرنسپل) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کو بھیجے جائیں۔ ان رسالوں میں چھپے ہوئے مضامین، کیلئے معاوضہ دیا جاتا ہے۔

۴۔ یہ رسالے ہر مہینے کے دوسرے ہفتہ میں چھپتے ہیں اور ان کا چندہ آٹھ روپیہ (انگریزی) اور چھ روپیہ (اردو) ہے۔ جو کہ مسیجر کو بھیجنا چاہئے۔

۵۔ ان رسالوں میں اشتہار دینے سے آپکی اشیاء مقبول ہونگی۔ تجارتی معاملات کیلئے خط و کتابت مسیجر سے کریں۔

پنجاب ایجوکیشنل جرنل
آموزش منیجر

۲ کچہری روڈ۔ لاہور (پاکستان)



